طلوع اسلام

یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸	ہفتہ ـــــ یکم۔ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء	نمبر ۳۵

سلوگن Page 3

کشمیر کی پکار Page 4

معاہدہ بغداد Page 5

تاریخی شواہد Page 7

اسلام کی سرگزشت Page 8

مجلس اقبال Page 9

عورت کا قرآن Page 10

طاہرہ کے نام Page 11

اسلام پر ہندو تہذیب کے اثرات Page 14

باب المراسلات Page 16

حقائق و عبر Page 17

نقد و نظر Page 18

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ھے اور اسلامی نظام کیسے قائم ھوسکتا ھے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راھیں کھولدی ھیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ھزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ھے کہ ھمارا مرض کیا ھے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاھوں کا زاویہ بدل دیا ھے۔مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ھے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذھبی تصورات سے متنفر ھوتے ھوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ھی سے ھاتھ دھو چلا تھا۔عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ھے کہ محسوس ھی نہیں ھوتا کہ ھم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رھے ھیں۔باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ھیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ھیں۔قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ھے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ھے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رھنے سہنے کا ڈھنگ۔سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ھر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ـــــ یکم۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۵

سلوگن

(SLOGANS)

اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

(محض چند مبہم الفاظ جو تم نے اور تمہارے آباء نے وضع کر رکھے ہیں)

جب زندگی حیوانی سطح سے آگے بڑھ کر انسانی سطح پر پہنچی تو اس میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہوئیں جو اس سے پہلی ارتقائی منزلوں میں کہیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ یہ خصوصیات تھیں۔ (۱) اختیار و ارادہ۔ (۲) سمجھنے سوچنے کی صلاحیت اور (۳) زبان۔ حیوانات کو نہ زبان ملی ہے نہ فکری صلاحیت۔ اور نہ اختیار و ارادہ۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو یہ تینوں صلاحیتیں باہدگر مربوط ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ایک شخص آپ سے کوئی بات کہتا ہے آپ اُس کی بات کو سن کر اس پر غور کرتے ہیں اور اس طرح ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے لئے ایک فیصلہ کرتے ہیں اور اس فیصلہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس میں زبان، فکر اور فیصلہ کی تینوں صلاحیتیں آجاتی ہیں۔ یہی صلاحیتیں وجہ شرفِ انسانیت ہیں۔ انہی سے اقوام کی ترقی وابستہ ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت بھی مفقود ہو جائے تو وہ قوم انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آجاتی ہے۔ قرآن نے ان صلاحیتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور جو قوم اپنے آپ کو ان سے محروم کر لیتی ہے اسے جہنمی قرار دیا ہے۔

لیکن جس طرح انسان نے اپنی مفاد پرستیوں کے پیشِ نظر فطرت کے دیگر عطیات کا ناجائز استعمال کیا اسی طرح اس نے ان خصوصیاتِ کبریٰ کو بھی اس درجہ مسخ اور پامال کیا کہ ان کا مقصود فنا اور مفہوم یکسر باطل ہو کر رہ گیا اس مفاد پرست گروہ نے، دوسرے انسانوں سے سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت کو سلب کرنے کے لئے تقلید کا مسلک وضع کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی عقل و فکر سے ہرگز کام نہ لے اور بلا سوچے سمجھے دوسروں کے پیچھے چلتا جائے، اور جو کچھ اسے پہلی نسلوں سے وراثت میں ملے اسے فطرت کے اٹل قوانین کی طرح غیر متبدل سمجھے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی انسان خود سوچنے کے بجائے تقلید کا مسلک اختیار کرے تو اس سے اختیار و ارادہ کی صلاحیت خود بخود سلب ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کے بعد وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے فیصلہ سے نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی ہر حرکت مشین کی طرح غیر اختیاری ہوتی ہے۔ وہ جس راستہ پر چلتا ہے اس کا رخ اس نے اپنی مرضی سے آپ متعین نہیں کیا ہوتا۔ وہ رُخ دوسروں کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ اور جب یہی مسلک کوئی قوم اختیار کر لیتی ہے تو اس سے بھی رفتہ رفتہ سمجھنے سوچنے کی صلاحیت اور اپنے اختیار و ارادہ سے معاملات متعین کرنے کی استعداد سلب ہو جاتی ہے۔

اندھی تقلید جو کچھ زندگی کے دوسرے شعبوں میں کرتی ہے وہی کچھ زبان کے بارے میں بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، جب ایک شخص آپ سے کوئی بات کہتا ہے، تو آپ ان الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ اور اس طرح اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تقلیدی مسلک میں یہ صورت بھی بالکل بدل جاتی ہے۔ آپ الفاظ کو سن کر اُن پر غور و فکر نہیں کرتے بلا سوچے سمجھے، ان الفاظ کا ایک خاص اثر آپ کے جذبات پر براہ راست مرتب ہو جاتا ہے، اور آپ ان جذبات سے مغلوب ہو کر خود بخود کچھ کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً جب آپ کو کوئی شخص گالی دیتا ہے تو آپ اس گالی کے الفاظ پر غور و فکر نہیں کرتے۔ ہوتا یہ ہے کہ اُدھر وہ الفاظ آپ کے کان میں پڑے اور ادھر آپ کے جذبات بھڑک اٹھے اور اس کے بعد آپ وہ کچھ کر گزرے جس پر آپ کو بعد میں خود ہی متاسف اور نادم ہونا پڑا۔ اس پورے عمل میں غور و فکر اور اختیار و ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بعینہٖ اسی طرح، مفاد پرست گروہ جو عوام کو اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے، کرتا یہ ہے کہ کچھ نہایت حسین اور خوش آیند الفاظ وضع کرتا ہے مختلف طریقوں سے لوگوں کو ان کا اس طرح عادی بنا دیتا ہے کہ اُدھر یہ الفاظ کان میں پڑے اور ادھر ان کے جذبات مشتعل ہوئے۔ اس طرح یہ گروہ عوام کو ہمیشہ ایک گہرے فریب میں رکھتا ہے۔ ان پر اپنا صحیح مقصد کبھی واضح نہیں ہونے دیتا اور انہیں ان الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھائے رکھتا ہے جن کا متعین مفہوم ان کے سامنے کبھی نہیں آنے دیتا۔ دورِ حاضر کی مکیاولی سیاست میں اس قسم کے الفاظ کو سلوگن (یا نعرہ) کہتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ سلوگن کی ابتدا اس لئے ہوئی تھی کہ ایک لمبی چوڑی بات کو سمٹا کر دو تین الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ یہ ایجاز و ارتکاز بڑی مفید چیز تھی۔ اس سے زندگی کا سفر مختصر ہو جاتا ہے۔ لیکن آج کل ان نعروں سے قطعاً یہ مقصد نہیں ہوتا۔ یہ نعرے چند مبہم الفاظ ہوتے ہیں جن کا مفہوم جان بوجھ کر غیر متعین رکھا جاتا ہے اور ان کے سحر آفریں اثر سے عوام کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت کو اس طرح مفلوج کر دیا جاتا ہے جس طرح ہپناٹزم (عملِ تنویم) کا عامل اپنے معمول کو بے حس کر دیتا ہے۔ یہ نعرے یوں تو دنیا کی تمام قوموں اور ملکوں میں رائج ہیں۔ لیکن پاکستان میں ان کا استعمال بڑی کثرت اور خصوصیت سے کیا جا رہا ہے۔ پاکستان ایک سرزمین کا نام ہے جسے مسلمانوں نے اس لئے حاصل کیا تھا کہ وہ یہاں اپنے تصوراتِ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ارکانِ سیاست اور اربابِ مذہب عوام سے ان تصورات کے پورا کرنے کے وعدے کرتے ہیں لیکن دونوں کی کوشش یہ ہے کہ ان تصورات کا کوئی متعین مفہوم عوام کے سامنے نہ آنے پائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے چند سلوگن وضع کر رکھے ہیں جنہیں یہ حضرات بار بار دہراتے رہتے ہیں اور اس طرح ان سے عملِ تنویم کا کام لیتے ہیں۔ چونکہ ہمارے اربابِ سیاست کی زبان اب تک انگریزی ہے اس لئے ان کے ہاں یہ سلوگن انگریزی زبان میں سنائی دیتے ہیں۔ مثلاً اسلامک آئیڈیالوجی۔ اسلامک سوشلزم۔ اسلامک ڈیموکریسی۔ سوشل جسٹس۔ اکوالیٹی (مساوات)، فریٹرنٹی (اخوت)، برادرہڈ (برادری) وغیرہ مسلسل آٹھ برس سے ان الفاظ کو پلیٹ فارموں سے، اسمبلی کے ایوان سے، حکومت کی مسندوں سے، اخباری بیانات سے، ریڈیو کی نشرگاہوں سے۔ ملک کے اندر اور باہر، ہر مقام سے مسلسل اور متواتر سنتے چلے آرہے ہیں۔ ان لیڈران قوم میں سے ہر جانے والا ان الفاظ کو دہراتا ہوا چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا آنے والا انہیں دُہرانا شروع کر دیتا ہے لیکن ان میں سے کسی نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے اور وہ مفہوم عملی شکل میں کس طرح لایا جا سکتا ہے۔

ان الفاظ کو بار بار دہرانے سے عوام کو اس کا عادی بنا دیا گیا ہے کہ ادھر یہ الفاظ ان کے کان میں پڑے اور ادھر ان کی زبان سے غیر شعوری طور پر" نعرۂ تکبیر؛ اللہ اکبر" کی فلک شگاف صدائیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ نہ انہیں یہ معلوم کہ ہمارے ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ نہ انہیں یہ پتہ کہ "اللہ اکبر" کیوں کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

دوسری طرف ہمارے ارباب مذہب ہیں۔ انہوں نے بھی اس میکیاولی حربہ سے کچھ کم فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ ایک طرح دیکھا جائے تو وہ اس سے اور بھی زیادہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس لئے کہ عوام سیاسی لیڈروں کے مقابلہ میں مذہبی راہنماؤں کے ان الفاظ سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اور ان کی آواز سے ان کے جذبات بڑی تیزی سے مشتعل ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں سے اس قسم کے سلوگن دہرائے جاتے ہیں۔ مثلاً اسلامی دستور۔ شرعی نظام۔ اقامت دین۔ صالح نظام۔ کتاب و سنت۔ اسلامی تہذیب۔ اسلامی تمدن اعلائے کلمۃ الحق۔ وغیرہ۔ جس طرح ارباب سیاست نے اپنے نعروں کے مفہوم کو کبھی متعین ہونے نہیں دیا اسی طرح ان ارباب شریعت نے ان مقدس الفاظ کو بھی آج تک شرمندۂ معنی نہیں ہونے دیا۔ ان الفاظ کی سحر آفرینی سے عوام کے جذبات کو تیز سے تیز تر کیا جاتا ہے اور یہی وہ قوت ہے جس کے بل بوتے پر یہ لوگ اپنے مخالفین کو دھمکاتے اور اپنے مقصد کو بروئے کار لاتے چلے جا رہے ہیں۔

آپ سوچئے کہ ان نعروں نے قوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے معنی متعین نہیں، اس لئے فطرت نے جس مقصد کے لئے انسان کو زبان یا قوت بیان عطا کی تھی ان سے وہ مقصد یکسر فوت ہو جاتا ہے۔ ان الفاظ کی اپیل براہ راست جذبات سے ہوتی ہے اس لئے قوم سے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت، جو وجہ تخزانسانیت ہے، رفتہ رفتہ مفقود ہو گئی۔ چونکہ ان نعروں سے قوم کو اندھی تقلید سکھائی جاتی ہے اس لئے ان میں قوت فیصلہ بھی باقی نہیں رہی۔ اب عوام جو کچھ کرتے ہیں اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کرتے بلکہ ان نعروں کے زور پر غیر شعوری طور پر قدم اٹھائے چلے جاتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر، ہماری قوم سے وہ تمام خصوصیات جن کی بنا پر انسان درجۂ حیوانیت سے بلند ہوتا ہے چھن چکی ہیں۔ ان حالات میں آپ سوچئے کہ قوم کی حالت کیا سے کیا ہو چکی ہے؟

عوام تو بالعموم مجبور ہوتے ہیں اس لئے ان سے چنداں شکایت نہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ملک کا لکھا پڑھا طبقہ بھی اسی رَو میں بہے چلا جا رہا ہے ان میں سے بھی نہ کوئی ارکان سیاست سے پوچھتا ہے کہ آپ جو اٹھتے بیٹھتے ان الفاظ کو دہراتے رہتے ہیں اور مسلسل آٹھ برس سے دہرائے چلے جا رہے ہیں ان سے آپ کا مفہوم کیا ہے؟ جب تک آپ ان کا مفہوم واضح اور متعین طور پر نہیں بتلاتے ہم انہیں سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ لوگ علمبرداران مذہب سے اتنا پوچھتے ہیں کہ آپ غسل اور طہارت تک کے مسائل کی تو اس قدر تفاصیل بیان کرتے رہتے ہیں لیکن ان الفاظ کے آپ نے آج تک کوئی معنی متعین نہیں کئے۔ بالآخر اس مذاق سے مطلب کیا ہے۔ آپ واضح طور پر بتائیں کہ جو الفاظ آپ استعمال کر رہے ہیں ان کا مفہوم کیا ہے؟ تاکہ ہم سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکیں کہ ان کی تائید کرنی چاہیئے یا نہیں۔ ہم ملک کے سنجیدہ طبقہ سے صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ آپ اس روش کو اختیار کیجئے اور پھر دیکھئے کہ ملی مسائل کی الجھی ہوئی گتھیاں کس طرح چند دنوں میں سلجھنی شروع ہو جاتی ہیں۔ کوئی لیڈر ہو یا مولوی۔ اخبار کا ایڈیٹر ہو یا اسمبلی کا اسپیکر، آپ اسے آگے نہ بڑھنے دیں جب تک وہ ان الفاظ کا مفہوم متعین شکل میں آپ کے سامنے پیش نہ کر دے۔ جب وہ ایسا کر دے تو پھر دیکھئے کہ وہ دوسرے وقت اس مفہوم سے پھر نہ جائے۔ نیز اس سے وقتاً فوقتاً پوچھتے رہیئے کہ اس نے اس مفہوم کو عملی پیکر میں لانے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ یہ کچھ بے باکانہ کیجئے۔ گستاخانہ نہیں بلکہ بے باکانہ۔ اور دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیجئے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی چیز نظر آئے گی لیکن آپ دیکھیں گے کہ اس کا نتیجہ کس قدر عمدہ مرتب ہوتا ہے۔ اسی سے آپ یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان میں سے کتنوں کے دعاوی علم و تقویٰ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ جسٹس منیر نے ہمارے ان ارباب شریعت سے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ بتائیں کہ "مسلمان" کسے کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ لوگ کس طرح بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگ گئے تھے اور کوئی ایک بھی متعین طور پر نہیں بتا سکا تھا کہ "مسلمان" کی تعریف (DEFINITION) کیا ہے۔ اسی طرح طلوع اسلام ان علمبرداران کتاب و سنت سے، برسوں سے پوچھ رہا ہے کہ "سنت" کسے کہتے ہیں اور وہ کہاں سے ملے گی۔ لیکن اس کا جواب آج تک ان میں سے کسی سے بھی بن نہیں پڑا۔ ارباب علم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کسی مابہ النزاع مسئلہ (PROBLEM) کو پہلے (DEFINE) کر لیا جائے۔ یعنی واضح الفاظ میں اس کا مفہوم متعین کر لیا جائے تو آدھا مسئلہ اسی طرح حل ہو جایا کرتا ہے۔ زندہ قومیں جو فکر و شعور سے کام لینا جانتی ہیں، کبھی اپنی اصطلاحات کو مبہم اور غیر متعین (UN-DEFINED) نہیں رکھتیں۔ لیکن جو قومیں فکر و عمل سے عاری ہوں، وہ ہمیشہ تجریدی گفتگو (ABSTRACT TALK) اور غیر متعین اصطلاحات میں باتیں کرتی ہیں اور ان کے لیڈر، جو خود فکر و عمل کی صلاحیتوں سے بیگانہ ہوتے ہیں انہیں مبہم الفاظ کے شاعرانہ گورکھ دھندوں میں اُلجھائے رکھتے ہیں۔ اس سے اُن کی بے عملی اور بے راہ روی پر پردے پڑے رہتے ہیں۔ ملّتِ پاکستانیہ کو اس فریب کارانہ لفاظی کے خواب آور اثرات سے بچانے کی صورت یہی ہے کہ جو شخص اس قسم کے الفاظ استعمال کرے اس سے کہا جائے کہ وہ ان کا متعین مفہوم بیان کرے۔ قرآن نے جب کہا تھا کہ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (۳۳/۷۰) تو اس کا مطلب یہی تھا۔ زندہ اقوام الفاظ کا مفہوم متعین کرتے ہیں کیا کچھ کرتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس تازہ واقعہ سے لگایئے کہ آج کل امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں پچیس سکالرز اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھے ہیں کہ امریکہ میں انسانی مساوات (HUMAN EQUALITY) کی جو اصطلاح استعمال ہوتی ہے، اس کا متعین مفہوم کیا ہے؟ یونیورسٹی کے پروفیسروں سے لے کر گرجا کے پادریوں تک سب اس اجتماع میں شریک ہیں۔ ان کا پروگرام یہ ہے کہ وہ ایک سال تک اس مسئلہ کی تحقیق کریں کہ امریکی جمہوریت سے مقصود کیا ہے اور اس کا منتہیٰ کیا۔ "مساوات انسانی" کا سوال اس ضمن میں سب سے پہلے ان کے سامنے آیا ہے۔

یہ ہے زندہ قوموں کی حالت۔ اور دوسری طرف ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہمارے ارباب سیاست یہ بتا سکتے ہیں کہ "اسلامک ڈیماکریسی" کسے کہتے ہیں اور نہ ہی ارباب شریعت کو معلوم ہے کہ "مسلمان" کی "تعریف" کیا ہے اور "سُنّت" کا متعین مفہوم کیا؟

کیا ملک کا سوچنے والا طبقہ اس اہم اور بنیادی سوال پر غور کرے گا اور نعروں (SLOGANS) کے اس طوفان کو روکنے کی کوشش کرے گا جس میں اس وقت قوم کو بری طرح بہایا جا رہا ہے؟

کشمیر کی پُکار

کراچی میں ہندوستانی ہائی کمشنر اور اقوام متحدہ کے دفاتر کے سامنے بھوک ہڑتالوں کا جو سلسلہ شروع ہو گیا ہے وہ ہلکا سا ارتعاش ہے اور اگر چالیس لاکھ مظلومین کشمیر کی آزادی جیسے عظیم الشان مسئلہ کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اسے چنداں شائستہ اعتنا بھی نہیں سمجھا جائے گا لیکن یہ وہ بالائے سطح ارتعاش ہے جو پرسوں کے زیر سطح پرورش پانے والے ہیجانِ عظیم کا پتہ دیتا ہے۔ کشمیر کے بارے میں پاکستان میں جو قلبی جذبات پائے جاتے ہیں وہ محتاج تشریح نہیں۔ یہ خطہ پاکستان کا لاینفک جزو ہے۔ جس طرح اس کے بغیر پاکستان کا نام مکمل نہیں ہوتا اسی طرح اس خطے کے بغیر ہمارا ملک مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فیصلہ تنہا جغرافیہ ہی کا نہیں بلکہ تاریخ، روایات، ثقافت، مذہب سب کا متفقہ فیصلہ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو اور انگریز نے گہری سازش سے کشمیر کو علیحدہ کر کے پاکستان کو سربریدہ کرنا چاہا اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان معرض وجود میں آتے ہی مجاہدین کشمیر کی مدد کو پہنچا۔ یہ مدد اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ ڈوگرہ حکمران سرینگر سے بھاگ کر دہلی جا پہنچا۔ کشمیر کا فیصلہ قریباً ہو چکا تھا کہ یہ مسئلہ سیاست کے گرداب میں پھنس گیا۔ بس پھر کیا تھا، جو کام ہندوستانی توپوں سے نہ ہو سکا وہ مذاکرات کی میزوں پر باتوں باتوں میں ہو گیا۔ کشمیر میں بظاہر جنگ بند ہو گئی اور امن قائم ہو گیا لیکن اس سے خطۂ جنت نظیر جہنم میں تبدیل ہو گیا۔ بیچارے کشمیری بے چارہ تر ہو گئے کیونکہ وہ دوستوں اور بھائیوں کی مدد سے محروم ہو کر ہندوستانی سنگینوں میں گھر گئے۔ وہ دن اور آج کا دن، غلامی کے شکنجے کستے ہی جا رہے ہیں۔ کشمیر کم و

بشیں ہندوستان کا حصہ بنا دیا گیا ہے اور اس کی آزادی خواہ مسلم آبادی کو اقلیت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ غیر تو غیر خود ریاستی باشندوں کو مجالِ احتجاج نہیں کیونکہ بات پر زبان کٹتی ہے۔ اور تو اور شیخ عبداللہ جیسا مدبر باصفا جس نے کشمیر کی قسمت کو پوری طرح ہندوستان سے وابستہ کر دیا تھا وہ بھی اس کے خلاف لب کشائی کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور پنڈت نہرو کے جنون کا یہ عالم ہو گیا کہ عبداللہ کو اس جرم کی پاداش میں نہ محض معزول کر دیا بلکہ غیر معین عرصہ کے لئے جیل میں ٹھونس دیا۔ لیکن آزادی کا جذبہ جبر و تشدد سے دبتا نہیں اور اُبھرتا ہے۔ مسلمان تو مسلمان خود ہندوؤں میں جذباتِ غیض و غضب پرورش پانے شروع ہو گئے۔ اس میں پیش پیش پنڈت پریم ناتھ بزاز اور ان کے رفقاء ہیں۔ وہ مسلسل ہندوستان کے جور و تعدی کے خلاف احتجاج کرتے چلے آ رہے ہیں اور یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کشمیر کو آزاد استصواب کے ذریعہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس جرم کی پاداش میں پہلے انہیں جیل میں ٹھونک دیا گیا پھر ریاست بدر کر دیا گیا۔ اس کے باوجود پنڈت بزاز کا جذبہ آزادی دب نہ سکا۔ وہ دہلی میں مقیم ہو کر اپنے مطالبہ کے حق میں فضا سازگار کرتے رہے۔ ہندوستان آزادی کی اس آواز کو کیسے برداشت کر سکتا تھا؟ چنانچہ اس آواز کو بھی بند کر دیا گیا ہے اور پنڈت بزاز کو پھر سے سیفٹی ایکٹ کے ماتحت نظر بند کر دیا گیا ہے۔

ان **واقعات** سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے عزائم کیا تھے۔ گو ان عزائم میں کبھی شبہ نہیں تھا لیکن ان کے ہوتے ہوئے کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہمیں یہ کہنا اس لئے پڑتا ہے کہ ہماری حکومت اس غلط فہمی میں شکار چلی آ رہی ہے کہ وہ ہندوستان سے معقول بات منوا لے گی۔ اس غلط فہمی کا خصوصی مظاہرہ گذشتہ دو سال سے مسلسل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ سابق وزیر اعظم محمد علی صاحب نے اس سلسلہ میں بڑا افسوسناک مظاہرہ کیا اور ہندوستان کو اور مہلت مہیا کر دی کہ وہ اپنے آہنی پنجے زیادہ مضبوطی سے گاڑ لے۔ جب سے وہ حکومت سے علیحدہ ہوئے ہیں نئی حکومت کو کشمیر کے بارے میں اپنی حکمت عملی متعین کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایک تو اندرونی سیاست نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ ان مسائلِ مہمہ کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دی جا سکتی۔ دوسرے آل پارٹیز کانفرنس بلانے کا جو فیصلہ کیا گیا ہے اس سے مزید تاخیر واقع ہو گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس کے تعلق ہر پاکستانی صرف ایک ہی رائے رکھتا ہے اور وہ یہ کہ کشمیر کو ہندوستان کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرایا جائے۔ اس لئے اس سلسلے میں کسی صلاح و مشورے کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اگر اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے تو حکومت کو چاہیئے تھا کہ اس کا فی الفور انتظام کرتی اور ایک متعین لائحہ عمل طے کر کے عمل پیرا ہو جاتی کیونکہ ایک دن کی تاخیر بھی کشمیر اور پاکستان دونوں کے لئے انتہائی ناگوار نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ حکومت کی اس گو مگو اور لیت و لعل کا نتیجہ ہے کہ قوم میں بے صبری پیدا ہو گئی ہے اور ایسے افراد اُبھرنا شروع ہو گئے ہیں جو اپنی بساط کے مطابق کشمیر کے لئے کچھ کر گزرنا چاہتے ہیں۔ ان کی قربانی کا جو بھی نتیجہ نکلے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کشمیر کے لئے اپنی جانیں نثار کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہیں اس سے سروکار نہیں کہ ان کی جان جہانگیر روڈ پر جائے، آخر یہ کے سپرد ہو یا بندر روڈ پر۔ انہیں موقع ملے تو وہ کشمیر کے لالہ زاروں کو اپنے خونِ گرم کی رنگینی سے شرمانے سے دریغ نہیں کریں گے۔

لیکن یہ موقع بہم پہنچانا حکومت کا کام ہے۔ اور حکومت ابھی اپنے مصالح کو دیکھ رہی ہے۔ حکومت کی خوش قسمتی ہے کہ اتنے نازک معاملہ میں بھی قوم نے اس کا ساتھ دیا ہے اور کوئی اضطراری اور عاجلانہ حرکت نہیں کی۔ اب بھی قوم کا دبا ہوا طوفان شدت عزم و احتیاط سے چھوٹ رہا ہے۔ لیکن یہ قرائن ایسے ہیں جن سے حکومت کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اس نے کم سے کم وقت میں کشمیری پالیسی متعین کر کے قیادت کا فرض ادا نہ کیا تو معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ وہ ہندوستان اور اقوامِ متحدہ کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ قوم میں اتنا صبر نہیں۔ انہیں مظلومین کشمیر کی آہیں اور کراہیں پکار رہی ہیں۔ وہ بقول اقبالؔ دُلر کے کنارے خضر کی طرح سوچتی نہیں رہ سکتی کہ

جہاں کے چشمے اُبلتے ہیں کہاں تک

اس کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے اور اب مقام آ پہنچا ہے جہاں موت زندگی سے بھی زندہ تر ہو جاتی ہے! ان آثار حیات کو غیر وقیع سمجھنے والے جان لیں کہ

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

معاہدہ بغداد

پاکستان بالآخر معاہدہ بغداد میں شریک ہو گیا ہے۔ یہ معاہدہ اسی سال ۲۴ فروری کو ترکی اور عراق میں طے پایا تھا۔ اور اس سلسلہ کی دوسری کڑی تھا۔ جس کی ابتداء گذشتہ ترکی پاکستانی معاہدہ سے ہوئی تھی۔ ترکی اور پاکستان کا معاہدہ بھی انہی خطوط پر تھا۔ اور اس میں بھی دیگر ممالک کے شریک ہونے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ لیکن عربوں کی سیاست نے ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ عراق کو اس معاہدہ میں شریک کرنے کی بجائے ترکی نے اس سے علیحدہ معاہدہ کر لیا۔ اور پھر کوشش شروع ہوئی کہ پاکستان کو اس میں شریک کیا جائے۔ پاکستان کی شرکت یوں تو یقینی تھی کیونکہ دونوں معاہدے ہم مقصد تھے اور شروع ہی سے پیش نہاد مشرق وسطیٰ کی دفاعی تنظیم کی تشکیل تھا۔ لیکن اس کا رسمی اعلان کسی وجہ سے ٹلتا چلا آ رہا تھا۔ بارے انتظار کا یہ صبر آزما سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اور معاہدہ بغداد اب یقینی مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔

پاکستان کے آنے سے معاہدہ بغداد چار قومی ہو جاتا ہے۔ تیسری معاہد قوم برطانیہ ہے۔ ضمناً یہ برطانیہ کی شرکت کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۳۲ء کا برطانوی عراقی معاہدہ — جس کی رو سے برطانیہ نے عراق میں دو فوجی اڈے قائم کر رکھے تھے بدل گیا اور عراق پوری طرح آزاد ہو گیا۔ اب جب چار قومیں معاہد ہو گئی ہیں تو معاہدے کی شق چھ کے مطابق چاروں کے وزراء کی ایک مستقل کونسل معرضِ وجود میں آئے گی جو معاہدہ کو عملی شکل دے گی۔ گویا معاہدہ بغداد پر عملدرآمد پاکستان کی شرکت سے ممکن ہوا ہے۔ اس سے پاکستان کی شرکت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس معاہدے کا مقصد دنیا میں بالعموم اور مشرقِ وسطیٰ میں بالخصوص امن کا قیام اور تحفظ ہے۔ مشرقِ وسطیٰ عالمی سیاست میں بڑا اہم مقام ہے۔ یوں تو یہ علاقہ تاریخ میں ہمیشہ خصوصی اہمیت کا مالک رہا ہے۔ اور آدمیوں اور خیالات میں تصادم کا میدان بنا رہا ہے۔ لیکن موجودہ مشرق و مغرب کی کشمکش میں اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ علاقہ مغرب کے تغلب میں رہا اور اب کچھ اس تعلق کی بنا پر اور کچھ سیاسی وجوہ کی بنا پر اس کا میلان مغرب کی طرف ہے۔ روس کی للچائی ہوئی نگاہیں اشتراکی انقلاب سے پہلے بھی ان علاقوں پر پڑتی تھیں۔ اور اب تو اسے اور زیادہ ضرورت ہے کہ وہ یہاں اثر و نفوذ پیدا کرے۔ اس کے لئے اسے ضروری ہے کہ ایک مغربی اثر کو زائل کرے اور دوسرے مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان اشتراکیت سے جو عدم لگاؤ ہے۔ اس کا تدارک کرے۔ پہلا مقصد حاصل کرنے کے لئے اس نے غیر جانبداری کا تصور پیدا کیا۔ غیر جانبداری کا تصور اس کے نزدیک اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ علاقے مغرب سے اپنا رشتہ منقطع کر لیں۔ اسے یقین ہے کہ مغرب بے دخل ہو گیا۔ تو اس خلاء کو وہی پُر کرے گا۔ جہاں تک اسلام اور اشتراکیت کے تصادم کا تعلق ہے۔ اس پر وہ بقاء باہم کے پردے ڈال رہا ہے۔ ان عوامل نے مشرقِ وسطیٰ کو ایک دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ وہ طویل غفلت کے بعد بیدار ہو رہا ہے۔ نئی حاصل شدہ سیاسی آزادی نے ان ممالک کے سامنے چند در چند مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ ان میں نمایاں معاشی بدحالی اور عسکری کمزوری ہے۔ ان دونوں کے ارتفاع کے لئے تجربے اور سرمائے کی ضرورت ہے جو مغرب بالخصوص امریکہ سے میسر آ سکتے ہیں۔ روس اور ہندوستان اس میں مزاحم ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ان کو امریکہ جیسا طاقتور حلیف مل گیا۔ تو ان کی قیادت کا خواب پریشان ہو جائے گا۔ ان ممالک کی نفسیات غلامی کے صدقے میں ان کوششوں کا کچھ اثر ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے مشرقِ وسطیٰ یا بالفاظِ دیگر دنیائے اسلام کے سامنے دو صورتیں آ گئی ہیں۔ ایک امریکہ سے اتحاد۔ بین الاقوامی سیاست میں اتحاد کے بغیر گذارہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کمزور قوم کا لئے یار و مددگار رہنا تو ایک طرف امریکہ اور روس جیسے ممالک دوستوں کے بغیر نہیں رہ سکتے اور ان کی سیاست کا نقطۂ ماسکہ یہ ہو گیا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حلیف بنائیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو امریکہ اور روس میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ہو گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو عالمی قوتیں انھیں زبردستی اِدھر سے اُدھر لے جائیں گی۔ امریکہ کا انتخاب اس لئے قابلِ ترجیح ہے کہ اس سے انھیں مطلوبہ معاشی اور فوجی مدد مل سکتی ہے۔ اور اگر مسلمان متحد ہو کر اس سے معاملہ طے کریں تو وہ سیاسی غلامی کے باقیات کو ختم

کراسکتے ہیں اور آبرومندانہ سودا کرسکتے ہیں۔ جس میں لین بھی ہوگا اور دین بھی۔ چونکہ امریکہ کو مسلمانوں اور اس کے علاقوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ اس کی قیمت ضرور دے گا۔ اس قیمت کا تعین ہمارے اتحاد کے ہاتھوں ہوگا۔ دوسری صورت روس سے اتحاد ہے اس اتحاد میں مسلمانوں کا کوئی بھلا نہیں۔ اول تو اس لئے کہ مسلمان ممالک کے بیشتر مسائل اقوام مغرب سے متعلق ہیں۔ اور وہ انہی سے براہِ راست طے ہوسکتے ہیں۔ دوسرے روس مطلوبہ معاشی امداد نہیں دے سکتا۔ بلکہ دوسرے ممالک کو مدد دیکر ان کا معاشی درجہ بلند کرنا ان کے فلسفۂ اشتراکیت کے خلاف ہے۔ معاشی ابتری کا پھیلنا اس کے نزدیک اشتراکیت کا ناگزیر پیش خیمہ ہے۔ تیسرے ——— دوسری شق کا لازمی نتیجہ ہے۔ روس سے تعلقات کی استواری میں اشتراکیت کو لامحالہ فروغ ملیگا۔ اور یہ فروغ محض نظریاتی فروغ نہیں ہوگا بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ یہ روسی (اشتراکی) استعماریت ہوگی۔

یہ ہے وہ دوراہا جہاں دنیائے اسلام کھڑی ہے گو راہ انتخاب واضح ہے۔ لیکن چونکہ دونوں طرف عالمی قوی مصروف کار ہیں۔ اس لئے کمزور و متفرق اقوام مسلم کوئی فیصلہ نہیں کرپاتیں اور فیصلہ نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ وہیں کی وہیں کھڑی ہیں۔ آج کی تند و تیز آندھیوں میں یہ صریحاً ناممکن ہے۔ وہ طوفانوں کے رحم و کرم پر ہیں اور ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ناتوان تنکوں کی طرح اڑ رہی ہیں۔ ان طوفانوں میں انقرہ اور کراچی نے سلامتی کا مینار تعمیر کیا۔ اور پھر دونوں نے مل کر ممالک مسلمہ کی ننھی ننھی کشتیوں کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ عراق کو بچالیا گیا، ایران کے بچ نکلنے کی توقع ہے۔ بعض ممالک مثلاً مصر ابن نوح کے الفاظ میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ غیر جانبداری کا پہاڑ انھیں اس سیلاب عظیم سے بچالے گا۔ وہ اس کی ہلاکت سامانیوں سے بے خبر ہیں اور ان آسروں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں جن کی حیثیت تنکوں سے زیادہ وقیع نہیں۔ جہاں ان کی بہت سی وجوہ ہیں (ان پر طلوع اسلام میں کئی مرتبہ گفتگو کی جاچکی ہے) وہاں ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں یا ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ معاہدہ بغداد ان کے بچاؤ کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ بادی النظر میں یہ صحیح ہے۔ پاکستان، ترکی اور عراق مل کر بھی ان طوفانوں کے حریف نہیں ہوسکتے جو مشرق وسطیٰ میں چلنا شروع ہوگئے ہیں۔ یہ ابتداء واقعی حقیر ہے لیکن اس کی ممکنات بے پایاں ہیں۔ جیسا کہ پہلے کئی مرتبہ لکھا گیا ہے اور اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس میں وحدت عالم اسلامی کی صورت مضمر ہے۔ جو دور رس نتائج کی حامل ہے مصر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو اسے یقین ہوجائیگا کہ اس کی ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی کی نجات معاہدہ بغداد میں ہے

ان ممکنات کے پیش نظر ترکی، عراق اور پاکستان کی ذمہ داری بڑی نازک ہوجاتی ہے۔ انھیں عمل سے یہ دکھانا ہوگا کہ معاہدہ بغداد ایک طاقتور محاذ ہے اور یہ مسلمانوں کو متحد اور مستحکم بنانے کا موجب ہے۔ انھیں ہوشیاری اور تدبر سے کام لے کر اس خاکے میں رنگ محل بھرتے جانا چاہیئے۔ اور یہ اداران اسلام پر کلام نرم و نازک سے یہ واضح کرتے رہنا چاہیئے کہ ان کا بھلا اسی میں شریک ہونے سے ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مصر کی مخالفت حقائق کی تادیر حریف نہیں ہوسکیگی۔ اس معاہدہ میں شریک ہوکر پاکستان کی ذمہ داری نازک تر ہوگئی ہے۔ وہ جنوب مشرقی ایشیا میں سیٹو میں بھی شامل ہے۔ ان دونوں معاہدوں کو ملا کر دیکھا جائے تو پاکستان امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا تھائی لینڈ، فلپائن، نیوزی لینڈ، ترکی اور عراق یعنی کل آٹھ ممالک کا حلیف بن گیا ہے۔ اس طرح اس کی ذمہ داریوں کا دائرہ قسطنطنیہ سے منیلا تک وسیع ہوجاتا ہے۔ ذمہ داریوں کا اضافہ عالمی سیاست میں پاکستان کے مقام و منصب کا بھی پتہ دیتا ہے اور اس کا بھی ثبوت ہے کہ دنیا میں پاکستان کے دوستوں میں اضافہ ہورہا ہے جس ملک کے اتنے دوست ہوں وہ دنیا میں سر اونچا کرکے چل سکتا ہے۔ لیکن سر اونچا کرنے کے لئے جس قامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ پاکستان کو حاصل نہیں ہوا۔ اس کی وجہ اندرون ملک تلاش کرنی چاہیئے۔ جب تک پاکستان اندرونی استحکام نہیں کرلے گا۔ اور ان دھندوں سے فارغ نہیں ہوجائیگا جو اس کی ملی قوت کو ضائع کرنے کا موجب بن رہے ہیں اس وقت تک وہ بیرون ملک نہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیگا نہ اس قامت کو بلند کرسکے گا جو ان بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کا لازمہ ہے۔ لیکن یہ علیحدہ بحث ہے جس پر کئی بار گفتگو کی گئی ہے اور کی جاتی رہے گی۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۱ء	جون ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہوجانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ کراچی

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت — (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گردپوش۔ قیمت تیس روپے

ابلیس و آدم — (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم۔ جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۰۷ صفحات ——— قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت: دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام — (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۴۴ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چار روپے

اسباب زوال امت — (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۰۲ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گردپوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۲۔ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۲)

یہ ایک ایسا واضح اور کھلا ہوا اعتراض تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا! انسان اور اپنے ہاتھوں کی تراشیدہ مورتیوں کے سامنے جھکے! یہ ایک ایسی واضح گمراہی ہے جس کے جواز میں ایک لفظ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اِلّا اس کے کہ:۔

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۝ (۲۱/۵۳)

تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا وہ ان ہی کی پوجا کرتے تھے۔

لیکن اس مضحکہ انگیز دلیل کی حقیقت کیا ہے؟

قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۲۱/۵۴)

ابراہیم نے کہا۔ یقین کرو۔ تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں تھے۔

لیکن قوم کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ یہ نوجوان سچ مچ اپنے اسلاف کی روش کہن کے خلاف ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ۝ (۲۱/۵۵)

اس پر انہوں نے کہا تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا یونہی مزاح کر رہا ہے

آپ نے کہا کہ اس میں مزاح کی کون سی بات ہے! یہ ایک حقیقت ہے جس پر کامل متانت اور سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے

قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ۝ (۲۱/۵۶)

ابراہیم نے کہا۔ مذاق نہیں۔ میں سچ مچ تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس خدا کا قانون ربوبیت کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جاری و ساری ہے اس کا قانون تمہارے معاشرہ میں بھی نافذ ہونا چاہیئے میں اس حقیقت کی شہادت پیش کر رہا ہوں

بت پرستی کی تائید میں جو دلیل قوم کی طرف سے پیش کی گئی تھی وہ تو ہمارے سامنے آچکی ہے اس مسلک کے ابطال میں حضرت ابراہیم نے جو کچھ فرمایا وہ قابلِ غور ہے۔ سورہ شعراء میں ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ (۲۶/۶۹—۷۳)

اور (اے پیغمبرِ اسلام) ابراہیم کے حالات (سے متعلق آیات کو) ان کے سامنے پڑھو، جب اس نے اپنے والد اور اپنی قوم سے (متحیر ہو کر) کہا کہ "آخر یہ تم کن کی عبودیت (اطاعت و فرماں پذیری) اختیار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا۔ "ہم اپنے بزرگوں اور محترم و معظم چیزوں کی اطاعت کر رہے ہیں جن کی (مورتیوں کو پوجتے ہیں۔ چنانچہ ان کی پوجا میں) جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ اس پر ابراہیم نے کہا: کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں (کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی چیز بھی اطاعت کے لائق نہیں ہو سکتی)

اس سوال کا جواب کیا تھا؟ اسی سازِ کہن کی صدائے بازگشت۔

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ (۲۶/۷۴)

وہ بولے (نہیں، یہ بات تو نہیں ہے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے

اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے پھر یہی فرمایا کہ اس بات کو چھوڑو کہ یہ مسلک تمہارے اسلاف سے متوارث تم تک پہنچا ہے۔ سوچو یہ کہ یہ مسلک ہے کیسا؟ اسلاف پرستی کے خلاف کیسی بصیرت افروز دلیل ہے یعنی نفسِ شے پر غور کرو اور سوچو کہ اس کی حقیقت کیا ہے کوئی روش محض اس لئے صحیح نہیں قرار پا سکتی کہ وہ چند نسلوں سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ فرمایا

قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۝ (۲۶/۷۵—۷۶)

ابراہیم نے کہا (ظالمو!) تم نے غور بھی کیا کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا کن لوگوں کی عبودیت (اطاعت شعاری و فرماں پذیری) اختیار کرتے چلے آرہے ہو؟

اس مقام پر آپ نے غیر اللہ کی عبودیت کے متعلق یہ فرمایا کہ دیکھو! ان میں سے کسی میں یہ قوت نہیں کہ تمہیں کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی لغزش کی سب سے خطرناک گھاٹی جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کا خیال ہے۔ ایک انسان کسی دوسرے انسان کے سامنے جھکتا اس وقت ہے جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ شخص اسے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مظاہرِ فطرت (آگ، پانی، بادل، بجلی، شیر، سانپ) کی پرستش، یا ان دیوی دیوتاؤں کی تماثیل (مٹی اور پتھر کے بتوں) کی پوجا کی ابتدا بھی اسی جذبہ کے ماتحت ہوئی اور اس سے آگے بڑھ کر انسانوں کی محکومیت و عبودیت کی بنیادیں بھی انہی تصورات پر استوار ہوئیں۔ ایک داعیٔ توحید، قلب و دماغ کے بت خانوں کی انہی بنیادوں کو اکھیڑتا ہے۔ جب وہ اس حقیقت باہرہ کو سامنے لاتا ہے کہ دنیا میں نفع و مضرت کی قوت خدا کے قانونِ مشیت کے علاوہ اور کسی کی نہیں۔ سورہ عنکبوت میں ہے:

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ (۲۹/۱۶—۱۸)

(اور اے پیغمبر! اسی طرح) ہم نے ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، (یاد کرو) جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔ اللہ ہی کی عبودیت (اطاعت و حکومت پذیری) اختیار کرو۔ اور اس کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ اگر تم جانو، تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو اور (اس طرح) ایک (سفید) جھوٹ گھڑتے ہو۔ خدا کو چھوڑ کر جن لوگوں کی تم عبودیت (اطاعت و فرماں پذیری) اختیار کرتے ہو، وہ یقیناً تمہارے واسطے روزی کے مالک نہیں۔ رزق خدا کے قانون کے مطابق طلب کرو اُسی کی عبودیت (اطاعت و فرماں پذیری) اختیار کرو۔ اور اُس کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ تمہارا ہر قدم اُس کی طرف اٹھ رہا ہے (یہی سچائی اور صداقت ہے)۔ لیکن اگر تم اسے جھٹلاتے ہو (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے اور امتیں بھی (سچائی کے علمبرداروں کو) جھٹلا چکی ہیں۔ رسول (اور پیغامبر) کے ذمہ تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ واضح طور پر (خدا کے ارشادات پہنچا دے اور بس!)

جلبِ منفعت کے دائرہ میں رزق کو بڑی ممتاز حیثیت حاصل ہے رزق کے خزانوں کی کنجیاں کس طرح خدائے واحد کے اپنے ہاتھوں میں ہیں، (اس کی تفصیل "نظامِ ربوبیت" میں ملے گی)

ابلیس و آدم
از پرویز
قیمت:- آٹھ روپے

اسلام کی سرگزشت

بابِ دوم — اسلام — پہلی فصل

گذشتہ اشاعتوں میں زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیاتِ عقلیہ سے بحث کی جا چکی ہے اور اس کے مظاہر یعنی لغت، زبان، شعر و شاعری، ضرب الامثال اور قصوں کہانیوں وغیرہ سے گفتگو کی جا چکی ہے۔ حالیہ صحبت میں یہ بتایا جائے گا کہ اسلام نے عربوں کی حیاتِ عقلیہ پر کیا اثرات مرتب کئے تھے۔

جاہلیت اور اسلام کے درمیان

عربوں کی عقلیت پر دو مختلف جہتوں سے اسلام نے دو بڑے اثرات مرتب کئے جن میں سے ایک اثر تو ڈائرکٹ تھا یعنی ان تعلیمات کا اثر جو عربوں کے عقائد کے برخلاف اسلام لایا تھا۔ دوسرا اثر ان ڈائرکٹ تھا یعنی اسلام نے عربوں کو ایران اور سلطنتِ روم کو فتح کرنے کا اہل بنا دیا۔ یہ دونوں عظیم قومیں اس عہد میں زیادہ ترقی پذیر مدنیت کی حامل تھیں۔ ان فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحہ شہر اور ان کا انتظام اور علم و فلسفہ عربوں کی نظروں میں آیا اور خصوصی طور پر ان کی یہ تمام چیزیں مسلمانوں میں سرایت کرتی چلی گئیں جس سے ان کی عقلیت بھی متاثر ہوئی۔ ہم آگے چل کر ان دونوں اثرات کے متعلق تفصیل بیان کریں گے۔

لفظ اسلام اور اس کے معنی

(س۔ ل۔ م) مادہ کو لے کر لفظ اسلام کی تحقیق کی جستجو کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ سَلَامٌ کے معنی سلامت کے ہوتے ہیں جو جنگ اور مخاصمت کی ضد ہے۔ قرآن کریم میں ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (خدا کے فرمانبردار بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں) شاید یہ آیت وہ کلید ہے جس سے ہم اس وجہ تک پہنچ سکتے ہیں جس کی بنا پر محمد صلعم کی بعثت سے پہلے زمانہ کو جاہلیت اور رسول اللہ کے زمانہ کو اسلام کا لقب دیا گیا۔ جاہلیت کا لفظ اس جَهْلٌ سے ماخوذ نہیں ہے جو علم کی ضد ہوتا ہے بلکہ یہ اس جَهْلٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بیوقوفی، غصہ اور عصبیت کے ہوتے ہیں؟ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جبکہ انہوں نے ایک آدمی کو اس کی ماں کا نام لے کر عار دلائی تھی۔ فرمایا تھا: "تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت ہے۔" مطلب یہ تھا کہ تمہارے اندر جاہلیت کی روح موجود ہے اس معنی سے قریب یہ بھی ہے کہ وہ: سُتَجْهِلَةُ الشَّيْئُ کو اسے اس چیز نے بہت ہی ہلکا تصور کیا کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی شاعر کا یہ مصرعہ ہے۔

وَقَاكَ الْهَوٰى وَاسْتَجْهَلَتْكَ الْمَنَازِلُ

(منزلوں نے تو تمہیں کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ کوئی قدر کی البتہ محبت ہی نے تمہاری حفاظت کی)

عمرو بن کلثوم کے معلقہ میں یہ شعر موجود ہے۔

اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا
فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا

(یاد رہے، کوئی آدمی ہمارے خلاف جہالت کا مظاہرہ نہ کرے۔ پھر جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کا مظاہرہ کریں گے۔)

ان تمام استعمالات سے نظر آتا ہے کہ جاہلیت کے لفظ سے مراد ہلکا پن، تعصب، حمیت اور مفاخرت وغیرہ خصائص ہیں جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کے نمایاں ترین عناصر تھے اسی بنا پر اس عہد کو جاہلیت کہا جاتا تھا۔ ان کے بالمقابل انکسارِ نفس، تواضع، نیک عملی کی قدر و قیمت، نسبی غرور کی بے اعتباری، یہ تمام اثرات سلامتی اور مصالحت کے ہوتے تھے۔ لہٰذا طبری کے بیان کے مطابق آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے فرمانبردار بندے وہ ہیں جو زمین پر حلم اور بردباری کے ساتھ چلتے ہیں اور جو لوگ ان کے خلاف جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ ان کے خلاف جہالت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

پھر یہ لفظ ایک دوسرے معنوں کی طرف منتقل ہوا۔ جو اس سے قریب تھا اور لفظ اَسْلَمَ کا استعمال ہونے لگا جو سلام ہی سے نکلا تھا۔ اس کے معنی خضوع اور انقیاد و اطاعت کے ہوتے تھے۔ کیونکہ خضوع و انقیاد ہی ایسی چیزیں ہیں جو سلامت و مصالحت کی طرف اور چیزوں سے زیادہ داعی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات میں انہی معنوں میں یہ لفظ آیا ہے: وَاَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ" اور فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ علاوہ ازیں قرآن میں یہ لفظ بعض جگہ مومن اور کافر سب لوگوں پر بول دیا گیا ہے۔ کیونکہ سب خدا کے کائناتی قوانین کے سامنے عاجز اور پیدائشی طور پر مطیع و منقاد ہیں، خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔ دنیا کے کائناتی قوانین ان پر برابر نافذ ہوتے رہتے ہیں اور ان میں ان سے باہر نکلنے کی ذرا قدرت نہیں ہوتی۔

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ

(پستیوں اور بلندیوں میں جس قدر مخلوقات ہے وہ بخوشی اور جبراً اس کے قوانین کی فرمانبردار ہے اور سب اس کے قوانین کے گرد گھوم رہے ہیں)

تو پستیوں اور بلندیوں کی تمام چیزیں اس معنی میں مُسْلِمٌ ہیں یعنی خدا کے قوانین کی مطیع ہیں اور دنیا میں جو قوانین اس نے مقرر کر دیئے ہیں ان کے فرمانبردار ہیں۔

بعد میں یہ لفظ صرف ان لوگوں پر بولا جانے لگا جو بخوشی اپنے آپ کو خدا کا مطیع و فرمانبردار بنا لیں۔ گویا مُسْلِمٌ وہ ہوا جو بخوشی خدا کی اطاعت کرے۔ اور اس طرح طبعی اور ارادی دونوں اطاعتیں اس میں جمع ہو جائیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت اس مضمون سے قریب ہے جہاں فرمایا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(تمام نظاہائے حیات سے منہ موڑ کر اسلامی نظام کے لئے اپنے آپ کو ہموار کر لو۔ یہی خدا کی وہ فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کے قانونِ تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی استوار نظامِ زندگی ہے لیکن اکثر لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے)

اس معنے میں مُسْلِمٌ کا لفظ ہر اس شخص پر بول دیا جاتا ہے جو خدا کے قوانین کے سامنے سرافگندہ ہو اور انبیائے کرام میں سے کسی نبی کی پیروی کرتا ہو۔ چنانچہ ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلعم کے تمام پیروکار مُسْلِمٌ کہلاتے ہیں۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

(ملکۂ سبا نے کہا۔ "سردارانِ قوم! میرے پاس ایک معزز مکتوب آیا ہے جو سلیمان کی طرف سے ہے اور اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے اور اس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور (مُسْلِمٌ) مطیع و فرمانبردار بن کر آ جاؤ"۔)

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۗ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

(ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ خدا نے تمہارے لئے اس نظامِ زندگی کو منتخب فرمایا ہے لہٰذا تم اس حال میں مرنا کہ اس کے (مُسْلِمٌ) مطیع و فرماں بردار رہو)

سورۂ یوسف میں ہے

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

(خدایا مجھے (مُسْلِمٌ) مطیع و فرمانبردار بنا کر مارنا۔ اور نیکوکار لوگوں کے ساتھ ملا دینا۔)

اسلامی معاشرت — قیمت دو روپے

مجلس اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب دوم (مسلسل)

باطل دیرینہ را غارت گرے
فتنہ در جیبے سراپا محشرے

اس میں اتنی قوت ہونی چاہیئے کہ وہ کائنات سے ہر کہنہ باطل کو مسمار کر دے۔ اس کی رگوں میں انقلاب آفریں بجلیاں بھری ہونی چاہئیں۔ وہ انسانی دنیا کے ذرہ ذرہ میں انقلاب پیدا کر دے اور مردہ قوم کو حیاتِ نو عطا کر کے حرکت اور حرارت کا ایک حشر بپا کر دے۔ مقصد اور آرزو کی اس تشریح کے بعد وہ اپنی ملتِ شریفہ سے کہتے ہیں۔

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

ہماری زندگی تخلیقِ مقاصد سے ہے۔ اگر ہم کسی مقصد کو اپنے سامنے نہیں رکھتے اور نئے نئے مقاصد کو پیدا نہیں کرتے تو ہم زندہ نہیں ہیں۔ یہ تو ہے ہماری زندگی کا راز۔ یعنی تخلیقِ مقاصد۔ باقی رہا اس زندگی میں درخشندگی اور تابندگی کا پیدا ہونا، تو وہ شعاعِ آرزو کے صدقے میں ملتی ہے۔ مختصراً یہ کہ اس آب و گل کے پیکر میں زندگی کی نمود تخلیقِ مقاصد سے ہوتی ہے۔ اور پھر اس زندگی میں حرارت اور نورانیت اس مقصد کے حصول کی تڑپ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی کو آرزو کہتے ہیں۔

اس شعر پر دوسرا باب ختم ہو جاتا ہے۔

مجلسِ اقبال

تیسرا باب

در بیان ایں کہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد

سابقہ باب میں اقبال نے یہ بتایا تھا کہ خودی کا استحکام اور بقا اس سے ہے کہ انسان کے سامنے ایک متعین نصب العین ہو اور اس نصب العین کے حصول کی تڑپ اس کے دل کے اندر موجزن رہے۔ زیرِ نظر باب میں وہ یہ بتاتے ہیں کہ خودی کے استحکام کا دوسرا عنصر عشق اور محبت ہے۔ اقبال کی دیگر اصطلاحات کی طرح عشق کی اصطلاح بھی اپنا خاص مفہوم رکھتی ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے عشق کا لفظ ہمارے ہاں بہت بلند ہو گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے ہمارے معاشرہ میں کیفیت یہ تھی کہ شریف گھرانوں میں یہ لفظ بولا تک نہیں جاتا تھا اور کسی شریف نوجوان لڑکی کی زبان تک اس لفظ کا آجانا قیامت برپا کر دیتا تھا۔ اقبال نے ان الفاظ کو جو نئے معنی پہنا دیئے اس کی وجہ سے اب یہ ہماری مجلسوں اور گھروں میں عام استعمال ہوتے ہیں، اور صرف استعمال ہی نہیں ہوتے بلکہ ان سے دلوں کے اندر تازہ ولولے، آنکھوں میں چمک اور دماغوں میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ ادب کے اندر اتنا عظیم انقلاب شاید ہی کسی اور نے پیدا کیا ہو۔

عشق سے اقبال کی مراد یہ ہے کہ اپنے نصب العین کے حصول میں انسان اس طرح جذب ہو جائے کہ دنیا کی کوئی اور جاذبیت اسے اپنی طرف نہ کھینچ سکے۔ عقل ہمیشہ مصلحت کوش ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنے پیشِ نظر مقصد کا حصول چاہتی ہے لیکن اس طرح کہ اس میں انسان کو کہیں خراش تک نہ آنے پائے۔ لیکن عشق ان مصلحت کوشیوں سے بیگانہ اور بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ایک اور صرف ایک ہی سوال ہوتا ہے۔ یعنی اپنے نصب العین کا حصول۔ یہ چیز اس کے نزدیک دنیا کی ہر شے سے عزیز تر ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کی راہ میں جان تک بھی دینا پڑ جائے تو وہ اس استرباقی سے نہ صرف یہ کہ دریغ نہیں کرتا، بلکہ اس کی طرف خندہ پیشانی سے بڑھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے لئے اقبال نے کہا ہے کہ

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

یعنی عام حالات میں جان کی حفاظت ہی زندگی کا مقصود ہے لیکن انسانی زندگی میں وہ مقام بھی آجاتے ہیں جہاں جان کا دیدینا ہی حقیقت میں زندگی ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عشق آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے دراں حالیکہ عقل ابھی لبِ بام کھڑی اس سوچ میں ہوتی ہے کہ اس آگ سے بچنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ یہ ہے وہ عشق جس کی تشریح اقبال نے زیرِ نظر باب میں مختلف انداز سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

نقطۂ نورے کہ نامِ او خودی است
زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است

خودی کو انہوں نے نقطۂ نور بتایا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ مادی شے نہیں۔ نہ ہی مادہ کی پیداوار ہے۔ اس کا تعلق عالمِ نورانیت سے ہے اور انسان کے جسمِ خاکی کے نیچے جو شرارِ زندگی ہے وہ درحقیقت اسی خودی کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان راکھ کا ڈھیر یا آب و گل کا پتلا ہے۔ زندہ اور پائندہ انسان نہیں ہے۔ یہ خودی۔

از محبت می شود پایندہ تر
زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر

محبت سے خودی مستحکم ہو جاتی ہے زندہ تو یہ پہلے بھی ہوتی ہے لیکن اس سے یہ زندہ تر ہو جاتی ہے۔ حرارت بھی اس میں پہلے سے ہوتی ہے لیکن عشق سے اس کی حرارت شعلہ انگیز بن جاتی ہے۔ وہ خود عالمِ نورانیت سے مشتق ہے اس لئے اس میں چمک بھی ہوتی ہے لیکن عشق کی سان پر چڑھ کر اس کی چمک میں بجلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

از محبت اشتعالِ جوہرش
ارتقائے ممکناتِ مضمرش

خودی کا جوہر محبت کی آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اس کے اندر زندگی کی جس قدر ممکنات (POTENTIALITIES) چھپی ہوتی ہیں ان کی نشو و نما اور نمود عشق کی بنا پر ہوتی ہے۔

فطرتِ او آتش اندوزد ز عشق
عالم افروزی بیاموزد ز عشق

خودی کی فطرت، عشق سے اپنے اندر آگ اکٹھا کر لیتی ہے اس آگ سے صرف اس کے اپنے ہی اندر حرارت اور چمک نہیں پیدا ہوتی بلکہ اس سے وہ ساری دنیا کو درخشندگی اور تابندگی عطا کر دیتی ہے۔

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست

عشق موت سے نہیں ڈرتا۔ وہ خنجر سے نہیں گھبراتا۔ وہ ہنسی خوشی

(باقی کالم ۱ پر)

(بقیہ کالم ۳ سے)

شمشیر کے نیچے اپنا گلا رکھ دیتا ہے۔ اس لئے کہ تلوار سے صرف انسان کا یہ طبیعی جسم فنا ہوتا ہے لیکن عشق کا سرچشمہ اس مادی دنیا اور عالمِ طبیعیات سے ماوراء ہے۔ اس لئے جو چیزیں انسان کی مادی زندگی کو ضرر پہنچا سکتی ہیں عشق ان کی زد سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جان بھی دینی پڑے تو اس میں اسے ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔

در جہاں ہم صلح ہم پیکارِ عشق
آبِ حیواں تیغِ جوہر دارِ عشق

عشق اپنے ہر مخالف کے خلاف بے باکانہ نبرد آزما ہوتا ہے لیکن جو اس کا رفیق ہو اس کے ساتھ اس کی صلح بھی بڑی گہری ہوتی ہے۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ عشق اگر ایک طرف تیغِ براں ہوتا ہے تو دوسری طرف وہ آبِ حیواں بھی ہے جس سے انسان کو حیاتِ دوام حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں وہ اگر ایک طرف "اشداء علی الکفار" ہوتا ہے تو دوسری طرف "رحماء بینہم" بھی اس کی صفت ہے۔

عورت کا قرآن

(۲۸)

"دل" دو نہیں، ایک ہی ہے تو ظاہر ہے کہ بیک وقت ایک سے زائد کے ساتھ دلی تعلق پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر اس بے تعلقی کا نتیجہ یہ نہ نکلے کہ اس دلی تعلق والی بیوی کے علاوہ بقیہ بیویوں کے ساتھ بے خیالی، سرد مہری، بدسلوکی برتی جائے ان کے جذبات و ضروریات کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اسی لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اگر دوسری بیوی کرنے لگو یا کرنا چاہو تو پہلی بیوی سے وہ مال واپس نہ لو جو تم اس کو مہر یا کسی طرح پر دے چکے ہو چاہے وہ سونے چاندی کا ایک بہت بڑا انبار ہی کیوں نہ ہو۔ اسی کو قرآن مجید نے "ظلم" قرار دیا ہے اور اسی لئے فرمایا کہ اگر "عدل" نہ کر سکنے کا ذرا سا بھی تم کو خدشہ اور اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی ٹھیک ہے کیونکہ اس صورت میں خدا کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو سکے گی اور تم سزا کے مستوجب نہ ہوگے۔ ظاہر ہے کہ جس بیوی سے محبت اور دلی وابستگی ہی نہ ہوگی اس کا درد و دکھ مرد کلیجے کو محسوس کرے گا۔

دراصل یہ قرآن کو غلط سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ کہ دونوں مشرق کچھ کا کچھ کہہ رہے ہیں۔ قرآن کو آسان کہا گیا ہے۔ اور کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد جو ہر لحہ دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر راستے قائم کی جائے "قرآن" قانونِ زندگی ہے ہر زمانہ اور ہر حالت کے لئے۔ اس لئے وہ ہر صورتِ حال کے لئے ایک قانون پیش کرتا ہے۔

جس حد تک کہ عام اور پُرسکون دورِ حیات کا تعلق ہے قرآن ہرگز اس بات کی کبھی کسی طرح اجازت نہیں دیتا ہے کہ "مرد" چار بیویاں رکھیں۔ قرآن اس کو قطعی طور پر بتاتا ہے کہ صرف "ایک بیوی" کی جائے۔ اسلام رنگ رلیاں منانے کے لئے "مرد" کو اجازت نہیں دے سکتا۔ کہ کچھ کریں دھریں نہیں صرف متعدد بیویوں کے جھگڑے میں بیٹھے واجد علی شاہ اور راجہ اندر کی طرح تضیعِ اوقات کیا کریں۔ اسلام خالص "عملی انسان" بنے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ مسلمان کو یہ کہاں فرصت کہ وہ دو دو چار چار بیویوں کی نازبرداریوں میں وقت کاٹیں؟ لہٰذا فطری ضرورت کی بنا پر وہ "بیوی" کی اجازت دیتا ہے۔ مگر ایک ہی صرف ایک۔ قطعی طور پر ایک۔

دو دو، تین تین، چار چار کی جہاں پر اجازت ہے وہ سورۂ نساء کی آیت ہے۔ سورت کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝

"لوگو اپنے اس پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا اور اسی نفسِ واحدہ سے اس کا جوڑا پیدا کر دیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر کے پھیلا دیں۔ اس خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس کے نام پر تم باہمی سوال کرتے ہو اور باہمی رشتہ داریوں کا لحاظ کرو۔ یقیناً خدا تم پر نگہبان ہے۔ اور یتیموں کو ان کے اموال دے دیا کرو۔ اور خبیث چیزوں کو پاکیزہ چیزوں کے بدلے میں تبدیل نہ کرلو۔ ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ہضم نہ کر جاؤ۔ یقیناً ایسا کرنا بہت ہی بڑا گناہ کا کام ہے اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارہ میں انصاف کا سلوک نہیں کر سکو گے تو ان میں سے جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے دو دو، تین تین، چار چار، کی تعداد میں نکاح کر لیا کرو۔ پھر اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو، یا اس لونڈی پر اکتفا کرو جو تمہارے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم کسی ظلم کے مرتکب نہ ہو سکو۔"

آیاتِ بالا سے یہ چیز واضح ہے کہ سلسلۂ کلام یتامیٰ کے بارے میں چل رہا ہے اس آیت سے پہلے جس میں تعددِ ازدواج کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یتامیٰ کے اموال کو ان کے حوالہ کر دینے کا حکم ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کے اموال کو اپنے مالوں کے ساتھ گڈ مڈ کر کے ہضم نہ کر جایا کرو۔ ایسا کرنا بہت ہی بڑا گناہ کا کام ہے۔ اس کے بعد پھر خود وہ آیت جس میں تعددِ ازدواج کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ شروع ہوتی ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتامیٰ کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کر سکو گے تو پھر ان میں سے جو عورتیں نکاح کے قابل ہوں (النساء ہوں) ان سے دو دو، تین تین، چار چار کی تعداد میں نکاح کر سکتے ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دو دو تین تین چار چار کی تعداد میں نکاح کر سکتے ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دو دو تین تین چار چار نکاح کرنے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ سوسائٹی کو اندیشہ ہو کہ یتامیٰ کے ساتھ اس کے بغیر انصاف کا سلوک نہیں کیا جا سکے گا۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو تعددِ ازدواج کی اجازت خود بخود ساقط ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یتامیٰ کے متعلق اس قسم کا اندیشہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ معاشرہ میں یتامیٰ کی کثرت اتنی ہو جائے کہ کسی دوسری صورت سے ان کی پرورش اور تربیت وغیرہ کا مناسب بندوبست نہ کیا جا سکتا ہو۔ عربی زبان میں یتامیٰ کا مفہوم بہت وسیع ہے لڑکا اس وقت تک یتیم کہلاتا ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے مگر لڑکی بالغ ہو جانے کے بعد بھی جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے یتیم ہی کہلاتی ہے حتیٰ کہ اگر شادی ہو جانے کے بعد وہ بیوہ ہو جائے تب بھی وہ یتیم ہی کہلاتی ہے۔ لہٰذا یتامیٰ کے مفہوم میں بے باپ کے نابالغ لڑکے۔ نابالغ لڑکیاں، جوان، کنواری بے باپ کی لڑکیاں۔ بیوہ عورتیں سب شامل ہیں۔ اگر معاشرہ میں ان لوگوں کی اتنی کثرت ہو جائے کہ ان کے متعلق یہ اندیشہ ہونے لگے کہ سوسائٹی اور معاشرہ اس کے بغیر ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کر سکتا کہ ان میں جو عورتیں نکاح کے قابل ہوں ان کو ذی استطاعت لوگ اپنے نکاح میں لے لیں تب تعددِ ازدواج کی اجازت ہے کہ اس طرح بے باپ کی کنواری لڑکیوں، بیوہ عورتوں کی پرورش کا ایک مناسب بندوبست ہو جائے گا۔ نیز یتیم اور کمسن لڑکوں اور لڑکیوں کا بھی انتظام ہو جائے گا کیونکہ جو شخص ان کی ماؤں سے نکاح کرے گا وہ ان بچوں کی پرورش کا بھی ذمہ دار بن جائے گا۔ اس طرح بہت تھوڑے سے بچے بچ جائیں گے جن کے باپ ہوں گے نہ مائیں تو ایسے تھوڑے سے بچوں کی تربیت اور پرورش کا انتظام کر دینا معاشرہ کے لئے کوئی دشوار نہیں رہے گا۔ ان کے لئے کوئی دوسرا مناسب انتظام کیا جا سکے گا۔

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ تعددِ ازدواج کی اجازت کے سلسلہ میں قرآن کے الفاظ یوں ہیں۔

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ

ان عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں دو دو تین تین چار چار کی تعداد میں نکاح کر لیا کرو۔

یہاں مِنَ النِّسَاءِ کی قید لگائی گئی ہے۔ "نساء" عورتوں کو کہتے ہیں۔ الف و لام عربی میں نکرہ کو معرفہ بنانے کے لئے آتا ہے جیسے انگریزی میں "THE" آتا ہے۔ لہٰذا مِنَ النِّسَاءِ سے مراد عام عورتیں نہیں ہیں بلکہ وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے یتامیٰ کے ضمن میں آچکا ہے۔ اس لئے قرآن کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں ان عورتوں سے کی جانی چاہئیں جو بے باپ کی لڑکیاں ہوں یا بیوہ عورتیں ہوں۔ کیونکہ وہ خاص عورتیں جن کا پہلے ذکر آچکا ہے وہ یتامیٰ کے ضمن میں یہی عورتیں ہو سکتی ہیں عام عورتیں نہیں ہو سکتیں اس لئے نفس پرستی اور عیاشی کی خاطر ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والے اس آیت کو اپنی عیاشیوں کا بہانہ نہیں بنا سکتے۔

فردوسِ گم گشتہ
از [illegible]
قیمت:- چھ روپے

طاہرہ کے نام

(پرویز)

میری بیٹی! تم اتنی سی بات سے پریشان ہو رہی ہو کہ اللہ میاں نے قرآن میں مردوں ہی کو کیوں مخاطب کیا ہے۔ عورتوں کو بھی کیوں مخاطب نہیں کیا؟ اس سوال کا جواب تو بعد میں دوں گا، لیکن اگر ایک بات کہوں تو خفا تو نہ ہوگی؟ اس قسم کی پریشانیاں درحقیقت غیر شعوری طور پر اس احساس کمتری (Inferiority Complex) کی مظہر ہیں کہ عورت کی حیثیت مرد کے مقابلہ میں پست رکھی گئی ہے۔ حیرت ہے کہ تم قرآن کی طالب علم ہونے کے باوجود ... اس وقت تک اس غیر قرآنی تصور کو اپنے تحت الشعور سے نکال نہیں سکیں! میں جانتا ہوں کہ صدیوں سے متوارث چلے آنے والے معتقدات جو دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو چکے ہوں، بڑی مشکل سے نکلا کرتے ہیں۔ تم نے سلمیٰ کے ابا کو دیکھا تھا۔ تین پشتیں ہوگئی تھیں مسلمان ہوئے لیکن جب چھینک آتی، بے اختیار منہ سے "جے نندی" نکل جاتا۔ اسے چچا مرحوم نے ہزار سمجھایا اور وہ خود بھی جانتا تھا کہ چھینک آنے پر "الحمد للہ" کہتے ہیں لیکن چھینک آنے پر پھر "جے نندی" ہی کہتا۔ جب "جے نندی" خون کے ذرات میں حلول کر جائے تو اس کا باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم کیا جانیں کتنی "جے نندیاں" ہیں جو اس طرح ہمارے دل کی گہرائیوں میں چھپی بیٹھی ہیں۔ جب قرآن نے بنی اسرائیل کے متعلق کہا تھا کہ واشربوا فی قلوبھم العجل (گوسالہ کی محبت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی) تو اس سے یہی مراد تھی۔ لیکن قرآن کا دعوےٰ بھی تو شفاء لما فی الصدور کا ہے۔ وہ "دل کی بیماریوں" کا علاج کرتا ہے (اختلاج قلب کا نہیں فساد قلب کا۔ اور سچ پوچھو تو اختلاج قلب بھی بڑی حد تک فساد قلب ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اب تو مغرب کے ارباب تحقیق اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ انسان کے جسم کی بے شمار بیماریاں نفسیاتی عوارض (PSYCHIC DISORDER) کی وجہ سے ہوتی ہیں اور ان کا صحیح علاج نفسیاتی اصلاح ہے۔) لہٰذا قرآن کی رو سے ان غلط خیالات کا دل سے نکل جانا نہایت ضروری ہے۔

اب آؤ تم اپنے سوال کی طرف۔ تمہیں یہ معلوم ہے کہ قرآن تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔ اس کا اولین مخاطب انسان ہے۔ (یا ایھا الناس سے یہی مراد ہے)۔ وہ بنی آدم کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کیا "انسان" اور "بنی آدم" صرف مردوں کو کہا جاتا ہے، یا اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں؟ اگر تم اپنے آپ کو انسان نہیں سمجھتیں تو اور بات ہے، ورنہ "یا ایھا الناس" (اے نوع انسانی) میں مردوں اور عورتوں دونوں کا تخاطب موجود ہے۔ اب رہا یہ کہ قرآن نے جہاں جماعتی حیثیت سے "مومنین" کو مخاطب کیا ہے تو وہاں بھی مذکر ہی کے صیغے آئے ہیں (یا ایھا الذین آمنوا) تو یہ تو زبان کا عام قاعدہ ہے کہ جہاں مخلوط جماعت کو مخاطب کیا جائے وہاں صیغے مذکر کے استعمال کئے جائیں خود تمہارے ہاں بھی جب کوئی مقرر کسی مخلوط مجمع کو مخاطب کرتا ہے (جس میں مرد اور عورتیں سب موجود ہوں) تو شروع میں خواتین و حضرات کی تخصیص کر دیتا ہے لیکن اس کے بعد اپنی ساری تقریر میں صیغے مذکر ہی کے استعمال کرتا ہے۔ وہ بلا تکلف کہتا چلا جاتا ہے کہ "آپ یہ کہتے ہیں کہ ......" "اور آپ اس کا کبھی خیال نہیں کرتے کہ ......"

یہ سب مذکر کے صیغے ہیں لیکن اس سے مراد مجمع کے مرد اور عورتیں سب ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق تو تم نے کبھی نہیں کہا کہ یہ ہماری توہین ہے کہ ہمیں مجمع میں بلایا تو گیا لیکن مقرر نے باتیں سب مردوں ہی سے کیں! اس لئے کہ تم سمجھتی ہو کہ مقرر نے اگرچہ صیغے مذکر کے استعمال کئے لیکن ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھے۔ اس لئے کہ یہ زبان کا قاعدہ ہے کہ مخلوط اور مشترک تخاطب میں صیغے مذکر کے استعمال کئے جائیں یہی انداز قرآن نے اختیار کیا ہے۔ یعنی جہاں اس نے مومنین کو من حیث الجماعت مخاطب کیا ہے وہاں صیغے اگرچہ مذکر کے استعمال ہوئے ہیں لیکن تخاطب مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے۔ اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے کہ جماعت مومنین میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، اس نے ان دونوں طبقات کا الگ الگ ذکر کر کے بھی ان کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ سورۂ احزاب میں دیکھو، کس طرح اس جماعت کے مرد اور عورتیں دوش بدوش چلے آ رہے ہیں۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ مسلم مرد اور مسلم عورتیں۔ جو قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوں وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ مومن مرد اور مومن عورتیں۔ جو ان قوانین کی محض میکانکی طور پر یا زبردستی اطاعت نہ کریں بلکہ ان کی صداقت اور نتیجہ خیزی پر دل کی گہرائیوں میں یقین رکھیں۔ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ۔ وہ مرد اور عورتیں جو اپنی صلاحیتوں کی کامل نشوونما کے بعد، انہیں وہیں صرف کریں جہاں صرف کرنے کا حکم نظام خداوندی کی طرف سے ملے۔ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وہ مرد اور وہ عورتیں جو اس عہد کو جو انہوں نے اپنے خدا سے کیا ہے، اپنے حسن عمل سے سچ کر کے دکھائیں وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وہ مرد اور عورتیں جو اپنے اعمال اور کردار میں مستقل مزاج اور ثابت قدم رہیں۔ جن کے پائے استقلال میں

لغزش نہ آئے۔ وَالۡخٰشِعِیۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ وہ مرد اور عورتیں جو نوعِ انسانی کی خدمت کے لئے ہمیشہ شاخِ ثمردار کی طرح جھکے رہیں۔ وَالۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وہ مرد اور عورتیں جو اپنا سب کچھ نظامِ خداوندی پر نچھاور کر دینے کے لئے تیار ہوں وَالصَّآئِمِیۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ۔ وہ مرد اور عورتیں جن کا شیوۂ زندگی یہ ہے کہ قوانینِ خداوندی نے جہاں جہاں اور جن جن باتوں سے رُکنے کا حکم دیا ہے، وہاں سے رُکے رہتے ہیں۔ وَالۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ۔ وہ مرد اور عورتیں جو اپنی عصمت کی پوری پوری حفاظت کریں۔ وَالذّٰكِرِیۡنَ اللّٰهَ كَثِیۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ۔ وہ مرد اور عورتیں جو زندگی کے ہر قدم پر قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھیں۔ انہیں کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا (۳۳/۳۵) یہ ہیں وہ مرد اور عورتیں جنہیں نظامِ خداوندی ہر قسم کی تباہیوں سے محفوظ رکھے گا اور ان کے سعی و عمل کا بہت بڑا اجر دے گا۔

کیوں طاہرہ! کیا تمہیں اب بھی گلہ رہے گا کہ قرآن کریم میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ مخاطب نہیں کیا گیا۔؟

۲۔ تمہارا دوسرا سوال پڑھ کر مجھے بے ساختہ ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک صاحب نے اپنی شادی کے لئے دن کے دن پہنچنا تھا۔ اتفاق سے گاڑی چھوٹ گئی۔ اب کوئی شکل ہی نہ تھی کہ وہ تاریخ اور وقتِ مقررہ پر وہاں پہنچ سکتے۔ وہ بہت گھبرائے۔ اس بدحواسی میں تار گھر گئے اور جھٹ سے اپنی ہونے والی بیوی کے نام تار بھیج دیا کہ "جب تک میں نہ پہنچ جاؤں تم شادی نہ کرنا۔"

تم کہتی ہو کہ قرآن میں یہ تو لکھا ہے کہ جنت میں مردوں کو اچھی اچھی عورتیں ملیں گی لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ عورتوں کو بھی مرد ملیں گے یا نہیں؟ ذرا سوچو طاہرہ! کہ مردوں کو جو عورتیں ملیں گی تو اُن عورتوں کو وہ مرد ملیں گے یا نہیں؟ یعنی (مثلاً) وہاں حامد کو عائشہ بطور بیوی کے ملے گی تو کیا عائشہ کو حامد بطور خاوند نہیں ملے گا؟ جب میاں کو بیوی ملتی ہے تو اس بیوی کو وہ میاں بھی تو ملتا ہے!

جنت کے متعلق، طاہرہ! ایک بنیادی حقیقت اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیئے کیونکہ اس کے سمجھے بغیر، بہت سی باتوں میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ایک تو اس جنت کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد مستقبل کی زندگی میں ملے گی۔ اس کے متعلق واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ اس کی کنہ و حقیقت اور کیفیت و ماہیت تمہارے شعور کی موجودہ سطح کے مطابق، تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتی فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (۳۲/۱۷) کسی شخص کو معلوم نہیں کہ اس کے اعمال کے بدلے میں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان اس کے لئے مخفی رکھا گیا ہے وہ کیا ہے۔ یہ جنت مکان (SPACE) کی چار دیواری میں محصور نہیں۔ اس کی وسعت ارض و سما کو محیط ہے۔ جَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ (۳/۱۳۳) لہذا اُس جنت کی زندگی کیسی ہوگی، اسے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن دوسری جنت وہ ہے جو نظامِ خداوندی کی اتباع میں اسی دُنیا میں متشکل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ جنتی معاشرہ جو قرآن کے خطوط کے مطابق قائم ہوتا ہے، اس جنت کی تفاصیل اسی دُنیا سے متعلق ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہماری سمجھ میں آ سکتی ہیں بلکہ ہم خود اس جنت کو پیدا کر سکتے اور اس کی فضاؤں میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ جنت جس میں قرآن نے مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور کرنا چاہیئے بھی۔ اس لئے کہ وہ کونسا معاشرہ ہے جو عورتوں کے بغیر، تنہا مردوں کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اس جنتی معاشرہ کی عورتوں کی خصوصیات کیا ہیں؟ وہی جو مومن عورتوں (مومنات) کی خصوصیات ہیں۔ مومن عورتوں سے کہا گیا ہے کہ جب وہ چلیں تو شرم و حیا سے اپنی نگاہوں کو نیچے کئے ہوئے چلیں۔ بیباکانہ انداز سے ہر ایک کو دعوتِ تماشا نہ دیتی پھریں۔ انہی کو قرآن نے جنتی معاشرہ میں قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ (۵۵/۵۶) کہا ہے۔ یعنی نگاہوں کو نیچے رکھنے والیاں۔ قرآن نے مومن عورتوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ اپنی عصمت کی پوری پوری حفاظت کرتی ہیں۔ انہی کے متعلق جنتی معاشرہ میں کہا ہے کہ لَمۡ یَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ (۵۵/۵۶)۔ انہیں ان کے خاوندوں سے پہلے، اپنوں اور بیگانوں میں سے کسی نے چھوا تک نہیں ہو گا۔ وہاں ہر نوجوان کو جو کسی جگہ شادی کرنا چاہے گا، دل کا پورا اطمینان ہو گا کہ اس کی منگیتر کو کسی دوسرے کا ہاتھ تک نہیں لگا۔ کتنا بڑا ہے یہ اطمینان جو کسی شادی کرنے والے پاکباز انسان کو حاصل ہو جائے۔ انہی بیگمات کو قرآن نے عالی مرتبت، بلند پایہ خواتین کہہ کر پکارا ہے۔ سورۂ واقعہ میں جو فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ (۵۶/۳۴) آیا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں۔ قرآن نے بتایا ہے کہ عہدِ جاہلیت میں پرورش یافتہ عورت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑی جذباتی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ متنازعہ فیہ معاملہ میں اپنے دعوے (CASE) کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی۔ وَهُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ (۴۳/۱۸) لیکن قرآنی معاشرہ میں یہی عورت مناسب تعلیم و تربیت سے یکسر نئی مخلوق بن جائے گی اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ۙ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا (۵۶/۳۵-۳۶) اور نہایت فصیح البیان ہو جائے گی۔ (اس سے یہ مُراد نہیں کہ اس تعلیم و تربیت سے عورت کے جذبات فنا ہو جائیں گے۔ مرد کے مقابلہ میں عورت زیادہ جذباتی واقع ہوئی ہے اور اسے

زیادہ جذباتی رہنا چاہیئے کیونکہ اس کے ذمے فطرت کی طرف سے جو ذمہ داریاں عائد ہوئی ہیں ان کا زیادہ تعلق جذبات سے ہے۔ مناسب تعلیم و تربیت سے ہوتا یہ ہے کہ یہ جذبات جہالت کے جذبات بننے کے بجائے صحیح مقصد میں صرف ہونے والے جذبات بن جاتے ہیں۔) اس کے ساتھ ہی بڑی خوش گل اور تندرست و توانا ﴿عُرُبًا اَتْرَابًا﴾ (۵۶/۳۷) ایسی عورتیں جن کے گھروں میں آئیں وہ کس قدر صاحب یمن و سعادت ہوں گے؟ ﴿لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ﴾ (۵۶/۳۸)۔ اس قسم کی قلب و نگاہ کی پاکیزگی اور فکر و نظر کی بلندی کی حامل عورتیں، یقیناً انہی جیسے مردوں کے گھروں میں آئیں گی، اس لئے کہ اس معاشرہ کی تشکیل کے بعد عائلی زندگی کا بنیادی اصول یہ ہوگا کہ ﴿اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ﴾ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ﴿وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ﴾ (۲۴/۲۶) طیب عورتیں طیب مردوں کے لئے اور طیب مرد طیب عورتوں کے لئے۔ اس سے گھر کی زندگی جنت کی زندگی بنتی ہے اور جنتی معاشرہ کی ابتدا ر گھروں ہی سے ہوتی ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو، طاہرہ! بڑے عجیب انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے نزدیک عورت اور مرد میں فکر و نظر، خیالات و تصورات، معتقدات و اصولات اور مسلک و منہاج کا اختلاف جہنم پیدا کر دیتا ہے اس کے برعکس، ان چیزوں میں ہم آہنگی اور یک رنگی گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔ اس کے لئے اس نے مومن اور مشرک کی شال بطور مثال بیان کی ہے کیونکہ، قرآنی نقطۂ نگاہ سے، شرک اور توحید کا اختلاف دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے شدید (EXTREME) اختلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی مومن مرد کسی مشرک عورت سے شادی نہ کرے نہ کوئی مومن عورت مشرک مرد سے نکاح کرے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ اس قسم کے ازدواجی رشتوں کو جائز قرار دینے والے ﴿یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ﴾ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ اس کے برعکس، یک رنگی و ہم آہنگی کی شادی سے خدا تمہیں جنت کی طرف دعوت دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ (۲/۲۲۱) گھر کے اندر جنت اور گھر سے باہر ہر قسم کی شر انگیزیوں سے حفاظت۔ یہ ہے طاہرہ! جنتی معاشرہ میں مرد اور عورت کی پوزیشن۔ اب تم بتاؤ کہ تمہارا وہ اعتراض کہاں باقی رہتا ہے کہ قرآن نے جنت میں مردوں کے لئے تو "حوریں" تجویز کی ہیں لیکن عورتوں کے لئے کچھ نہیں کہا؟ ضمناً تمہیں بتا دوں کہ عربی زبان میں حورٌ عین کے معنی ہیں پاکیزہ فکر (PURE AND CLEAN NTELLECT)۔ لہٰذا جنت کے جوڑے پاکیزگیٔ فکر و نظر کے حسین مجسمے ہوں گے۔ سوچو بیٹی! کس قدر دل کا سرور اور آنکھوں کا نور لئے ہوئے ہوگا وہ معاشرہ جس میں مرد اور عورتیں ان خصوصیات کی حامل ہوں گی طوبیٰ لھم وحسن مآب۔ پھر یہ بھی سمجھ رکھو کہ عربی زبان میں "زوج" (جمع ازواج) کے معنی بیوی ہی نہیں۔ اسکے معنی رفیق اور ساتھی کے ہیں۔ اسی رفاقت کی وجہ سے میاں بیوی کا زوج اور بیوی میاں کی زوج ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن نے جہاں "ازواج مطہرات" کہا ہے تو اس کے ہر جگہ معنی پاکیزہ بیویاں ہی نہیں۔ اس کے معنی پاکباز رفقاء بھی ہیں (میں جانتا ہوں کہ ان الفاظ کے یہ معانی دیکھ کر تم پھر تقاضا شروع کر دو گی کہ قرآنی لغت بہت جلد شائع ہونی چاہیئے۔ اس کیلئے تم اطمینان رکھو کہ اس میں ذرا سی بھی کوتاہی نہیں ہو رہی۔)

اگرچہ دنیا کے کسی مذہب میں بھی (جس شکل میں وہ آج ہمارے سامنے موجود ہیں) عورت کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا گیا۔ لیکن اس باب میں عیسائیت انتہا تک پہنچ گئی ہے۔ اُس نے یہ عقیدہ پیدا کیا کہ جنت سے آدم کو نکلوانے کا موجب اس کی بیوی ہی تھی۔ یہ ابلیس کے چکمہ میں آگئی اور اس نے آدم کو پھسلا دیا۔ اس کے بعد اس مذہب میں عورت کے خلاف انتہائی نفرت کے جذبات پرورش پانے لگے۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضرت عیسیٰ کی تجرد کی زندگی نے عیسائیوں کے دل میں عورت کی طرف سے اور بھی بُعد پیدا کر دیا۔ پھر جب عیسائیت اور خانقاہیت لازم و ملزوم بن گئے تو تجرد کی زندگی کو روحانی ترقی کیلئے لازمی جزو قرار دیا گیا۔ انہی اعتقادات کا نتیجہ تھا کہ ان کے ہاں عورت تمام برائیوں کا سرچشمہ قرار پا گئی۔ عیسائی پادریوں کی طرف سے جو آئے دن اعتراضات ہوتے رہتے ہیں کہ قرآن کی جنت میں عورت دکھائی دیتی ہے۔ وہ بھی اسی عقیدہ کا نتیجہ ہے۔ قرآن نے سب سے پہلے اس غلط خیال کی تردید کی کہ آدم کو جنت سے نکلنے کا موجب اس کی بیوی تھی۔ اس نے کہا کہ آدم اور اس کی بیوی دونوں کو لغزش ہوئی اور پھر ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ (قرآن کے قصۂ آدم کے متعلق کچھ الگ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے "ابلیس و آدم" میں خود دیکھ چکی ہو)

میں ابھی پوری طرح اچھا نہیں ہوا اس لئے زیادہ تفصیل سے خط نہیں لکھ سکتا۔ امید ہے انہی مختصر سے اشارات میں تمہیں اپنے سوالات کا اطمینان بخش جواب مل جائے گا۔ سلیم میاں سے میری دعا کہنا۔ ان کے خط کا جواب بھی میرے ذمہ ہے۔

والسلام

(پرویز)

سلیم کے نام
از پرویز
نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں
ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔
قیمت چھ روپے

اسلام پر ہندو تہذیب کے اثرات

تلخیص ترجمہ: محترم ڈاکٹر احمد امین مصری مرحوم

(۱)

زمانہ جاہلیت میں بھی عرب پہلے سے ہندوستان سے واقف تھے۔ ہندوستان کے ساتھ ان کے تجارتی روابط تھے۔ عرب عود — ایک خوشبودار لکڑی جو ہندوستان سے لائی جاتی تھی — کے بہت شیدا تھے۔ عدی بن الرقاع کا شعر ہے ؎

(کس قدر آگیں ہیں جنھیں میں راتوں کو دیکھتا رہا ہوں جو عود ہندی اور آگ کے گرشے کو کھائے جا رہی تھیں)

علماء کا خیال ہے کہ اس شعر میں 'ہندی' سے مراد وہ خوشبودار عود ہی ہے جو ہندوستان سے لایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی وہ ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کے بھی بڑے مداح تھے۔ چنانچہ جو تلواریں ہندوستانی لوہے سے بنائی جاتی تھیں۔ ان کو وہ مُھَنَّد کہتے تھے سَیفٌ مُھَنَّدٌ اور ھِندیٌ اور ھِندوَانی کے الفاظ ان کے ہاں ان تلواروں کے لئے عام طور سے مستعمل تھے جو ہندوستان کے شہروں میں مضبوطی سے بنائی جاتی تھیں۔ اس لفظ سے انھوں نے ھَنَّدَ السَّیفَ (تلوار کو تیز کردیا) جیسے الفاظ بنا لئے تھے۔ چنانچہ کُلُّ حُسَامٍ مُحْکَمُ التَّھْنِیْدِ (ہر مضبوط دھار والی تلوار) جیسی ترکیبیں ان کے ہاں رائج تھیں۔ ازہری نے کہا ہے کہ تَھْنِیْدٌ کے اصل معنی 'ہندوستان جیسا کام کرنا' ہوتے ہیں[۱]۔ عربوں نے اپنی اکثر عورتوں کے نام بھی ھِنْدٌ رکھ دیئے تھے۔ حتیٰ کہ ھِنْدُ الْھُنُوْدِ جیسے نام بھی ان کے ہاں ملتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان ناموں کی بنیاد ہندوستان کا ملک ہی تھا۔ یا کچھ اور۔

سرزمین ہند میں عربوں کی فتوحات

مسلمانوں نے جب فارس اور عراق کو فتح کرلیا تو انھوں نے ہندوستان کے بارے میں سوچنا شروع کردیا تھا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے اور انھوں نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو عراق کا گورنر بنایا تو اسے تحریر فرمایا کہ ہندوستان کی طرف کسی آدمی کو بھیجو جو وہاں کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرکے آئے اور انھیں آکر بتائے۔ عبداللہ ابن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان روانہ کیا۔ اور جب وہ واپس آیا تو اسے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے ہندوستان کے حالات دریافت کئے تو اس نے بتایا مَاءُھَا وَشَلٌ، وَتَمَرُھَا دَقَلٌ، وَلِصُّھَا بَطَلٌ، اِنْ قَلَّ الْجَیْشُ بِھَا ضَاعُوا وَاِنْ کَثُرُوْا جَاعُوْا۔ ہندوستان میں پانی بہت کم اور کھجوریں بہت گھٹیا قسم کی ہیں۔ وہاں کے چور اور ڈاکو بڑے بدمعاش ہیں۔ اگر تھوڑا لشکر بھیجا جائے تو وہ ملک تباہ ہوجائے گا۔ اور اگر بہت فوج بھیجی جائے تو وہ بھوکوں مرجائے گی۔ حکیم بن جبلہ کی یہ باتیں سن کر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مجھے وہاں کی باتیں بتا رہے ہو یا محض قافیہ پیمائی کر رہے ہو؟ حکیم بن جبلہ نے کہا کہ نہیں حضور! میں وہاں کی باتیں بتا رہا ہوں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ہندوستان کا خیال چھوڑ دیا۔ اور ادھر کوئی فوج نہیں بھیجی[۲]۔ لیکن مسلمان ان علاقوں پر چھاپے مارتے رہتے۔ اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ولید بن عبدالملک کے عہد یعنی سنہ ۹۱ھ میں حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم ثقفی کو ہندوستان بھیجا۔ جنھوں نے اس کے ایک بڑے حصہ کو فتح کرلیا جسے سندھ کہا جاتا ہے۔ وہ دیبل (DAIBUL) اور نیرانکوٹ (جسے آجکل حیدرآباد کہتے ہیں) کو فتح کرکے آگے کی طرف بڑھے۔ اور آخر میں ملتان کو بھی فتح کرلیا۔ محمد بن قاسم اس فوج کے کمانڈر اور قائد تھے۔ یہ اس وقت بالکل کمسن نوجوان تھے۔ ان کی عمر بیس سال بھی نہیں تھی۔ کسی نے کہا ہے ؎

مروت، سخاوت، اور کرم محمد بن قاسم بن محمد پر ختم ہے۔ سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی کمان کی۔ حیرت ہے کہ وہ پیدائشی سردار تھے۔

کسی دوسرے شاعر کا قول ہے ؎

انھوں نے سترہ سال کی عمر میں لوگوں کی کمان کی۔ جبکہ ان کے ہم عمر بچے کھیل کود میں لگے رہتے ہیں۔

مسلمانوں کو ان فتوحات میں بے شمار مال غنیمت اور جنگی قیدی ہاتھ لگے۔ جو دوسرے جنگی قیدیوں کی طرح پوری مملکت اسلامیہ میں پھیل گئے۔ اور اس طرح سندھی قوم ملت اسلامیہ کی ہیئت ترکیبی کا ایک اہم عنصر بن گئی۔ اغانی کا بیان ہے کہ جنید بن عبدالرحمٰن مری نے خالد بن عبداللہ قسری کے پاس ہندوستان کے سندھ تک جنگی قیدی بھیجے۔ انھوں نے ان جنگی قیدیوں کو قریش کے لوگوں اور دیگر ممتاز لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کردیا۔ ان میں سے ایک حسین و جمیل لونڈی باقی رہ گئی۔ جس کے بدن پر اسی کے ملک کا لباس تھا جو دو چادریں تھیں ایک نچلے حصہ پر اور ایک اوپر کے حصہ پر۔ خالد بن عبداللہ القسری نے ابوالنجم شاعر سے کہا۔ کہ تمہارے پاس اس لونڈی کے بارے میں کچھ ہو تو کہو اور اسے لے لو۔ ابوالنجم نے امیر کو دعائیں دے کر اپنا وہ مشہور رجز پڑھا۔ جس کا مطلع یہ تھا ؎

جاٹ لڑکیوں میں سے ایک حسینہ پر میرا دل آگیا[۳]

جس عہد کی ہم تاریخ بیان کر رہے ہیں۔ اس میں سندھ خلفائے عباسیہ کے زیر نگیں تھا۔ ابوجعفر منصور نے سنہ ۱۴۲ھ میں سندھ پر ہشام بن عمرو تغلبی کو گورنر مقرر کیا۔ اس نے شمال کی طرف فتوحات میں اور وسعت پیدا کی اور کابل و کشمیر کو بھی فتح کرلیا۔ اور بہت جنگی قیدی حاصل کئے سندھ اور مملکت اسلامیہ کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کافی استوار ہوگئے تھے۔ چنانچہ سندھ سے عود، شکر اور ہندوستان کی لکڑیاں درآمد کی جاتی تھیں[۴]۔

سندھ میں علمی حرکت

فتوحات مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ علمی حرکت شروع ہوگئی۔ فاتحین میں سے کچھ لوگ بلند پایہ عالم تھے۔ چنانچہ ربیع بن صبیح بصری مشہور محدثین میں سے تھے۔ ان کو حدیث کی تدوین میں اولیت کا فخر حاصل ہے۔ آپ اس فوج میں موجود تھے جو ہندوستان کے محاذ پر جہاد کرنے کے لئے مہدی نے سنہ ۱۵۹ھ میں روانہ کی تھی۔ ان کا انتقال بھی سندھ ہی میں ہوا[۵]۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں سندھ کے بعض محدثین کا تذکرہ کیا ہے[۶]۔ بہرحال یہ اسلامی فوج محض فاتح ہی نہیں تھی۔ بلکہ اسلامی دعوت کو پھیلانے والی اور معلم بھی تھی۔

دوسری طرف کچھ ہی عرصہ کے بعد ان غلاموں میں سے جو ہندوستان سے لائے گئے لوٹے گئے اور فوج میں تقسیم کردیئے گئے تھے۔ اور ان کی اولاد میں سے بڑے بڑے شعراء علماء لغت اور محدثین پیدا ہوگئے۔ چنانچہ شعراء میں سے ابوعطاء سندھی ایک مشہور شاعر گذرے ہیں جنھوں نے عباسی اور اموی دونوں کے عہد حکومت کو پایا ہے۔ ان کا باپ سندھی تھا ان کی زبان صاف نہیں تھی۔ ان کا بیٹا مسلمانوں میں پلا بڑھا۔ اور ایک بلند پایہ شاعر ہوا اگرچہ بیٹے کی زبان میں بھی سخت لکنت تھی۔ چنانچہ وہ مَرْحَبًا کو مَرْھَبًا، حَیَّاکُمُ اللّٰہُ کو ھَیَّاکُمُ اللّٰہُ، زُجٌّ کو زُزٌّ، جَرَادَۃٌ کو زَرَادَۃٌ، اور شَیْطَانٌ کو سَیْطَانٌ آغلش کو آنش بولتے تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے مجبور ہوکر ایک لڑکا محض اس لئے رکھ چھوڑا تھا کہ وہ ان کے اشعار کو پڑھ کر سنایا کرے تاکہ انھیں اپنے اشعار خود نہ سنانے پڑیں۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار ان کی حالت کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں ؎

اے ابن سلیم! مجھے راویوں نے عاجز کردیا ہے اور میری زبان میرے اشعار کو صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ وہ مضامین جو میرے سینہ میں موجزن ہیں مجھ پر غالب آگئے ہیں۔ لیکن عجمی ہونے کی وجہ سے وہ میرے غلبہ و تسلط سے نکل بھاگتے ہیں۔ نگاہیں مجھے نشانہ بنا لیتی ہیں۔ کیونکہ میرا رنگ سیاہ ہے جو تمام رنگوں میں بدترین رنگ ہے۔

میں نے سارے معاملات کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ مگر اپنی زبان کے لئے کیا تدبیر اختیار کروں؟

میری آرزو یہ ہے کہ کاش میں اپنے اشعار کو فصاحت کے ساتھ سنا

---

۱ لسان العرب ۲ البلاذری ص ۴۳۱ ۳ اغانی ج ۹ ص ۴۹ ۴ المسالک والممالک لابن خرداذبہ ص ۶۲ ۵ ابن الاثیر ج ۶ ص ۱۶ ۶ ج ۲ صفحہ ۲۵۶-۲۹۵

سکتا۔ خواہ اس کے عوض میں مجھے اپنی کچھ انگلیاں قربان کرنی پڑتیں۔

ابوجعفر منصور نے جب لوگوں کو سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا تو انھوں نے کہا تھا ؎

میں خدا کی نعمت کی ناشکری نہیں کرتا۔ مجھے تو میرے رنگ کے ساتھ
سیاہ لباس اور بسیدہ ٹوپی پہنا دی گئی ہے۔
میں نے بادلِ ناخواستہ ایک بیعت کے بعد کھوٹی بیعت کرلی۔ کیونکہ
سارا معاملہ ہی کھوٹا تھا۔

خلفائے عباسی ابوعطاء سندھی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ بنو امیہ کی مدح میں بہت کچھ کہتا رہتا تھا۔ جب حکومت بدل گئی تو اس نے بھی بدل جانا چاہا۔ مگر بنو عباس اس سے مطمئن نہ ہوئے تو اس نے اس کی ہجو کہنی شروع کردی۔ چنانچہ اس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

کاش بنو مروان کا ظلم وجور ہم پر لوٹ آتا
اور کاش بنو عباس کا یہ انصاف آگ میں جھونک دیا جاتا [1]

اس کے زیادہ تر اشعار ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ جن سے معلوم ہو سکتا کہ ان میں کچھ ایسے مضامین بھی تھے یا نہیں۔ جو انھوں نے اپنی سندھی اصل سے حاصل کئے ہوں۔

علمائے لغت میں سے جو سندی الاصل تھے۔ ابن الاعرابی بہت مشہور ہیں (ان کے باپ زیاد ایک سندھی غلام تھے) ابن الاعرابی لغت ادب اور شعر کا ایک بلند پایہ پہاڑ تھے۔ انھوں نے بہت کتابیں تصنیف کیں۔ لغت کے بہت سے امام ان کے شاگرد تھے۔ جن میں بہت مشہور ثعلب اور ابن السکیت ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں۔ محض ایک چھوٹی سی کتاب جس میں کنوؤں کے نام اور ان سے صفات کا بیان ہے [2]۔ ایک اور دوسری کتاب جس میں گھوڑوں کے نام اور ان کے انساب بیان کئے ہیں آجکل مل سکتی ہیں [3]۔ ان کی ایک تصنیف کتاب الانواء کے نام سے بھی تھی۔ یہ کتاب اگر ہم تک پہنچ جاتی تو پتہ لگ سکتا تھا کہ کیا انھوں نے ہندوستانی علوم سے بھی کوئی اثر لیا ہے یا محض عربی علوم پر ہی اکتفا کرکے اسی نہج پر یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ جیسا کہ دوسرے علمائے عرب نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

ہندوستانی محدثین میں سے ابومعشر نجیح سندھی صاحب المغازی ایک محدث گزرے ہیں۔ جنھوں نے امام نافع اور دیگر تابعین سے حدیثیں سنی تھیں۔ یہ توتلے تھے۔ چنانچہ حدثنا محمد بن کعب کو محمد بن قعب کہا کرتے تھے۔

اس قسم کے لوگ اس مخلوط تہذیب کا نمونہ تھے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کی آمیزش سے پیدا ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے اسلام کو قبول کرلیا تھا۔ اسلامی اور عربی علوم کو حاصل کرلیا تھا۔ اور ان میں سے بعض حضرات علم کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ جاحظ کا یہ قول ہم نقل کر چکے ہیں کہ سندھی لوگ مال سے متعلق حسن انتظام میں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ بصرہ میں کوئی صراف الیسا نہ تھا۔ جس کی تحویل کا محافظ و نگراں سندھی نہ ہو۔

اب ہم اس موضوع کے دوسرے گوشہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یعنی اسلامی تہذیب پر ہندوؤں نے کیا اثرات ڈالے۔

اسلامی تہذیب پر ہندوؤں کے اثرات

اسلامی تہذیب پر ہندوؤں کے اثرات دو جہت سے تھے۔ ایک تو ڈائرکٹ (براہ راست) اثر تھا۔ یعنی خود مسلمان تجارتی راہ سے ہندوستان سے ارتباط رکھتے تھے۔ پھر عربی فتوحات کی راہ سے بھی ایک ارتباط قائم ہوا۔ ان فتوحات نے سندھ کے مفتوحہ علاقہ کو مملکت اسلامی کا ایک جزو بنا دیا تھا۔ جو اسلامی نظام کے تابع فرمان تھا۔ اور اس پر اسلامی قوانین ہی نافذ ہوتے تھے۔ مسلمان اس حصہ میں آتے تھے۔ اور ہندو اس علاقہ سے عالم اسلامی کے مختلف گوشوں تک جاتے تھے۔ اور دونوں ہی اپنی اپنی تہذیبوں کو ساتھ لے کر جاتے اور آپس میں ایک دوسرے سے اس کا تبادلہ کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تجارتی سامانوں کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔

ان اثرات کی ایک دوسری جہت بھی تھی جو ان ڈائرکٹ (بالواسطہ) تھی۔ اور وہ ہندو تہذیب کا ایرانی واسطے سے مسلمانوں میں منتقل ہونا تھا۔ ایرانیوں کے ہندوستان سے اسلامی فتوحات سے بہت پہلے سے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے ہندوؤں پر اثرات ڈالے تھے۔ اور ان سے متاثر بھی ہوئے تھے۔ انھوں نے ہندو تہذیب میں سے بہت کچھ لے کر اپنی تہذیب میں شامل کرلیا تھا۔ جب یہ ایرانی تہذیب عربوں میں منتقل ہوئی۔ تو اس کا نتیجہ یہ بھی تھا کہ اس کے ذیل میں ہندو تہذیب کی بہت سی چیزیں بھی عربی میں منتقل ہوگئیں۔

مسلمان ہندوؤں کو ان چار قوموں میں شمار کرتے تھے جو ممتاز صفات کی مالک تھیں۔ یہ چاروں قومیں ایرانی۔ ہندی، رومی اور چینی تھیں۔ جاحظ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ہندوستانی لوگ، حساب علم نجوم۔ اسرار طب۔ خیراد اور بڑھئی گری اور تصاویر اور دوسری بہت سی عجیب غریب صنعتوں میں مشہور تھے [4]۔

مسعودی نے ایک اہل علم و نظر جماعت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔۔۔ ہندوستان کی پیشانی ہمیشہ سے صلاحیت اور حکمت کا آئینہ رہی ہے۔ پھر ان کی آلہیات، ریاضت اور کھیلوں کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد مسعودی نے کہا ہے کہ ہندوستانی لوگ اپنی عقل سیاست، حکمت، رنگ اور اس کی صفائی، صحت مزاج، صفائے ذہن اور دقت نظر میں باقی تمام سیاہ فام لوگوں سے ممتاز رہے ہیں [5]۔

اصفہانی نے محاضرات الادباء میں لکھا ہے کہ ہندوستانیوں کو حساب اور ہندی خطاطی اسرار طب، خطرناک بیماریوں کے علاج، منتر جنتر، علم الاوہام، سنگ تراشی، مجسمہ سازی تلوار سازی، شطرنج اور طرح طرح کے ناچ اور رقص اور سحر اور دھونیاں رمانا وغیرہ چیزوں کا اچھا علم حاصل تھا۔

تفطی نے کہا ہے کہ وہ آٹھ قومیں جنھوں نے علم کی خدمت کی ہے یہ ہیں۔ ہندی ایرانی، کلدانی، یونانی، رومی، مصری، عربی، اور عبرانی۔ یہی وہ قومیں ہیں۔ جنھوں نے علم کی خدمت کی ہے۔ اور جنھوں نے نئے نئے علم پیدا کئے۔ باقی دوسری قومیں کچھ نہیں کرسکیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی علمی کارنامہ سامنے آیا [6]۔

صوبہ سرحد کی واحد موثر آواز

روزنامہ شہباز پشاور

اگر آپ صوبہ سرحد اور قبائل کے حالات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں اور سیاسی حالات کے پس منظر سے آگاہی چاہتے ہیں تو "شہباز" کا مطالعہ کریں۔

یہی وہ روزنامہ ہے

جس کے پاس سرحد میں ٹیلی پرنٹر سروس ہے۔ پی۔ پی۔ رائٹر۔ ی۔ پی۔ اے اور اپنے نامہ نگاروں کی خصوصی خبریں شائع کرتا ہے۔ اور باتصویر ہفت روزہ ایڈیشن شائع کرتا ہے۔

کراچی میں شہباز

طاہر بک ڈپو

ٹرام جنکشن۔ صدر روڈ کراچی سے دستیاب ہوسکتا ہے

[1] اغانی ص ۱۹۲ و طبقات الشعراء ابن قتیبہ [2] یہ رسالہ مجلہ المقتبس جلد ششم شمارہ اول میں شائع ہوا ہے [3] یہ کتاب دار الکتب المصریہ از کتب سنقیطی میں موجود ہے [4] رسائل الجاحظ ص ۱۳ [5] مروج الذہب ص ۱۳۵ [6] اخبار الحکماء ص ۲۶

باب المراسلات

دور جدید کے صالحین

جیسا کہ طلوع اسلام میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ لکھا گیا تھا ہمارے دور سے پہلے ارباب مذہب کی یہ کیفیت تھی کہ وہ فریق مخالف کے معتقدات اور خیالات کو من وعن نقل کرتے تھے۔ اور پھر ان کی تردید کرتے تھے۔ یہ چیز دیانت داری پر مبنی تھی۔ لیکن ہمارے زمانہ میں ان لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ گروہ امت کے منتخب صالحین کا گروہ ہے۔ لیکن ان کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ فریق مخالف کے متعلق اپنے ذہن سے خیالات وضع کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی بناء پر اس کے خلاف پروپیگنڈ کرتے ہیں۔ فریق مخالف لاکھ کہے کہ یہ میرے خیالات نہیں ہیں۔ لیکن یہ اس کی کسی بات کو اپنے قارئین کے سامنے نہیں آنے دیتے اور اپنے پروپیگنڈے کو بدستور جاری رکھتے ہیں۔ یہ ہے وہ وطیرہ جو جماعت اسلامی نے طلوع اسلام کے خلاف اختیار کر رکھا ہے۔ اس باب میں اس جماعت کے عمائد واراکین مثل ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔ امین احسن اصلاحی صاحب یا نعیم صدیقی صاحب کیا کچھ کہہ رہے ہیں۔ اس کی بابت کئی بار لکھا جا چکا ہے۔ اب اسی ضمن میں ایک مثال ان کے متبعین کی بھی ملاحظہ کیجئے۔ لائلپور سے اس جماعت کا ایک اخبار "المنیر" شائع ہوتا ہے۔ ہم نے اس کے اڈیٹر کے نام ۸ اگست کو حسب ذیل خط لکھا۔

"محترمی مدیر المنیر! السلام علیکم

المنیر کی اشاعت بابت ۱۰ اگست ۱۹۵۵ء میں محترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ انھیں معلوم نہ ہو سکا کہ سنت اور حدیث کے بارے میں طلوع اسلام کا موقف کیا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کسی صاحب نے طلوع اسلام کے موقف کو معلوم کرنے کی کوشش تو کی ورنہ آج تک ہوتا یہی چلا آرہا ہے کہ طلوع اسلام کے موقف کے متعلق خود ہی ذہن میں کچھ فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور پھر اس فیصلے کی بناء پر اسے مورد طعن و تشنیع بنا دیا جاتا ہے۔

طلوع اسلام نے اپنی اشاعت بابت ۲۰ اپریل کے لمعات میں نہایت وضاحت سے بتایا تھا کہ سنت کے بارے میں اس کا موقف کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ملک کے سنجیدہ طبقہ سے عرض کیا تھا کہ وہ براہ کرم اس موقف کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیں۔ اور ان کے نزدیک جس مقام پر طلوع اسلام نے کوئی غلطی کی ہے اس سے اسے مطلع فرمائیں۔ تاکہ اگر ان کا خیال درست ہو تو طلوع اسلام اپنی اصلاح کر سکے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت تک کسی صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ لیکن طلوع اسلام کے خلاف مختلف الزام تراشیوں کی مہم بدستور جاری ہے۔

(۱) ہم آپ سے اور آپ کے توسط سے مولانا عبدالغفار حسن صاحب سے درخواست کریں گے کہ آپ حضرات براہ کرم طلوع اسلام کے اس ادارتی مقالہ کو اپنے اخبار میں من و عن شائع فرمائیں اور پھر اس میں جہاں جہاں غلطی نظر آئے اس پر تنقید فرما دیں۔ اس سے آپ کے قارئین کو یہ معلوم ہو سکیگا کہ سنت کے بارے میں طلوع اسلام کا موقف کیا ہے۔ اور طلوع اسلام کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپ حضرات کے نزدیک اس موقف میں کیا غلطی ہے؟

کیا ہم توقع کریں کہ آپ ہماری اس درخواست کو شرف پذیرائی عنایت فرمائیں گے۔ نیز ہم نے اپنی اشاعت بابت ۷ مئی میں محترم عبدالغفار حسن صاحب سے حدیث و سنت کے متعلق کچھ سوالات کئے تھے۔ اور ان کے بعض فرمودات کی مزید تشریح چاہی تھی۔ ان کی طرف سے اس کا بھی کوئی جواب ہمیں آج تک موصول نہیں ہوا۔ ہم شکر گزار ہوں گے اگر آپ ان کی توجہ اس طرف بھی مبذول فرمائیں اور طلوع اسلام کے سوالات اور مولانا صاحب کے جوابات کو اپنے اخبار میں شائع فرما دیں۔

(۳) آپ کی سہولت کے لئے ایک پمفلٹ ارسال ہے جس میں صفحہ ۷ سے صفحہ ۱۳ تک طلوع اسلام کا وہ ادارتی مقالہ درج ہے۔ جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ اور صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۴۶ تک وہ استفسارات ہیں جو محترم عبدالغفار حسن صاحب سے کئے گئے۔ پمفلٹ کی وجہ سے یہ خط بصیغہ رجسٹری بھیجا جا رہا ہے۔

والسلام مدیر

اس خط کا نہ کوئی جواب ہمیں موصول ہوا اور نہ ہی ہمارا یہ خط یا سنت رسول اللہ کے متعلق ہمارا مضمون اس میں شائع ہوا ۱۳ ستمبر کو ان کی خدمت میں یاد دہانی کے لئے ایک کارڈ لکھا گیا لیکن وہ بھی صدا بصحرا ثابت ہوا۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ کس قسم کی دیانت اور صالحیت ہے جس سے ہمارے زمانہ کے بدنصیب مسلمانوں کو پالا پڑا ہے!

اقبال کو سمجھنے کیلئے

اقبال اور قرآن

کا مطالعہ کیجئے

قیمت:- دو روپے

حقائق وعبر

نادان دوست

ہم نے اکتوبر کی اشاعت کے حقائق و عبر میں یہ بتایا تھا کہ ارباب مذہب کس طرح کمزور دلائل اور رکیک تاویلات سے بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ لیکن اس کے نتائج اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ اور مغرب کے ارباب علم و فکر جب اس قسم کے کمزور دلائل کو دیکھتے ہیں تو ان کے دل سے اسلام کا احترام اٹھ جاتا ہے۔ وہ اسے بھی دیگر مذاہب کی طرح توہم پرستیوں اور چیستانوں کا مجموعہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن یہ چیز ہمارے ارباب مذہب ہی سے مختص نہیں۔ ہمارے ہاں مغربی تعلیم یافتہ لیڈر قسم کے لوگوں کا بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنی اس قسم کی جہل پاشیوں سے اسلام کو بدنام کرتا پھرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے سامنے اس وقت پاکستان ٹائمز (لاہور) کا پانچ ستمبر کا پرچہ ہے۔ جس میں لندن کے ایک اسلامی اجتماع کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس اجتماع میں ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے تقریر فرمائی تھی۔ قریشی صاحب یہاں کا قلمدان وزارت چھن جانے کے بعد کولمبیا یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ان کی تقریر کا عنوان تھا "اسلام میں احترام آدمیت"۔ اس ضمن میں انھوں نے حسب معمول یہ غیر قرآنی تصور پیش کیا کہ انسان صفحہ ارض پر خدا کا خلیفہ ہے۔ تقریر کے بعد ایک خاتون نے یہ سوال پوچھا کہ اسلام نے غلامی جیسے ملعون رسم کو کیسے روا رکھا؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب صاف الفاظ میں یہ تھا کہ قرآن نے غلامی کے ہر دروازے کو بند کر دیا ہے۔ اگر ہمیں بعد میں مسلمان بادشاہوں کے ہاں غلام اور لونڈیاں نظر آتی ہیں تو ان کا یہ فعل قرآن کے خلاف ہے۔ جس کی ذمہ داری اسلام پر عاید نہیں ہوتی لیکن قریشی صاحب کو کیا معلوم کہ قرآن کی تعلیم کیا ہے اور اسلام کیا کہتا ہے۔ انھوں نے نہایت لجاتے، شرماتے ہوئے کہا کہ دنیا کے کسی بڑے مذہب نے بھی براہ راست غلامی کی ممانعت نہیں کی اور وہ معاشرتی حالات جن میں اسلام کا ظہور ہوا۔ ان میں غلامی کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دے کر غلاموں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

اس کے بعد کسی نے یہ پوچھا کہ مسلمانوں کے ممالک میں نظام جاگیرداری کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ اس کا جواب انھوں نے نہایت گول مول الفاظ میں دیا۔ حالانکہ کہنے کی صاف بات یہ تھی کہ یہ انہی غیر اسلامی لعنتوں میں سے ایک لعنت ہے جسے مسلمانوں نے اپنے ہاں اختیار کر رکھا ہے۔ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

اسی سلسلہ میں جمہوریت کا ذکر آگیا تو انھوں نے فرمایا کہ ازمنہ متوسطہ کے مسلمان بادشاہوں نے اپنی رعایا کو اس قدر مراعات دے رکھی تھیں کہ ان کے دل میں جمہوریت کا خیال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر قریشی صاحب نے ان بادشاہوں کی شخصی حکومت کو "احسان عظیم" سے تعبیر کیا۔

وہاں ایک کونہ میں کوئی پاکستانی طالب علم بیٹھا تھا۔ اس نے سوال کیا کہ کیا آج اسلامی ممالک میں مزدور طبقے کو وہی آسائشیں اور مراعات حاصل ہیں جو اس طبقہ کو اشتراکی ممالک یا کم از کم برطانیہ جیسے ملکوں میں حاصل ہیں۔ اگر انھیں یہ مراعات حاصل نہیں تو پھر پروفیسر صاحب اسلام میں احترام آدمیت کا کیا چرچا فرما رہے ہیں! اس کے جواب میں قریشی صاحب نے فرمایا کہ اس سوال کو دو نقاط نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ ایک آزادی وہ ہوتی ہے، جسے معاشی آزادی کہا جاتا ہے اور ایک احترام وہ ہوتا ہے جو کسی کو معاشرہ میں حاصل ہو۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اسلامی ممالک میں محنت کش طبقہ کو معاشی آزادی تو حاصل نہیں، لیکن معاشرہ میں انہیں مساوات کا درجہ حاصل ہے، یعنی ایک ملازم کے لئے یہ اعزاز کچھ کم باعث شرف نہیں کہ وہ نماز میں اپنے آقا کے برابر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اسے اس کی شکایت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے کہ اسے محض روٹی کی خاطر عمر بھر اس آقا کے جوتے کھانے پڑتے ہیں۔

یہ ہے وہ اسلام جس کا مظاہرہ ہمارے اس جاہل تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے یورپ اور امریکہ میں آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان حضرات کو اسلام کی صحیح تعلیم کے متعلق کچھ بھی علم نہیں تو پھر یہ اسلام پر گفتگو اور تقریر کرنے کی جرأت کیوں کر لیتے ہیں؟ اگر ڈاکٹر قریشی صاحب سے یہ پوچھا جائے کہ ہائیڈروجن بم کس طرح تیار ہوتا ہے تو وہ بلا تامل کہہ دیتے کہ یہ میرا موضوع نہیں۔ اس لئے اس کے متعلق مجھے معلومات حاصل نہیں ہیں۔ لیکن جب ان سے اسلام کے متعلق سوالات پوچھے جائیں تو وہ کبھی نہیں کہیں گے کہ اس کے متعلق میری معلومات کافی نہیں ہیں۔ وہ ایک اتھارٹی بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور جو جی میں آئے اسے اسلام کی طرف منسوب کر کے سامعین پر اپنے تبحر علمی کی دھاک بٹھلانے کی کوشش کریں گے۔

یہ لوگ درحقیقت اسلام کو ہمارے ان پڑھ مولویوں سے بھی زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے کہ مولویوں کی بات زیادہ تر ان کے مقدس کنوئیں کے دائرہ کے اندر ہی رہتی ہے۔ الا یہ کہ کوئی مستشرق اسے خاص طور پر اپنے ہاں لے جائے۔ لیکن ہمارے ان پروفیسروں کی زبان سے نکلی ہوئی بات ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

اہل مغرب کے سامنے صحیح قرآنی اسلام کو پیش کرنے کی کتنی بڑی ضرورت ہے:

منحوس ۱۹۵۷ء

معاصر پاسبان (ڈھاکہ) کی ۸ ستمبر کی اشاعت میں ذیل کی دلچسپ رپورٹ شائع ہوئی ہے:-

"۱۹۵۷ء کی آمد آمد کے ساتھ یہاں بھارت کے مستقبل کے متعلق مایوسی اور پریشانی کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے اور یہ اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس طرح پچھلی صدیوں کا ۵۷واں سال بھارت کے لئے منحوس ثابت ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح اس صدی کا ۵۷واں سال بھی منحوس ثابت ہوگا۔ عوام کے علاوہ خواص بھی اس قسم کے خیالات سے متاثر ہیں۔ اس سال کی نحوست سے بچنے کے لئے کچھ تدبیریں بھی کی جا رہی ہیں۔ جیتہ اور متھلا کے پنڈتوں کا خیال ہے کہ بھارت کے لئے نحوست ۱۹۵۵ء ہی سے شروع ہو جائے گی جو ۱۹۵۷ء تک جاری رہے گی۔ اور بالآخر دہلی کی حکومت کا خاتمہ ہو کر رہے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عرصہ میں قحط، وبائیں، قتل و غارت گری، خانہ جنگی اور اسی طرح کی دوسری مصیبتیں نازل ہونگی۔ چنانچہ سکھوں کی سکھستان کی تحریک۔ دراوڑوں کا دراوڑستان اور مختلف ریاستوں کے درمیان تنازعات و رسہ کشی کو انھیں تباہ کاریوں کا پیش خیمہ بتایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت کی پچھلی تباہیوں کا بڑا سبب یہی رہا ہے کہ مختلف ریاستیں آپس میں ٹکرائی ہیں۔ چنانچہ اب پھر یہی ذہنیت ابھر رہی ہے اور مختلف ریاستیں آپس میں نبرد آزما ہونے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔

ان خیالات سے بھارتی مورخین بھی متفق نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ۱۵۵۶ء میں پانی پت کے میدان میں ہیمو بقال نے

قوت ارادی

پروفیسر ظہوری

زندگی کے خاردار راستے میں وقار و طمانیت سے بڑھتے رہیئے اور اس سفر میں یہ نہ بھولئے کہ صبر، جوش، ولولہ اور استقامت ہی وہ قوتیں ہیں جو کامیابی و کامرانی میں مدد دیتی ہیں۔ عزم آہنی نئے ولولے اور بے پناہ حوصلے کو ہمیشہ اپنے قلب و دماغ میں سمائے رکھئے۔ اور اپنے ارادوں پر کامل یقین رکھئے بس یہی قوت ارادی ہے یہی وہ بیش بہا طاقت ہے جس کے سامنے پہاڑ ذرہ اور سمندر ریگستان بن جاتا ہے۔ اس حیرت انگیز کرشمہ ساز اور لازوال قوت کو حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت تین روپیہ

بچوں کی دیکھ بھال

مترجمہ مسلم ضیائی ایم اے

آج ہر محب وطن باپ کے کندھوں پر یہ بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی جسمانی اور اخلاقی تربیت صحیح طور پر کیسے۔ بچے کا دل، دماغ اور زندگی اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ایک عظیم الشان قومی اور سماجی عمارت کی بنیاد ہے۔ یہ کتاب والدین کی صحیح رہنمائی کرتی ہے۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت چار روپیہ

شعور و لاشعور	سلامہ موسیٰ مصری	3-4-0
نوجوانوں کی نفسیات	ڈاکٹر عسکر	3-2-0
کامیاب جنسی زندگی	بدر شکیب	3-2-0

نفیس اکیڈیمی بلاسس اسٹریٹ۔ کراچی

بھارت سے مسلم سلطنت ختم کرنے کی کوشش کی اور اس میں ناکام رہا۔ لیکن شکست فاش کھائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی صدی آگے کیلئے بھارت میں مسلم حکومت مضبوط و مستحکم ہوگئی۔ پھر ۱۶۵۸ء میں ساموگڑھ کی لڑائی ہوئی۔ جس میں اورنگ زیب کو فتح ہوئی۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ ہوئی۔ اور بھارت میں انگریزی راج کو تقویت ملی۔ ساتھ ہی متھرا اور دہلی کی غارت گری بھی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ ہندوستان میں جابر و قاہر انگریزی راج قائم ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان تمام مواقع پر دہلی تباہ ہوتی رہی۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی اس کی خیر نہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ خود بھارتی حکومت بھی ان خیالات سے متاثر ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ پہلا اقدام یہ کر رہی ہے کہ دارالحکومت دہلی سے الٰہ آباد بھیجا جارہا ہے۔ رپورٹ ملی ہے کہ سینٹرل سکریٹری الٰہ آباد منتقل کیا جانے والا ہے۔ اس کے علاوہ راج بھون (صدر جمہوریہ کی رہائش گاہ) کے متعلق یہ انتظام کیا گیا ہے کہ سال میں چھ ماہ دہلی اور چھ ماہ حیدرآباد دکن میں رہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سنہ ۱۹۵۷ء کا پورا سال صدر جمہوریہ دہلی سے باہر ہی گذار دیں۔ بھارتی حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ سنہ ۱۹۵۷ء کو سنہ ۱۹۵۶ء ہی کہا جائے گا۔ تاکہ ۱۹۵۷ء کا نام ہی نہ لینا پڑے۔

پنڈتوں کا کہنا ہے کہ اس دور میں ایک طرف تو ہندو حکومت اور ہندو اثرات کو دھکا لگے گا۔ بلکہ تباہی سے قریب ہوں گے۔ دوسری طرف مسلمانوں میں تنظیم اور استحکام پیدا ہوگا اور ان کی تاریخ ایک نئی کروٹ لے گی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ برصغیر پر مسلم اقتدار قائم ہونے کی امید ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ رپورٹ کسی زرخیز دماغ کی اپج دکھائی دیتی ہے۔ لیکن ہندو جیسی توہم پرست قوم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ سنہ ۱۹۵۷ء کی نحوست کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور لے لے اور چونکہ اس قسم کے نفسیاتی اثرات متعدی ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر وہاں کے کسی مختصر گروہ نے بھی یہ اثر لے لیا تو اس کا ملک بھر میں پھیل جانا کچھ بعید نہیں۔ جو قوم ابھی تک پیپل اور گنگا کی عظمت کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکی۔ وہ سعد و نحس کے چنگل سے کس طرح نکل سکتی ہے۔

لیکن اس سے مسلمانوں کو کسی طرح بھی خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ اس اسلام کا دعوے کرنے کے باوجود جو دنیا سے ہر قسم کی توہم پرستیوں کو مٹانے آیا تھا ہزار قسم کی توہم پرستیوں اور انسان پرستیوں میں پھنسی ہوئی ہے لہٰذا اس کے لئے دوسروں کی جہالت پر خوش ہونے کا کیا جواز ہے۔

طلوعِ اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان، ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔
نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبہ اشتہارات سے حاصل کیجئے
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ — کراچی

نقد و نظر

کتاب التوحید

مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔ ضخامت ۱۴۴ صفحات بڑا سائز۔ قیمت مجلد تین روپے۔

زیر تبصرہ کتاب علامہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی تصنیف ہے۔ جس میں موصوف نے جاہلانہ شرکیہ رسوم و بدعات مثل قبر و قبہ پرستی، تعویذ گنڈے۔ فال اور شگون لینا۔ غیر اللہ کے لئے نذریں اور نیاز دینا وغیرہ مسائل کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔ جو توحید کے خلاف ہیں۔ علامہ موصوف تیرھویں صدی ہجری کے ان مصلحین میں سے ہیں۔ جنہوں نے اپنے زمانہ اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور جن کی مساعی ایک بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ یہ دور مسلمانوں میں بیداری کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی دور میں ایران اور مصر میں جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہٗ پیدا ہوئے۔ ترکی میں مدحت پاشا اور مصطفےٰ کمال نے جنم لیا اور تیونس میں خیر الدین پاشا تونسی اور ہندوستان میں سید احمد خان کا ظہور ہوا۔ لیکن بقول محترم احمد امین صاحب مصری عجیب بات ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اعراضِ مرض ملتے جلتے تھے۔ کیونکہ جن حوادث سے ان ممالک کو دوچار ہونا پڑا وہ یکساں تھے۔ مصلحین بھی اصل مادۂ اصلاح میں ایک دوسرے سے متماثل نظر آتے ہیں تاہم ان کی اصلاح کے طریقے اپنے اپنے ماحول اور حالات و کوائف کے ماتحت ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کی اصلاح کارانہ مساعی بدویت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں جو ایک بدوی ماحول ہی سے مناسبت رکھتی تھیں۔ انہی کے نقش قدم پر سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ بھی چلے۔ لیکن ان دونوں اصلاحات میں حضارت اور مدنیت کا رنگ زیادہ جھلکتا تھا۔ مدحت پاشا اور خیر الدین تونسی کی اصلاحات مدنی اصلاحات تھیں۔ چنانچہ نظام حکومت وغیرہ میں یورپ کا اقتدار کیا گیا تھا۔ اور نوجوان ترکی میں مصطفےٰ کمال کی اصلاحات خالص یورپین اصلاحات تھیں۔ جن میں یہ دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ ان معاملات میں اسلام کے مطالبات کو بھی نظر میں رکھا جاتا۔ (زعماء الاسلام ص ۱۳۲)

محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحات کو سمجھنے کے لئے محترم امین احمد مصری کے الفاظ میں آتنا ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کا ظہور حجاز میں ہوا تھا۔ وہ قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا ظہور اٹھارویں صدی کے آخر میں ہوا تھا ان کی اصلاحات کی اہم ترین بنیاد قرآن کریم اور سنت نبویہ کی طرف لوٹنا تھا۔ حدیث پر انہوں نے بہت زیادہ کلی اعتماد کیا اور ان فقہائے سابقین کے برعکس جو رائے پر بھی اعتماد کر لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اپنا راہنما قرار دیا۔ جس کی بنیاد خالص حدیث تھی یہ ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ ان سب باتوں نے انہیں اس رائے پر جما دیا تھا کہ اسلام اپنی اصلی صورت پر باقی نہیں رہا۔ اور ترکوں نے اسلام میں بہت سی برائیاں ملا دی ہیں۔ انہوں نے زناکاروں کو از سر نو رجم کرنا شروع کر دیا۔ قبروں اور مزارات کو ڈھا دیا۔ مسجدوں میں زینت و آرائش کو حرام قرار دیا۔ اور نشہ آور چیزوں اور حقہ اور سگریٹ نوشی پر سختی برتی۔ ان کی تعلیمات نے حجاز میں ان کے بہت سے مددگار اور بے شمار مرید پیدا کر دیئے تھے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی اصلاحی حرکت میں وہ تشدد اور قسوت نمایاں طور پر موجود تھی جو ایک بدوی ماحول کا خاصہ ہوا کرتی ہے۔

(زعماء الاسلام ص ۱۱۸، ۱۱۹)

حدیث کے بارے میں ان کا بہرحال یہی مسلک ہو سکتا تھا کہ جو حدیث اصول روایت کی رُو سے صحیح قرار پا جائے اسے صحیح سمجھا جائے۔ خواہ درایتاً اس کی پوزیشن کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب میں اس قسم کی حدیثیں موجود ہیں کہ

ابن مسعود کہتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے آسمان میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اور ہر دو آسمانوں میں پانچسو برس کا فاصلہ ہے۔ ساتویں آسمان اور کرسی میں بھی پانچسو برس کا فاصلہ اور کرسی اور پانی میں پانچسو برس کا فاصلہ ہے اور عرش پانی پہ ہے اور اللہ تعالیٰ اسی عرش پر۔ (صفحہ ۱۳۳)

بہرحال جن حضرات کو مشرکانہ رسوم اور بدعات وغیرہ کے متعلق اہل حدیث کا مسلک دیکھنا مقصود ہو۔ ان کے لئے یہ کتاب مفید ہوگی۔

لغات القرآن (صحیح)

نور محمد، کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی کی طرف سے شائع کردہ ایک آسان اور مختصر لغات قرآن اس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ (جس جس شکل میں وہ آئے ہیں) حروف تہجی کے ترتیب کے ساتھ دیئے گئے ہیں اور ان کے سامنے وہ معانی دیئے گئے ہیں جو ہمارے یہاں کے مروجہ قرآنی تراجم میں ملتے ہیں۔ مثلاً ذَكَرَ (ذ کے نیچے ہے۔ تَذْكُرُونَ (ت) کے نیچے۔ يَذْكُرُونَ (ی) کے نیچے۔ اور ان کے معانی ہیں۔ ذَكَرَ۔ اس نے یاد کیا۔ تَذْكُرُونَ تم یاد کرو گے يَذْكُرُونَ۔ وہ یاد کرتے ہیں یا یاد کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا لغت محض مبتدیوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

طباعت کتابت صاف ہے۔ تقطیع چھوٹی۔ ضخامت ۶۰۲ صفحات قیمت مجلد بہ خوبصورت دست کور چار روپے۔

نوادرات
(از علامہ اسلم جیراجپوری)
قیمت
چار روپے

تاریخ الاُمّت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ھے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے ۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے ۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ھے ۔ باقی حصے عنقریب شائع ھو جائینگے ۔

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا ۔

قرآن کیا کہتا ھے اور اقبال کا پیغام کیا ھے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے ۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ھے ۔ ابلیس کیا ھے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ھے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے ۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام ـ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲ ـ کراچی ـ ۳

الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ

ہیں اس قرآنی معاشرہ کے جس کا عنوان

مستقل اقدار

جو انہیں اس معاشرہ کے افراد کی طبعی اقدار [illegible]

خوشنودی [illegible] کے لئے [illegible]

جسم و جاں کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

یہی معاشرہ

کیسے قائم ہو سکتا ہے۔

اس کا جواب

نظامِ ربوبیت

[illegible]

میں ملاحظہ کیجئے

دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب

حصہ اول کاغذ سفید [illegible] مضبوط [illegible]

قسم دوم کاغذ [illegible] کے ساتھ [illegible]

ناظم ادارہ طلوع اسلام [illegible] کراچی

Printed [illegible] Art Press [illegible] Bunder Road, Karachi [illegible] Published by [illegible]
from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor KHURSHID ALAM

طلوع اسلام

جلد نمبر ۸
شمارہ ۳۶

کراچی: ہفتہ ۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

اس جنتی معاشرہ میں پھلوں کے علاوہ حسب پسند گوشت بھی ہوگا فاکھۃ و لحم مما یشتھون (۵۲/۲۳) کھانے کا انداز ایسا کہ میز پر بیٹھے ہیں اور خدمت گار لڑکے (BOYS) قابوں میں کھانا لئے گرد گرد پھر رہے ہیں۔ ویطوف علیھم غلمان (۵۲/۲۴)۔ سونے کے لئے نہایت عمدہ پلنگ اور ان پر دبیز ریشم کے بچھونے اور تکیے۔ متکئین علی فرش بطائنھا من استبرق (۵۵/۵۴) فرش پر اعلی درجہ کے سبز قالین اور حسین اور نادر زر دوزی کی چادریں۔ رفرف خضر و عبقری حسان (۵۵/۷۶)۔ یہ سب کچھ اس جنتی معاشرہ میں ہوگا جو نظام خداوندی کی رو سے قائم ہوگا۔ اور جس کے مہیا کرنے کی ذمہ داری اس نظام نے لے رکھی ہوگی۔

قرآنی حقائق کا بیان
(محترم پرویز صاحب)
اتوار صبح ۹ بجے
فاولرز لائن - نیپئر بیرکس - کراچی

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اس طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی اب قرآن کے ذریعے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔
3. ہمارے اعمال کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو گی وہ صحیح ہو گی جو اس کے خلاف ہو گی غلط ہے۔
4. حضور نبی کریم انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن ہماری بدقسمتی سے ہماری تاریخ میں ایسی باتیں بھی شامل کر دی گئی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کو جانچنے کا معیار خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے)۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد یا معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عالمین (تمام نوع انسانی کی پرورش) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

جب پاکستان بن گیا ہے اور اس کے بعد ہماری دلی تمنا ہے کہ اس میں قرآنی نظام ربوبیت قائم ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں انسانی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو سکے اور "زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ طلوع اسلام کی انقلابی دعوت
★ بزم طلوع اسلام
★ حقائق و عبر
★ نئی کروٹ
★ اسلام کی سرگزشت
★ کھلا خط بنام عبدالغفار حسن صاحب
★ فطرت کے اشارے
★ سلیم کے نام
★ اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؟
★ اسلام پر ہندو تہذیب کے اثرات

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ھے اور اسلامی نظام کیسے قائم ھوسکتا ھے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راھیں کھولدی ھیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ھزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ھے کہ ھمارا مرض کیا ھے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاھوں کا زاویہ بدل دیا ھے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ھے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذھبی تصورات سے متنفر ھوتے ھوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ھی سے ھاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ھے کہ محسوس ھی نہیں ھوتا کہ ھم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رھے ھیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ھیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ھیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ھے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ھے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رھنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ھر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء۔ کراچی۔ ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ — ۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۶

طلوعِ اسلام کی انقلابی دعوت

تقلید کی روش بڑی آرام دہ، سہولت بخش اور خوش آیند ہوتی ہے اس کے لئے نہ علم کی ضرورت ہوتی ہے نہ فکر کی۔ نہ کچھ محنت درکار ہوتی ہے نہ کاوش۔ لیکن اس کے باوجود عزت و شہرت اور دولت و ثروت گھر بیٹھے چلی آتی ہے۔ عوام کے مروجہ عقاید اور متوارث اعمال و رسوم، خواہ وہ کسی قسم کے ہوں، آپ ان کی تائید کیجئے، پوری قوم آپ کے ساتھ ہوگی۔ اگر آپ اپنے زورِ بیان سے ان عقائد و رسوم کی مدح و ستائش میں قصائد لکھتے ہیں یا ان کے بے مثل و بے نظیر ہونے پر کتابیں تصنیف کرتے ہیں تو آپ قوم کے محبوب لیڈر، عالمِ بے بدل، دنیا کے سب سے بڑے مفکر، اور اسلام کے بہت بڑے محسن قرار پا جاتے ہیں۔ اس کے لئے آپ کو کرنا صرف یہ ہوگا کہ جو بات سامنے آئے اس کے متعلق یہ بتا دیں کہ فلاں کتاب میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے اور فلاں امام نے اس کی بابت یہ بتایا ہے۔ پھر جو شخص اس کے خلاف کچھ کہے اسے ایک بہت بڑے فتنہ کا بانی قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما دیں۔ بس اس کے بعد آپ کی پرستش ہوگی جلوس نکلیں گے۔ اس خدمتِ دین کے لئے لاکھوں روپے آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں گے جس کے بل بوتے پر سینکڑوں لکھنے اور بولنے والے آپ کے ہمنوا ہوں گے آپ کو ان ہمنواؤں کی رفاقت اور عوام کی اتباع سے بہت بڑی طاقت حاصل ہو جائے گی۔ اس طاقت کے زور پر آپ جس سے جو جی میں آئے منوا سکیں گے۔ یہ ہے تقلید کی روش اور اس کے نفع بخش نتائج۔

اس کے برعکس دوسری روش تحقیق کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں جس قدر مروجہ عقاید اور متوارث اعمال و رسوم موجود ہیں انہیں ایک ایک کر کے پرکھا جائے۔ ان میں سے جو صحیح ثابت ہوں انہیں اختیار کیا جائے اور جو غلط نکلیں انہیں چھوڑ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان محقق کے لئے تحقیق و تنقید کی میزان صرف خدا کی کتاب ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہی حق و باطل کا معیار ہے۔ اسی سے غلط اور صحیح میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ وہی یہ بتا سکتی ہے کہ دین کا کونسا نظام اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا تھا اور کون کونسی باتیں ایسی ہیں جو اس میں بعد ازاں باہر سے آکر شامل ہو گئیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی تحقیق کے لئے علم و فکر کی بھی ضرورت ہوگی۔ اور محنت و کاوش بھی درکار۔ اس لئے کہ اس میں ہر غلط تصور کی علیٰ وجہ البصیرت تردید کرنی ہوگی۔ اور اپنے ہر دعوے کی تائید میں خدائی سند پیش کرنی پڑے گی۔ جب آپ اس تحقیق کے بعد ان غیر قرآنی عقاید و اعمال کے خلاف آواز اٹھائیں گے جو عوام میں متوارث چلے آ رہے ہیں تو اس کی سخت مخالفت ہوگی ہر طرف سے آپ پر گالیوں کی بوچھاڑ ہوگی۔ نہ کوئی آپ کا ساتھی ہوگا نہ ہم نوا۔ آپ کو اپنے مقدور کے مطابق تنہا یہ جنگ لڑنی پڑے گی۔ اور اپنی ہر ذاتی اور اضافی متاع کو اس کی نذر کر دینا ہوگا۔

تحقیق و تنقید کی یہی وہ انقلابی دعوت ہے جسے حضرات انبیائے کرام لے کر آئے تھے اور جس کی مخالفت ہر زمانے اور ہر مقام میں تقلید پرست گروہ کی طرف سے ہوتی تھی آپ قرآن میں مختلف انبیائے کرام کا تذکار جابجا دیکھیں ان کی دعوت کے خلاف سب سے پہلا اعتراض یہی ہوتا تھا کہ ہم نے اس قسم کی کوئی آواز اپنے آبا و اجداد سے نہیں سنی۔ ہم اسی روش پہ چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو چلتے دیکھا ہے۔ حضرات انبیائے کرام ان کے اس اعتراض کے جواب میں دلائل و براہین پیش کرتے اور اس طرح علم و بصیرت کی روشنی میں ثابت کرتے کہ جو کچھ ان کے ہاں اسلاف سے چلا آتا ہے وہ غلط ہے لیکن ان کے مخالفین ان کی ایک نہ سنتے اور اپنی تقلید کی روش پر چلنے کے لئے مُصِر رہتے۔

حضرات انبیائے کرام کے نقوشِ قدم کی اتباع میں، طلوعِ اسلام دعوتِ انقلاب کو لے کر اٹھا ہے۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے ہاں مروج ہے اسے وحی خداوندی اور علم و بصیرت کی میزان میں تولا جائے اور اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ اس کا وزن اور قیمت کیا ہے۔ ان میں سے جو چیزیں قرآن کے مطابق ہوں انہیں سر آنکھوں پر رکھا جائے لیکن جو باتیں اس کسوٹی پر پوری نہ اتریں انہیں غلط قرار دے کر الگ کر دیا جائے۔ وہ اپنی اس دعوت کو سالہا سال سے مسلسل پیش کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے ان تمام مصائب و نقصانات کو برداشت کر رہا ہے جو اس روش کے لازمی عواقب ہیں۔ اسے نہ اپنے اس فیصلہ پر کبھی افسوس ہوا ہے کہ اس نے عوام کی گلگشت بداماں تقلیدی روش کو چھوڑ کر تحقیق و تنقید کی اس خارزار وادی میں کیوں قدم رکھا، اور نہ ہی مخالفتوں کے ہجوم اس کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوا اور اسی کی توفیق سے ہوتا رہے گا۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کا اسے ہمیشہ افسوس رہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کے مخالفین اس کے خلاف اپنے ذہن سے باتیں تراشتے ہیں اور پھر انہیں اس کی طرف منسوب کر کے ان کی بنا پر عوام کے جذبات کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ روش اس کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہم اپنے مسلک اور مقصد کی وقتاً فوقتاً وضاحت کرتے رہیں اگرچہ وہ مختصر اور سمٹے ہوئے الفاظ میں طلوعِ اسلام کی ہر اشاعت میں اس کے ٹائیٹل کے صفحے پر مستقلاً شائع ہوتے رہتے ہیں آج کی صحبت میں ہم پھر اپنے اس مقصد اور مسلک کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں تاکہ جو شخص اس فکری انقلاب کی دعوت کا ساتھ دے وہ بھی سوچ سمجھ کر ساتھ دے اور جو اس کی مخالفت کرے اسے بھی معلوم ہو کہ اسے کس بات کی مخالفت کرنی ہے۔ اس دعوت کے دو گوشے ہیں۔ ایک یہ کہ دین کی اساس کیا ہے اور دوسرے یہ کہ دین کا مقصود کیا ہے۔ دین کی اساس کے متعلق طلوعِ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسانی کی رہنمائی کے لئے اپنا آخری اور مکمل دین قرآن کے اندر محفوظ کر کے دیدیا۔ اس میں نہ کسی قسم کا ردوبدل ہو سکتا ہے اور نہ حک و اضافہ۔ قرآن خدا کی آخری کتاب ہے اور نبی اکرمؐ اس کے آخری نبی ہیں۔ حضورؐ کے بعد اب کوئی اور آنے والا نہیں، نہ ہی انسانیت کی فلاح اور سعادت اسلام کے علاوہ کسی اور نظام زندگی میں مل سکتی ہے۔

(۲) ختمِ نبوت کے بعد ہمارے پاس علم کے صرف دو ذرائع رہ جاتے ہیں۔ ایک وہ وحی جو قرآن کے

اندر ہے اور دوسرا انسان کی عقل و بصیرت۔ رسول اللہؐ کے بعد اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کرنے کا دروازہ بند ہو گیا۔ لہٰذا کشف و الہام یا اسی نوعیت کی کوئی اور چیز دین میں سند نہیں قرار پا سکتی۔ اس لئے کہ نبوت کے بعد کوئی شخص براہِ راست خدا سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔

(۳) قرآنِ کریم جس شکل میں آج ہمارے پاس ہے رسول اللہؐ نے اسے اسی شکل میں امت کو دیا تھا اور اس کی عام اشاعت صحابہ کبارؓ نے کی تھی۔ باقی رہی حدیث سو نہ رسول اللہؐ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ امت کو دیا نہ خلفائے راشدینؓ نے کوئی ایسا مجموعہ مرتب کیا۔ اگر دین قرآن کے اندر نا تمام تھا اور اس کی تکمیل رسول اللہؐ کی احادیث سے ہوتی تھی تو حضورؐ کا یہ فریضۂ رسالت تھا کہ وہ اپنی احادیث کا ایک مستند اور مصدق مجموعہ اُمت کو دے کر جاتے تاکہ امت کے پاس دین اپنی مکمل شکل میں مستند طور پر موجود رہتا۔ یہ حقیقت کہ رسول اللہؐ نے ایسا نہیں کیا۔ اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ رسول اللہؐ کے نزدیک دین کی تکمیل قرآن میں ہو چکی تھی اور یہی آپ کے صحابہ نے بھی سمجھا تھا۔

(۴) حدیثوں کے موجودہ مجموعے مختلف افرادِ ملت کی انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان کی صحت کے لئے ان کے پاس نہ خدا کی طرف سے کوئی سند تھی نہ رسول اللہؐ کی طرف سے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مجموعوں میں صحیح اور غلط ہر قسم کی باتیں آگئی ہیں۔ ان مجموعوں میں دو قسم کی احادیث ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق حضورؐ کی سیرتِ طیبہ سے ہے اور دوسرا حصہ وہ جس کا تعلق شریعت کے احکام سے ہے۔ جہاں تک پہلے حصہ کا تعلق ہے، ان میں ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں جو ایک رسول کی شان کے قطعاً خلاف ہیں۔ لہٰذا قرآن کے بھی خلاف۔ طلوعِ اسلام کا کہنا یہ ہے کہ ہر وہ روایت جس سے رسول اللہؐ کی ذاتِ اقدس کسی طرح بھی داغدار ہوتی ہو کبھی صحیح حدیث نہیں ہو سکتی خواہ اصولِ روایات کے اعتبار سے اسے کیسا ہی صحیح کیوں نہ قرار دیا گیا ہو۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی کتبِ احادیث سے ایسی تمام روایات کو نکال دیں تاکہ حضورؐ کی سیرت کے خلاف کسی کو کوئی اعتراض نہ مل سکے۔

(۵) احادیث کا دوسرا حصہ احکام سے متعلق ہے اس کی پوزیشن یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں عام طور پر دین کے اصول دیئے گئے ہیں۔ ان کی جزئیات متعین نہیں کی گئیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے اصول تو قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہنے والے ہیں لیکن ان اصولوں کی روشنی میں جو جزئیات متعین ہوں گی ان میں مختلف زمانوں کی ضرورتوں کے مطابق ردوبدل ہوتا رہے گا۔ مثلاً قرآن نے زکوٰۃ کا حکم دیا۔ لیکن اس کی شرح اور نصاب کا تعین خود نہیں کیا۔ مقصود یہ تھا کہ امت کا نظام اپنے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے اس کی شرح اور نصاب خود متعین کرتا ہے۔ ان جزئیات کو سب سے پہلے رسول اللہؐ نے متعین فرمایا۔ لیکن آپ کے بعد (بالخصوص) حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان میں کئی باتوں میں ردوبدل کیا گیا اور اس کے لئے دلیل یہ دی گئی کہ ہمارے زمانے کی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ ان میں ردوبدل کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نہ تو رسول اللہؐ کا یہ منشا تھا کہ آپ کی متعین فرمودہ جزئیات قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہیں اور نہ ہی حضورؐ کے خلفاءؓ نے انہیں ایسا سمجھا تھا۔

(۶) حضورؐ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اسلامی نظام کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا ان جزئیات میں ردوبدل کی بھی وہ صورت باقی نہ رہی۔ روایات کی جمع و ترتیب اور فقہ کی تدوین اس زمانے میں ہوئی جب اسلامی نظام علیٰ منہاجِ نبوت باقی نہیں رہا تھا۔ آج ہم میں بھی وہ نظام موجود نہیں۔ لیکن قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس نظام کو بہرصورت قائم کیا جائے کیونکہ دین نام ہی نظام کا ہے۔ اگر ہمارے ہاں وہ اسلامی نظام قائم ہو گیا تو اس کا اولین فریضہ یہ ہو گا کہ وہ ان تمام جزئیات کو قرآن کے اصول اور اپنے زمانے کی ضروریات کی روشنی میں پرکھیں۔ ان میں سے جو چیزیں ایسی ہوں جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو پورا کر سکیں انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے جن میں کسی ردوبدل کی ضرورت ہو ان میں ردوبدل کر دیا جائے اور جہاں نئی جزئیات متعین کرنے کی ضرورت ہو وہاں نئی متعین کر دی جائیں۔ جب تک ایسا نظام قائم نہیں ہوتا اس وقت تک یہ چیزیں علیٰ حالہ رہیں گی۔ کیونکہ کسی فرد کو یہ حق نہیں کہ ان میں ردوبدل کر کے امت میں مزید انتشار پیدا کرے۔ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ امت کو سمجھایا جائے کہ دین کی صحیح اساس کیا ہے اور اس کا مقصود کیا؟ اس اساس پر صحیح اسلامی نظام کس طرح قائم ہو سکتا ہے اور دین کے مقصود کے حصول کی شکل کیا ہے؟ طلوعِ اسلام ملت میں اساسِ دین کے اس شعور کو بیدار کرنا چاہتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ اس قسم کا اسلامی نظام کسی طرح خود پاکستان میں قائم ہو جائے۔

یہاں تک گفتگو دین کے اساس کے متعلق تھی اب سوال یہ ہے کہ دین کا مقصود کیا ہے۔ اس کے لئے مختصر الفاظ میں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ انسان مرکب ہے اس کے جسم اور اس کی ذات سے۔ انسان کے جسم کی پرورش قوانینِ طبعی کے مطابق ہوتی ہے لیکن انسانی ذات ان قوانین کے دائرہ سے باہر ہے۔ اس کی ذات کی پرورش کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ قانون مقرر کیا ہے جو قرآن کے اندر ہے۔ دین سے مقصود یہ ہے کہ وہ انسان کے جسم اور اس کی ذات دونوں کو پوری پوری نشوونما کا سامان فراہم کرے تاکہ انسان کی یہ زندگی بھی خوشگوار و مرفہ الحالی کی زندگی بن جائے اور اس کے بعد کی زندگی بھی ایسی ہو جائے جس میں انسانی ذات اپنی ارتقائی منازل طے کرتی آگے بڑھتی جائے۔ دین کا یہ مقصود انفرادی طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف اجتماعی معاشرہ کے اندر ہی ممکن ہے۔ اسلامی نظام اس قسم کا معاشرہ قائم کرتا ہے۔ جس میں دین کا یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اس معاشرہ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری خود معاشرہ کے سر ہو اور معاشرہ اس کا بھی انتظام کرے کہ تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ معاشرہ اپنی اس اہم ذمہ داری سے اسی صورت میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے کہ رزق کے سرچشمے یعنی وسائلِ پیداوار، افراد کی ذاتی ملکیت میں رہنے کے بجائے امت کی اجتماعی تحویل میں رہیں۔ چونکہ یہ نظام خداوندی کی صفت ربّ العالمینی کا مظہر ہو گا اس لئے اسے تعارف کی غرض سے "نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا دین کا مقصود ہے "نظامِ ربوبیت" کا قیام جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم اور محتاج نہیں رہتا۔ سب خدا کے قوانین کے محکوم اور اس کے دیئے ہوئے رزق میں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں۔

یہ ہے طلوعِ اسلام کی دعوتِ انقلاب جسے ہم نے مختصر الفاظ میں اس لئے دہرانا ضروری سمجھا ہے تاکہ اس کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے اور ہر شخص واضح طور پر سمجھ لے کہ طلوعِ اسلام کیا کہتا ہے۔ اگر آپ کو ان باتوں میں سے کوئی بات مزید وضاحت طلب محسوس ہو تو ہمیں لکھئے۔ ہم اس کی مزید تشریح کی کوشش کریں گے۔ اگر آپ طلوعِ اسلام کی اس دعوت سے متفق ہوں تو پھر اس کا ساتھ دیجئے اس لئے کہ مسلمان کہلانے کے بعد ہم سب پر یہ فریضہ عاید ہو جاتا ہے کہ دین کے صحیح نظام کے قیام میں ہم امکان بھر کوشش کریں اور اس کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ذہنوں میں یہ بات واضح ہو جائے کہ دین کی اساس کیا ہے اور اس کا مقصود کیا۔ طلوعِ اسلام اس فہم کے عام کرنے کا ذریعہ ہے

زندگی کی نئی کروٹ

مجلس دستور ساز نے بالآخر وحدت مغربی پاکستان کا قانون منظور کر لیا۔ یہ مسودہ ۲۳؍ اگست کو پیش ہوا تھا اور ۳۰؍ ستمبر کو پاس ہوا۔ ان ۳۸ دنوں میں اس نے جو نشیب و فراز دیکھے وہ اپنے اندر چند در چند عبرتوں کے سامان رکھتے ہیں۔ حزبِ اختلاف، جسے عہدِ حاضر کی جمہوریت کا لازمہ سمجھا جاتا ہے اس کے ارکان نے بالعموم جو مظاہرہ کیا وہ جمہوری معیار کے مطابق پست تھا اور ملکی نقطۂ نگاہ سے خطرناک۔ انہوں نے مسودہ قانون کو پیش ہونے سے روکنے اور پیش ہونے کے بعد اس کی منظوری میں تاخیر پیدا کرانے کے لئے جو اچھے حربے

نہ ہمارے بار بار کے چیلنج کے باوجود کوئی شخص اس سوال کا جواب نہیں دے سکا کہ اگر احادیث دین کا جزو تھیں تو رسول اللہؐ نے اپنی احادیث کا ایک مستند مجموعہ مرتب فرما کر امت کو کیوں نہ دیا۔

اختیار کئے ان سے انہوں نے اپنا وقار کھویا، جمہوریت کو بدنام کیا اور ملک کی سالمیت و استحکام کو صدمہ پہنچانے کی مذموم کوشش کی۔ اگر ان نام نہاد مخالفین کو اصول وحدت پر اعتراض ہوتا تو جو کچھ انہوں نے کیا وہ حق بجانب ہوتا یا نہ کم از کم اتنا تو کہا جا سکتا کہ وہ سرے سے اس اصول ہی کے مخالف ہیں اس لئے واہی تباہی کہے جا رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی اصول وحدت کی مخالفت نہیں کی اس کے باوجود وہ مسودے کی مخالفت کرتے رہے۔ اس دوران میں انہوں نے اس علاقائی اور صوبائی ذہنیت کا خوب ہی مظاہرہ کیا جس کو ختم کرنے کے ارادے سے مغربی پاکستان میں غیر نظری حدبندیاں ختم کی جا رہی ہیں اگر وحدتِ مغرب کی ممکنات کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو حزبِ اختلاف کے صوبائیت میں ڈوبے ہوئے کردار کے پیش نظر ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحدت کو جلد از جلد حقیقت ثابتہ بن جانا چاہیئے کیونکہ وحدت ہی سے اس ذہنیت کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

مقامِ تشکر ہے کہ ان پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہیں جا سکا اور اب اس شمع کی ضیا پاشیوں کے لئے انجمن آراستہ ہو رہی ہے۔ اس مسودے کی منظوری مجلس دستور ساز کا ایک کارنامہ ہے جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہی نہیں رہے گا بلکہ اسے باعتبار اہمیت قیامِ پاکستان کے بعد سرِ فہرست رکھا جائے گا۔ یہ دو انقلابات یعنی قیامِ پاکستان اور وحدتِ مغرب، جن ممکنات کے حامل ہیں ان کا کما حقہٗ احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو قدرتی ہے اور وہ یہ کہ ہم خود اس انقلاب سے متاثر ہیں اور اس سے گزر رہے ہیں، اور دوسری افسوسناک وجہ یہ ہے کہ ہم میں بالعموم اس شعور کا فقدان ہے جو نگاہ کے سامنے سے گوناگوں پردے ہٹا کر اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ درونِ شاخ پیچ و تاب کھانے والے پھولوں کو دیکھ سکے یہ مستقبل کو بھانپنے کے لئے ہمیں ماضی پر نگاہ ڈالنی ہوگی۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ذرا تقسیم سے پیشتر کے عشرے کو دیکھئے جسے تحریکِ پاکستان کا دور کہنا موزوں ہوگا۔ مطالبہ پاکستان کی اساس اس دعوے پر استوار تھی کہ مسلمان بحیثیت مسلمان ایک ایسی ملت واحدہ ہیں جو جغرافیائی اور نسلی حدبندیوں میں منقسم نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ مدراس سے پشاور اور آسام سے بلوچستان تک کے مسلمانوں نے بیک آواز اس دعوت پر لبیک کہی تھی۔ اسی اساس کا نتیجہ تھا کہ جب پاکستان بنا، پنجاب، بنگال اور آسام تین صوبے آبادی کی بنا پر بٹ گئے اگر تحریکِ پاکستان کی بنیاد علاقائی یا صوبائی ہوتی تو یہ مطالبہ علاقوں اور صوبوں کی طرف سے ہوتا اور متعلقہ صوبوں کے علاوہ کوئی اور اس کا مؤید نہ ہوتا۔ لیکن جب پاکستان قائم ہوا تو پاکستانی شعور کما ینبغی ابھر نہ سکے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بجائے صوبائی تلہذا غیر پاکستانی میلانات و عواطف ابھرنے شروع ہو گئے۔ اس

ملت کی اسلامی اساس نظروں سے اوجھل ہو گئی اور صوبے ملت پر مقدم ہو گئے۔ یہ اس کا افسوسناک مظاہرہ تھا کہ وحدتِ مغرب پر یہ اعتراض ہوا کہ اس سے فلاں حصہ فلاں حصوں پر غالب آ جائے گا۔ نیز یہ بھی کہ بنگال کا نام مشرقی پاکستان نہ رکھا جائے کیونکہ نام کی تبدیلی سے "بنگالی" روایات ختم ہو جائیں گی۔ یہ فلاں ابن فلاں کے امتیازات پاکستان کے تصور ہی کے منافی نہیں ملکی سالمیت کے لئے بھی خطرہ ہیں۔ لیکن اس خطرے کو وہی بھانپ سکتا ہے جس کی نگاہیں سامنے افق پر ہوں نہ کہ وہ جن کی نگاہیں خاکِ راہ میں کھوئی ہوئی ہوں جیسے بدبختی سے ہمارے بعض اربابِ سیاست کی ہیں۔

ان حالات میں وحدت کے مسودے کا منظور ہو جانا اس کی شہادت ہے کہ روحِ پاکستان جو صوبائیت کے ہاتھوں کچلی جا رہی تھی سنبھلنا شروع ہو گئی ہے۔ یہ گویا تمہید ہے پاکستان کی حیاتِ نو کی۔ معرکہ وحدت معرکہ پاکستان سے کسی طور پر کم نہیں۔ آج یہ معرکہ سر ہو رہا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا رخ تحریک کے مقاصد اور پیشِ نہاد کی طرف مڑ رہا ہے۔ گویا تحریکِ پاکستان کی شاخ میں اب برگ و بار آنا شروع ہوا ہے۔ ملتِ اسلامیہ پاکستان کے لئے یہ نویدِ جانفزا ہے۔ مستحقِ ہزار تبریک ہیں وہ جنہوں نے ممکنات زندگی کی نمود کے یہ سامان بہم پہنچائے۔ اور کاروانِ ملت کو اپنے کعبہ مقصود کی طرف جادہ پیمائی کا موقعہ مہیا کیا۔ ان کے برعکس جنہوں نے اس انقلاب کے دھارے کے آگے بند باندھنے کی نامسعود کوشش کی۔ ان کو ہم مستقبل کے حوالے کرتے ہیں، جب ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا یہ بند باندھنے والے تو موجود نہیں ہونگے لیکن نتائج ان پر واضح کر دیں گے کہ ان کی مخالفت ملت کو کس طرف لے جاتی۔

پاکستان زندگی کی جو نئی کروٹ لینے والا ہے۔ وہ کارکنانِ قضا و قدر کی طرف سے ایک عظیم الشان موقع ہے (لنظر کیف تعملون کا تاکہ دیکھا جائے کہ ہمارا عمل کیسا ہوتا ہے؟) قومی زندگی کے پورے آٹھ سال ہم نے ٹامک ٹوئیے مارنے میں صرف کر دیئے۔ کبھی یہاں گر پڑتے ہیں، کبھی وہاں غلطاں و پیچاں۔ نہ ملک کا ہوش۔ نہ ملت کی پروا۔ اگر خیال تھا تو صرف اس قدر کہ شخصی تفوق اور ذاتی برتری کا کوئی موقعہ بھلایا نہ جائے۔ عام اس سے کہ اس سے ملی مفاد کو کتنا ہی صدمہ کیوں نہ پہنچا ہو۔ پاکستان کے لئے یہ بڑا جانگسل دور تھا۔ اس سے بچ نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے سوتے بالکل خشک نہیں ہو گئے۔ بلکہ وہ پھر جاری ہوتے جاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ دوسرا موقعہ ہے جو قدرت نے ہم کو عطا کیا ہے۔ پہلا موقع قیامِ پاکستان کا تھا۔ جس کا کم سے کم فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اگر وحدتِ مغرب کا فیصلہ نہ ہوتا تو بلاشائبہ تردید کہا جا سکتا تھا کہ قدرت نے قیامِ پاکستان کی صورت میں جو عظیم الشان موقع ہمیں عطا کیا تھا۔ اسے ہم نے ضائع کر دیا۔ اب جب کہ یہ دوسرا موقع ہمیں ملا ہے تو ہم پر یہ لازم آ جاتا ہے کہ ہم اس کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تعمیری صلاحیتوں

کو مکمل طور پر بروئے کار لائیں۔ اب عمل کا جو وسیع میدان قدرت نے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس میں موافقین و مخالفین کی کوئی تمیز نہیں ہونی چاہیئے۔ روحِ پاکستان اگر اول الذکر کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے تو آخر کو پوری فراخ حوصلگی سے معاف کرتی ہے اور دونوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اس خالی جبین پر اپنے قلم سے اپنی سرگزشت لکھیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر لیں جو تحریکِ پاکستان سے ہم نے اپنے ذمے لئے تھے۔ زندگی کی اس نئی وادی میں ہمیں ایک ایک فردِ ملت کے تعاون اور عملی تعامل کی ضرورت ہوگی۔ جو شخص بھی اس کاروانِ حیات کا ساتھ دیگا۔ وہ واجب الاحترام ہوگا۔ عام اس سے کہ اس کا ماضی کیسا رہا ہے کیونکہ معیارِ تکریم وہ عمل ہوگا۔ جو ان سے ظہور پذیر ہوگا۔ لہٰذا ہم مخالفین وحدت سے التجا کرتے ہیں کہ وہ اب بھی شخصی میلانات سے کنارہ کش ہو جائیں اور اسے اچھی طرح جان لیں کہ ان کے عمل کا نتیجہ ان تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کا اثر ان نسلوں پر بھی پڑے گا۔ جو ابھی آغوشِ مستقبل میں پنہاں ہیں۔ اور ان کے بعد امورِ پاکستان کے انصرام و اہتمام کی ذمہ دار ہوں گی۔ ہمیں چاہیئے کہ ان کے لئے بہتر سے بہتر ترکہ چھوڑ کے جائیں۔ بقول اقبال ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر اپنا عمل غافل اگر دفتر میں ہے

زندہ قوموں کی ہر گھڑی محشر کی ہوتی ہے۔ وہ کبھی سستا نہیں سکتیں۔ اور ہر دم رواں دواں منزلِ مقصود کی جانب بڑھے چلی جاتی ہیں۔

فطرت کے اشارے

سیلاب ہمارے لئے مستقل وبال بن گئے ہیں۔ یہ تقریباً ہر سال آتے ہیں اور معیشت کو درہم برہم کر جاتے ہیں۔ پچھلے سیلابوں کے عواقب سے نجات ہنوز نہیں ملی تھی کہ اب کے برسات پر کم و بیش سارے ملک کو جل تھل کر گیا۔ اس طغیانی آب سے ملک کو کتنا نقصان پہنچا اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔ البتہ کچھ تخمینے لگائے جا سکتے ہیں جن سے پتہ چل سکتا ہے کہ اس نشتر کی زد کہاں تک پڑتی ہے۔ سندھ کے صرف دو ضلعوں لاڑکانہ اور دادو میں ساٹھ ہزار باشندے بے خانماں ہو گئے بیسیوں دیہات دس سے بارہ فٹ پانی میں ڈوب گئے اور کوئی پچیس ہزار ایکڑ زرخیز زمین برباد ہو گئی۔ اس سے حقیقی نقصان کی پوری تصویر سامنے نہیں آتی لیکن تصویر کا تصور ضرور ہو سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے اعداد و شمار زیادہ واضح ہیں۔ مالی نقصان کا اندازہ ۳۲ کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔ وہاں سیلاب کی گیرائی سندھ سے کہیں زیادہ تھی۔ اس کی زد میں ۱۷ میں سے ۱۴ ضلعے تھے اور پورے صوبے کی کوئی نصف یعنی دو کروڑ کے قریب آبادی۔ ابھی پنجاب اور سرحد کے نقصانات کا تخمینہ نہیں سامنے آیا۔ گو وہاں کا سیلاب مقابلۃً کم تشویشناک تھا۔ یہ نقصانات یقیناً ایسے نہیں کہ انہیں

پاکستان جیسا غریب ملک برداشت کر سکے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ یہ سوچا جائے کہ اس صورت حال کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ اس کا علاج یقیناً ممکن ہے کہ کئی قوموں نے اسے کامیابی سے آزمایا ہے۔

یہ سالانہ سیلابی حملے ہمارے لئے دو طرح کے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ ایک ہنگامی دوسرے مستقل۔ ہنگامی طور پر متعدد امور کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔ مثلاً ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ زیادہ بارشیں ہوں اور دریا چڑھنے شروع ہو جائیں تو متعلقہ علاقوں کو خبردار کرکے ان کے فوری تحفظ کی صورتیں اختیار کی جائیں۔ دوسرے جب پانی سر سے گزر جائے اور اس سے کوئی مفرنہ ہو تو متاثر علاقوں کو ضروری امداد فی الفور پہنچائی جائے۔ یہ امداد خوراک، کپڑوں اور دوائیوں کی فراہمی کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کے لئے ظاہر ہے کہ پیسہ بھی درکار ہوتا ہے اور ایسی تنظیموں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو ان کاموں کو منظم طریق سے سنبھال لیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں دونوں چیزوں کی کمی ہے۔ ہر ایسے موقعہ پر بھاگ دوڑ کرکے روپیہ جمع کرنا پڑتا ہے اور روپیہ فراہم ہو چکتا ہے تو ایسے آدمی نہیں ملتے جو اس خدمت کا جذبہ بھی رکھتے ہوں اور انہیں اس کا تجربہ بھی ہو۔ یہ غنیمت ہے کہ ہماری فوج ایسے موقعوں پر کام آجاتی ہے۔ لیکن اگر ہمارے ہاں خدمت خلق کے لئے ادارے موجود ہوں تو خدمت کا سلسلہ فی الفور شروع کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی کمی ہے جو ہمیں آفات و حوادث کے وقت بیچارہ سا بنادیتی ہے اور ہمارے نقصان جان و مال میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ اگر اب بھی اس نکتہ کو سمجھ لیا جائے اور ایسی تنظیمیں قائم کرلی جائیں تو ملک کو بہت سے غیر ضروری مصائب سے بچایا جا سکتا ہے۔

ان ہنگامی امور کے ساتھ ساتھ اہم مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ جو بات زدہ خانماں برباد ہو گئے ہیں انہیں بحال کیا جائے۔ اس کے لئے پھر جذبۂ خدمت، پیسے اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی کچھ ہمارے ہاں مفقود ہے۔ اس کمی کو حکومت پورا کرنے کی کوشش تو کرتی ہے لیکن محدود وسائل کی بنا پر وہ اس کے تقاضوں سے بطریق احسن عہدہ برا نہیں ہو سکتی۔ اس کا صحیح علاج یہی ہے کہ پوری کی پوری قوم اس فریضہ کی بجاآوری کو اپنی اجتماعی ذمہ داری سمجھے۔ ایسا اب تک نہیں سمجھا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف حوادث سے ہماری معیشت پر جو کاری زخم لگتے ہیں ان کا پوری طرح اندمال نہیں ہوتا۔

اس کے بعد یہ مستقل سوال سامنے آتا ہے کہ سیلاب کی روک تھام کیسے ہو۔ یہ روک تھام ہونی ضرور چاہیئے کیونکہ ہم اپنی معیشت کو بارش کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ پاکستان کے دریاؤں کا بدقسمتی سے یہ حال ہے کہ وہ مشرق و مغرب دونوں میں ہندوستان کی طرف سے آتے ہیں۔ اسی سے پاکستان کے لئے کشمیر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب تک کشمیر پاکستان کے ساتھ نہیں مل جاتا اس مسئلے کا حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک یہ قضیہ موجود ہے پاکستان اور ہندوستان میں تعاون کی وہ شکل پیدا نہیں ہو سکتی جو سیلاب کی روک تھام کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے وزیر اعظم چودھری محمد علی صاحب نے دورِ بمبئی سے کام لیتے ہوئے ہندوستان کو دعوت دیدی ہے کہ وہ اس بلا کا تدارک کرنے میں پاکستان سے تعاون کرے۔ ان مذاکرات کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بحالات موجودہ ہندوستان پورے خلوص سے پاکستان کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ ایسا کرنے میں اُس کا بھی فائدہ ہے لیکن وہ یہ کہاں گوارا کر سکتا ہے کہ پاکستان کو بھی فائدہ پہنچے۔

ان حالات میں سیلاب فطرت کے ایسے اشارات ثابت ہو سکتے ہیں جن کو سمجھنے سے ہم اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں کیونکہ ان اشاروں کو سمجھنے کے لئے جب شعور اور جرأت کار کی ضرورت ہوتی ہے جب اُن سے قومیں آشنا ہو جاتی ہیں تو اُن کی حیات قومی کے مظاہر محیر العقول ہو جاتے ہیں +

اعجاز القرآن

علامہ تمنا عمادی کی یہ کتاب وہی ہے جس کی چند قسطیں ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع کی گئی تھیں۔ لیکن بوجہ قلت گنجائش طلوع اسلام کے صفحات پر اس کو شائع نہیں کیا جا سکا تھا۔ ناظرین کے مسلسل اصرار کے ماتحت اب اس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ کتاب (۲۰×۳۰) کے ایک سو بارہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (علاوہ محصول ڈاک)

مطبوعات طلوع اسلام کی
شرائط ایجنسی
شرح کمیشن

معراج انسانیت ——— ۲۵ فی صدی
دیگر مطبوعات ——— ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائے گی۔
۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔
۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔
۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

خط و کتابت کرتے وقت
اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دیجئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیز ڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گردپوش۔ قیمت پندرہ روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۰ صفحات ——— قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستور پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۳۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روز مرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۳۰۰ صفحات ——— قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہو کہ ہمارا مرض کیا ہے؟ اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات میں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۷۰ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتب مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

اب تو ہی بتا تیرا مسلماں کدھر جائے

ہندوستان میں بیچارے بے کس و بے بس مسلمانوں پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کی پوری داستان خونچکاں تو ہمارے سامنے نہیں آسکتی۔ لیکن وہاں کے بعض اخبارات میں جو اکا دکا واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں انہیں پڑھ کر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ مثلاً کانگرسی جمعیت العلماء کے اخبار، الجمعیت نے حال ہی میں اپنے ایک مقالہ افتتاحیہ میں یہ لکھا ہے کہ راجستان میں پولیس مسلمانوں کو بُری طرح ہراساں کر رہی ہے۔ مسلم شہریوں کو تھانوں میں بلایا جاتا ہے اور وہاں مارپیٹ کے بعد ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان چلے جائیں۔ چنانچہ ایک حاجی کو تھانہ میں اتنا مارا کہ وہ بیچارہ وہیں مر گیا۔

انہی واقعات سے متاثر ہو کر بھارت سے ایک دردمند مسلمان نے ہمیں لکھا ہے کہ

> کیا آپ کو اپنے پڑوس میں اس ملک کا بھی علم ہے جہاں تقریباً تین کروڑ مسلمان جانوروں سے بدتر غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں! ان کی قیمت مکھی کے برابر بھی نہیں۔ ان کا خون جانور کے خون سے بھی سستا ہے۔ کاغذ پر دنیا کو دھوکا دینے کے لئے برابر کے حقوق دیئے گئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی کوئی آواز نہیں۔ انہیں ہر طرح ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔ ان کی زبان تہذیب اور تمدن کو مٹایا جا رہا ہے۔ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے ان کو مرتد بنایا جا رہا ہے۔ غرضیکہ ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں۔ کیا اس سلسلہ میں آپ لوگوں پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی؟

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اندازہ اس سے بھی لگ سکتا ہے کہ وہاں کے ہندو، اور تو اور سکھوں کو بھی اپنوں میں سے نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اس سے پہلے سکھ اور ہندو ایک ہی شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس باب میں دلی سے شائع ہونے والے اخبار ریاست کا حسب ذیل تبصرہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے

> اکتالیس برس پہلے پنجاب کا ایک ہندو بھی ایسا نہ تھا جو سکھ گورو صاحبان کو اپنا رہنما تسلیم نہ کرتا ہو۔ ہندوؤں کی آبادی کی اکثریت ہر روز صبح گوردواروں میں جاتی تھی۔ سکھوں سے اپنے حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا اور ہندوؤں اور سکھوں کے درمیان رشتے ناطے ہوتے تھے، مگر پچھلے اکتالیس برس کے بعد آج کیفیت یہ ہے کہ آپ کو ایک ہندو بھی ایسا نہ ملے گا جو اکالی تحریک کی غلط اور ایجی ٹیشن ہند روش کے باعث سکھوں کا دشمن نہ ہو، شاید ہی کوئی ہندو ایسا ہوگا جو کبھی کسی گوردوارے میں نظر آئے، ہندوؤں اور سکھوں کے درمیان رشتے ناطے قطعی ختم ہو چکے ہیں۔ اور پنجاب میں حالت یہ ہے کہ اکالی تو "دھوتی ٹوپی جمنا پار" اور ہندو "استرا قینچی ہے تیار" کے شرمناک نعرے لگا رہے ہیں۔"
>
> (بحوالہ الجمعیتہ ۲۷ جولائی)

آپ سوچئے کہ جہاں سکھوں کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہو وہاں ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا؟ جہاں تک ہندوستان کے مسلمانوں کی اجتماعیت کا تعلق ہے انہوں نے تقسیم کے بعد اپنے ہاں کی مسلم لیگ کو زندہ رکھا تھا لیکن اب اس جماعت نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ کانگریس میں شامل ہو جائے گی۔ آل انڈیا مسلم جماعت کے نام سے ایک اور اجتماعی ادارہ کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن اس کے کارکنوں کے خلاف جو سختیاں ہوئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیچاری نے بھی دم توڑ دیا ہے۔ لہٰذا اب وہاں کوئی اجتماعی ادارہ ایسا نہیں جو وہاں کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے زبان تک کھول سکے۔ وہاں کے مذہبی رہنما (یعنی علماء کی جماعت) شروع ہی سے متحدہ قومیت کی حامی اور کانگرس کی غاشیہ بردار چلی آرہی ہے۔ اس لئے ان کے ہاتھوں مسلمانوں کی جس قدر حفاظت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اس باب میں اس خط کا دوسرا حصہ قابل ملاحظہ ہے جس کے پہلے حصہ کا اقتباس اوپر دیا جا چکا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ

> امام غزالی نے ملاؤں کو شیطان کا ایجنٹ لکھا ہے۔ واقعی یہ گروہ امپیریلزم کی پیداوار ہے۔ ہر زمانہ میں امپیریلزم نے اس کو اپنا ایجنٹ بنایا چنانچہ آج کل لدھیانہ کا ایک مُلا امپیریلزم کے پروپیگنڈہ کے لئے اسلامی ممالک میں بھیجا گیا ہے آپ نے طلوع اسلام میں اس کا ذکر کیا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ مسلمانوں کا صحیح حال ممالک اسلامیہ کے سامنے پیش کریں اور ان دین فروش اور ضمیر فروش ملاؤں کی قلعی کھولیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ کی ایک ہی صورت تھی یعنی پاکستان کا ایک طاقتور مملکت بن جانا۔ لیکن افسوس کہ یہ چیز ہمیں اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ جونا گڑھ، مانادور، مانگرول اور حیدر آباد جیسی ریاستیں دیکھتے ہی دیکھتے ہندوؤں کے قبضہ میں چلی گئیں اور کشمیر ان کے پنجۂ استبداد میں اس بُری طرح سے جکڑا ہوا ہے۔ بھارت کا سلطان تو ایک طرف، انہوں نے اہل پاکستان کا پانی تک بند کر رکھا ہے۔ لہٰذا جب ہماری اپنی حالت یہ ہے تو ہم ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کو کیا سہارا دے سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے مسئلہ کا ایک ہی حل ہے جسے طلوع اسلام اس سے پہلے بھی پیش کر چکا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیا جائے اور بین المملکتی تصفیہ کی رُو سے ایسا انتظام کیا جائے کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں میں سے جو لوگ پاکستان کی طرف آنا چاہیں ان کے لئے ہندوستان سے قطعۂ زمین لے کر پاکستان کے ساتھ شامل کر لیا جائے اور اس طرح انتقال آبادی سے اس مستقل مصیبت کو ختم کر دیا جائے۔ اس وقت ہو یہ رہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو تنگ کر کے اور ان کا سب کچھ چھین کر انہیں پاکستان کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔ اور ان کی وجہ سے پاکستان کی کمر ٹوٹ رہی ہے۔ اگر اس سلسلۂ درآمد کو بین الاقوامی تصفیہ کے ذریعہ آئینی حیثیت دیدی جائے تو ان لوگوں کی آبادی کے لئے ہم کم از کم ہندوستان سے زمین تو لے سکیں گے۔ ضرورت ہے کہ ملک کا حساس طبقہ اس سوال کے متعلق پوری توجہ سے سلسلہ جنبانی کرے تاکہ حکومت اس کی طرف اپنی پوری توجہ دے سکے۔

بزمِ طلوعِ اسلام

کراچی کراچی سے مسٹر رشید احمد صاحب ملاگن بلڈنگ موہن روڈ کراچی ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء کے تمام پرچے کسی بزم طلوع اسلام کو مفت دینے کی پیش کش کرتے ہیں۔ البتہ محصول ڈاک اس بزم کے ذمہ ہوگا جو یہ رسالے طلب کرے۔

لائل پور طفیل محمد خاں صاحب جمعدار ریلوے کوارٹر C-67 متصل اسٹور پی ڈبلیو آئی۔ ریلوے اسٹیشن لائل پور۔ تحریر فرماتے ہیں کہ لائلپور کے قارئین طلوع اسلام ان سے تشکیل بزم طلوع اسلام کے سلسلہ میں ان سے رابطہ پیدا فرمائیں۔

اسلامی معاشرت

از پرویز

قیمت ——— دو روپے

اسلام کی سرگزشت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ اور اس کے مظاہر سے بحث کر لینے کے بعد گزشتہ اشاعت میں لفظ اسلام اور مسلم کے معانی بتائے گئے تھے کہ عربی زبان میں یہ کن کن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلام اور مسلم کے اصطلاحی معنی اور اسلام کی موٹی موٹی اور بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

عیسیٰ نے جب اپنی قوم سے کفر کو محسوس کیا تو انہوں نے پکارا کہ خدا کے قانون کو قائم کرنے میں کون لوگ میرے مددگار ہوتے ہیں؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے قانون کے مددگار بنتے ہیں۔ ہم خدا پر ایمان لائے اور گواہ رہئے کہ ہم (مُسْلِمُوْنَ) مطیع و فرمانبردار ہیں۔

پھر یہ لفظ خصوصیت سے اس دین پر استعمال ہونے لگا جو محمد صلعم لائے تھے چنانچہ اس آیت میں انہی معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کر دیا اور نظام زندگی کے اعتبار سے اِسْلَام کو تمہارے لئے پسندیدہ دین قرار دے دیا۔

دوسری جگہ ہے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (جو اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام زندگی تلاش کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔)

لہٰذا اس اِسْلَام کا مفہوم خدا کے سامنے خضوع و اطاعت اور اس کے قوانین کی پیروی اور فرمانبرداری ہے۔ غالباً عقلیت جاہلیہ کے برخلاف جو حمیت اور تعصب کا ایک مجموعہ تھی اِسْلَام کا نام ہی مناسب ترین نام ہو سکتا تھا۔

※

اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دو قسم کی تعلیمات ملتی ہیں۔ عقائد سے متعلق۔ اور اعمال سے متعلق۔ قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت ان تعلیمات کے اہم ترین حصہ پر مشتمل ہے جہاں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ، الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ يُوْقِنُوْنَ ○

یہ کتاب (قرآن) ہر قسم کے ریب و شک سے بلند ہے۔ ان لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے جو اپنی زندگی کو خدا کے قوانین سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہوں اور ان دیکھے نتائج پر یقین رکھتے ہوں۔ نظام صلوٰۃ کو قائم کرتے ہوں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے (اسے مفاد عامہ کے لئے) کھلا رکھتے ہوں۔ جو اس کتاب پر بھی یقین رکھتے ہوں جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے (دیگر انبیاء پر) اتاری گئی تھیں اور (ساتھ ہی) آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہوں۔

ان امور کو ہم قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے جو اس آیت میں مذکور ہوئے ہیں۔

عقائد

اسلام کی بنیادوں میں سے اہم ترین بنیاد "خدا کا اعتقاد" ہے خدا کا اعتقاد یوں تو تقریباً دنیا کی تمام قوموں میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی قوم ایسی نہیں ملتی خواہ وہ متمدن ہو یا خانہ بدوش کہ خدا کے اعتقاد سے خالی ہو۔ لیکن الوہیت کے نظریہ اور اللہ کے اوصاف کے بارہ میں دنیا کی اقوام میں بڑا ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسلام نے جو خدا کے اوصاف بیان کئے ہیں انہیں ہم قرآنی آیات کے مطابق مختصراً یوں بیان کر سکتے ہیں کہ وہ کسی قبیلہ کا اِلٰہ نہیں ہے نہ ہی تنہا قوم عرب کا خدا ہے۔ نیز وہ صرف نوع انسانی ہی کا خدا نہیں ہے بلکہ وہ ہر چیز کا اِلٰہ ہے۔ وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ ہر موجود چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے امر کے سامنے سربسجود ہے۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ اللہ ہی وہ ہستی ہے جس نے تمہارے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کی ہیں جو پستیوں میں موجود ہیں الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا وہ خدا جس نے بلندیوں اور پستیوں کو پیدا کیا اور ان کے درمیان جس قدر چیزیں ہیں ان سب کو بھی پیدا کیا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اللہ جو تمہاری ربوبیت کرنے والا بھی ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کی بھی۔

مظاہر کائنات کی ہر چیز اس سے صادر ہوئی ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ خدا وہ ہے جس نے سمندروں تک کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ اور اس نے زمین میں ایسی میخیں لگا دی ہیں کہ وہ تمہیں لے کر ادھر سے ادھر کو لڑھک نہیں سکتی۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ خدا وہ ہے جس نے بلندیوں کو تم پر بغیر کسی ستون کے جو تمہیں نظر آ رہا ہو بلند کر رکھا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ خدا ہی کی وہ ہستی ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت و خوشخبری دینے کیلئے ہوائیں بھیجتا ہے۔

صوبہ سرحد کی واحد مؤثر آواز

روزنامہ شہباز پشاور

اگر آپ صوبہ سرحد اور قبائل کے حالات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں اور سیاسی حالات کے پس منظر سے آگاہی چاہتے ہیں تو "شہباز" کا مطالعہ کریں۔

یہی وُہ روزنامہ ہے

جس کے پاس سرحد میں ٹیلی پرنٹر سروس ہے اے۔پی۔پی۔ رائٹر۔ ای۔پی اے، اور اپنے نامہ نگاروں کی خصوصی خبریں شائع کرتا ہے۔ اور باتصویر ہفت روزہ ایڈیشن شائع کرتا ہے

کراچی میں شہباز

طاہر بک ڈپو

ٹرام جنکشن۔ صدر روڈ کراچی سے دستیاب ہو سکتا ہے

سلیم کے نام

(پرویز)

اسے میرے بھائی! برا ماننے کی کوئی بات نہیں کہ میں نے طاہرہ کے خط کا جواب پہلے دیا اور تمہارے خط کا جواب بعد میں دے رہا ہوں۔ بات صاف ہے اور اس میں مجھے کسی اخفاء کی ضرورت نہیں کہ جب بھی بیٹی اور بیٹے میں موازنہ ہوگا تو میری میزان میں بیٹی کا پلڑا ہمیشہ جھکیگا۔ اسے تم جذبات کہکر اپنے دل کو تسکین دے لو تو اور بات ہے۔ ورنہ میرے نزدیک تو یہ زندگی کی اٹل حقیقت ہے کہ

از اموست پختہ تر تعمیر ما   درخط سیمائے او تقدیر ما

جو بات تم نے پوچھی ہے اس تک پہنچنے سے پہلے اگر تم قرآن کی دو آیتوں کو سامنے لے آؤ تو مسئلہ بہت آسان ہو جائے گا۔ سورۂ ابراہیم کی پہلی آیت یہ ہے کہ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (۱۴/۱) یہ قرآن ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ اس کے ذریعے تو نوعِ انسان کو ظلمت (تاریکیوں) سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لے آئے (اور) ان کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق انھیں زندگی کے اس توازن بدوش راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال، غلبہ و قوت، اور حسن و تزئین سب کچھ عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ اس خدا کی طرف لے جانے والا راستہ ہے جو ان تمام صفات کا مالک ہے۔ اس آیۂ جلیلہ میں قرآن کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے ذریعے نوعِ انسانی ظلمت سے نور کی طرف آسکتی ہے۔ اس میں لفظ ظلمات (تاریکیاں) جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ جس سے مراد ہر قسم کی تاریکیاں ہیں۔ عقائد و تصورات کی تاریکیاں۔ رسوم و مناسک کی تاریکیاں۔ تمدن و معاشرت کی تاریکیاں۔ سیاست و معیشت کی تاریکیاں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے کی تاریکی سے روشنی کی طرف لے آنے والی کتاب۔ ان تاریکیوں کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں دی گئی ہے لیکن خود اسی سورہ میں تین ہی آیات کے بعد ایک ایسا ٹکڑہ آتا ہے۔ جس نے ساری بات کو واضح کر کے رکھ دیا ہے اور نکھار کر کھا رہا ہے کہ ظلمات کسے کہتے ہیں اور نور کیا ہوتا ہے فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۱۴/۵) ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام و قوانین دے کر بھیجا۔ اور اس سے کہا کہ وہ ان کے ذریعہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ قرآن کی اس آیت نے خود بتا دیا کہ قوموں کی زندگی میں ظلمات کسے کہتے ہیں اور وہ نور کی وادی میں کس طرح داخل ہوتی ہیں۔ فرعون کی محکومیت میں قوم بنی اسرائیل جس قسم کی زندگی بسر کر رہی تھی اسے ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کہ اس دور میں بنی اسرائیل کی حالت کیا تھی۔ تورات اور قرآن دونوں میں اس داستانِ دردانگیز کی تفاصیل ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰ ضابطۂ خداوندی کے مطابق اس قوم کو فرعون کی محکومیت سے نکال کر بیت المقدس کی ان وادیوں میں لے آئے۔ جہاں ان کے اور ان کے خدا کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ تھی اور جہاں انھیں اس امر کی پوری پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے خدا کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اسی کو قرآن نے نور سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت موسیٰ ایک قوم (بنی اسرائیل) کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کے متعلق کہا ہے کہ ان کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ قرآن کے ذریعے پوری کی پوری نوعِ انسانی کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں گے۔ یعنی جو قومیں قرآن کا اتباع کریں گی وہ دنیا میں ہر قسم کی غلامی سے نجات حاصل کر کے ایسی آزادی کی نورانی منزل میں پہنچ جائیں گی جہاں ان پر صرف ان کے خدا کی قوانین کی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ کا عملی تجربہ نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔ آپ نے اپنی قوم کی تربیت قرآن کی روشنی میں کی اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ قوم کس طرح ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آگئی۔ یہ کچھ کیسے ہوا تھا؟ قرآن اور تاریخ میں اس کی تفاصیل موجود ہیں۔ ان کا ماحصل یہی ہے کہ محمد رسول اللہ والذین معہٗ نے اپنے یقینِ محکم اور عملِ پیہم سے باطل کی ہر قوت کا مقابلہ کیا۔ اور اسے شکست دے کر فاتح و منصور آگے بڑھتے چلے گئے تا آنکہ عہدِ جاہلیت کی تمام انسان ساز تاریکیاں ایک ایک کر کے چھٹ گئیں اور زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھی۔ اس جہادِ مسلسل میں قوانینِ خداوندی کی تائید و نصرت اس جماعت کے ساتھ تھی۔ یعنی جب ان کا ہر قدم اس قانون کے مطابق اٹھتا تھا تو اس قانون کی اتباع سے جس قدر درخشندہ نتائج مرتب ہونے تھے۔ وہ سب مرتب ہوتے چلے جاتے تھے۔ قرآن میں یہ بھی بتایا ہے کہ جو قوم قوانینِ خداوندی کے مطابق چلتی ہے کائناتی قوتیں (جنھیں قرآن ملائکہ کہکر پکارتا ہے) بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ کائناتی قوتوں میں کچھ تو وہ ہیں جو طبعی دنیا سے متعلق ہیں۔ اور جن کی تسخیر سے انسان حدود فراموش قوتیں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ کچھ قوتیں اس کی نفسیاتی دنیا سے متعلق ہیں قانونِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے یہ قوتیں بھی انسان کا ساتھ دیتی ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا سینہ متضاد قوتوں (CONTRADICTIONS) کی رزمگاہ بننے کے بجائے سکون و طمانیت کی جنت بن جاتا ہے۔ تم تو سلیم! علم النفس (PSYCHOLOGY) کے طالب علم ہو۔ اس لئے تم اس حقیقت کو خوب سمجھ سکتے ہو کہ جس انسان کے دل میں تضادات کی کشمکش جاری ہو۔ وہ ہمیشہ وقفِ اضطراب رہتا ہے۔ اور اس کی توانائیاں اسی کشمکش کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص ان تضادات میں توافق پیدا کرلے۔ اس کی تمام توانائیاں۔ اس کے پیشِ نظر مقصد کے حصول میں صرف ہوتی ہیں۔ اسے قرآن ملائکہ کی تائید کہتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ جن لوگوں نے اس حقیقت کا اقرار کر لیا کہ ہماری نشوونما کا مالک اللہ ہے۔ یعنی یہ اسی کے قانونِ ربوبیت کے مطابق مل سکتی ہے۔ اور پھر اس ایمان پر جم کر بیٹھ گئے اس طرح کہ کوئی چیز ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا کر سکے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ان پر ملائکہ کا "نزول" ہوتا ہے اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا جو ان سے آکر کہتے ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ یعنی ملائکہ کے نزول کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل سے خوف و حزن جاتا رہتا ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں (کیونکہ خوف و حزن کا جاتے رہنا تو محض منفی نتیجہ (NEGATIVE RESULT) ہے) بلکہ مثبت (POSITIVE) کامرانیاں اپنی انتہائی درخشندگی و تابناکی سے ان کے سامنے آجاتی ہیں وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۴۱/۳۰) اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اس جنت کی خوشخبری لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (۴۱/۳۱) ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے رفیق و دمساز ہیں اور مستقبل کی زندگی میں بھی۔ یہی تھی ملائکہ کی وہ تائید جو جماعتِ مومنین کو بدر کے میدان میں حاصل ہوئی تھی اور جس کے متعلق سورہ انفال میں ہے اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (۸/۱۲) جب تیرے نشوونما دینے والے نے ملائکہ کو حکم دیا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں تم جماعتِ مومنین کو ثابت قدم رکھو ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے پائے۔ میں ان کے مخالفین کے دل میں ان کا رعب طاری کر دوں گا۔

یہ ہے سلیم! خدا اور ملائکہ کی تائید و نصرت جو جماعتِ مومنین کو حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے جہادِ مسلسل سے "ظلمات سے نور کی طرف آجائیں۔ اسی کو سورہ احزاب کی اس آیت میں جس کا مطلب تم نے دریافت کیا ہے۔ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (۳۳/۴۳) اے جماعتِ مومنین! خدا اور اس کے ملائکہ تم پر اپنی رحمت اور برکت نازل کرتے ہیں۔ ان کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ تاکہ وہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ مومنین پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ وہ ان کی پوری پوری نشوونما کرتا ہے۔ اور ان کی کوششوں کو بھرپور ثمرات سے نوازتا ہے۔ یہ کچھ کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا جواب اس سے پہلی دو آیات میں ہے جہاں کہا کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۳۳/۴۱-۴۲) اے جماعتِ مومنین! تم قوانینِ خداوندی کو ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اس طرح کہ وہ کبھی تمہاری نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ اور اس کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل میں صبح و شام (ہمیشہ اور مسلسل) سرگرم عمل رہو۔ تم ایسا کرو تو اس کے بعد تم دیکھو گے کہ خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید و نصرت کس طرح تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ اور تم کس طرح ظلمات پر قابو پا کر اپنی زندگی کو نورانیت میں لے آتے ہو۔

یہ کچھ تو جماعتِ مومنین کے لئے کہا۔ اور اس چیز کو نبی اکرمؐ کے لئے خصوصیت سے دہرایا جہاں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر برکات و رحمت نازل کرتے ہیں۔ ان کی تائید و نصرت رسول اللہ کے ساتھ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ اے جماعت مومنین! تم بھی ایسا کرو کہ تمہاری تائید ونصرت رسول کے ساتھ رہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں کہا گیا کہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ (۷/۱۵۷) وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لائیں اور عظمت مندانہ انداز سے اس کی تائید ونصرت کریں۔ سورۂ فتح میں ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (۴۸/۹) اب سوال یہ ہے کہ جماعت مومنین صَلُّوْا عَلَیْهِ کا فریضہ ادا کس طرح سے کرے؟ اس کا جواب خود قرآن نے اس مقام پر دیدیا جہاں فرمایا کہ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۳/۵۶) وہ اپنی تائید ونصرت رسول کے ساتھ رکھیں۔ یعنی اس کی کامل اطاعت کریں۔ یہ ہے سلیم! صلوا علیہ کا عملی مفہوم۔ اس مقام پر قرآن نے اطاعت کے لئے سلموا تسلیما کہا ہے۔ اس کی تشریح دوسرے مقام پر اس طرح کردی کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴/۶۵) تیرا نشوونما دینے والا اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان میں کبھی سچے نہیں ہو سکتے۔ جب تک ان کی عملاً یہ حالت نہ ہو کہ اپنے تمام متنازعہ فیہا امور میں تمہیں (اے رسول) حکم بنائیں اور پھر جو تو فیصلہ دے۔ اس کے متعلق اپنے دلوں کے اندر بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں۔ اور اس طرح یہ تیری پوری پوری اطاعت کریں۔ یہ ہے مفہوم سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا۔ اس مقام پر یہ کہا اور سورۂ اعراف کی جس آیت کا ایک حصہ اوپر نقل کیا گیا ہے یعنی عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ اس کا باقی حصہ یہ ہے کہ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ (۷/۱۵۷) مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس رسول کی تائید ونصرت کریں۔ یعنی اس کتاب کی اتباع کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔

اب تم سلیم! ان مختلف ٹکڑوں کو ملاؤ تو بات بالکل صاف ہو جائے گی کہ۔

(۱) رسول اللہ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ حضور قرآن کے ذریعے نوع انسانی کو ظلمت سے نور کی طرف لے آئیں۔ (۱۴/۱)

(۲) ظلمت سے نور کی طرف آنے کا عملی مفہوم وہ ہے جو حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا یعنی اس قوم کو انسانوں کی محکومی سے نکال کر خالص قوانین خداوندی کی اطاعت میں لے آنا (۱۴/۵)

(۳) اللہ اور اس کی کائناتی قوتیں اپنی تائید ونصرت جماعت مومنین کے ساتھ رکھتی ہیں۔ تاکہ وہ ظلمت سے نکل کر نور کی طرف آجائیں۔ (۳۳/۴۳)

(۴) اللہ اور اس کی کائناتی قوتوں کا یہی عمل خود رسول اللہ کے ساتھ بھی ہے (۳۳/۵۶)

(۵) اور مومنین کو خدا کا حکم ہے کہ وہ بھی رسول کے ساتھ یہی طرزِ عمل رکھیں۔ یعنی اپنی تائید ونصرت اس کے ساتھ شامل رکھیں! اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ رسولؐ کی پوری پوری اطاعت کریں۔ (۳۳/۵۶)

(۶) رسولؐ کی اطاعت سے مفہوم قرآن کی اطاعت ہے (۷/۱۵۷)

اس سے تم نے سلیم! سمجھ لیا ہوگا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ایک بہت بڑا عملی پروگرام ہے جس سے مراد ہے جماعت مومنین کی طرف سے پوری پوری اطاعت اور اس سے مقصود یہ ہے کہ یہ جماعت خود بھی ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آجائے۔ اور اس کے بعد تمام نوع انسانی کو نور کی طرف لے آئے۔ ظاہر ہے سلیم! کہ یہ پروگرام چند الفاظ کے دہرا دینے سے تو پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو مسلسل جہاد چاہتا ہے۔

تم نے سلیم! یہ دیکھ لیا ہے کہ سورۂ ابراہیم میں جہاں قرآن کا مقصود یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انسانیت کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کا ذریعہ ہے۔ وہاں اس کی عملی توضیح، حضرت موسیٰ اور قوم بنی اسرائیل کی مثال سے دی گئی ہے (۱۴/۵)، اب تم یہ دیکھو کہ جہاں جماعتِ مومنین سے کہا گیا ہے کہ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۳/۵۶) اس سے اگلی آیت میں ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۳۳/۵۷) جو لوگ اللہ اور رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت میں نعمائے خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہاں سلموا تسلیما کے بالکل برعکس یؤذون آیا ہے۔ لہٰذا خدا اور رسول کو ایذا دینے کے معنی ہیں۔ ان کی سرکشی اور معصیت، عدم اطاعت۔ یہ بعینہٖ وہ چیز ہے جو بنی اسرائیل نے کی تھی۔ چنانچہ چند ہی آیات آگے جا کر اس کی تشریح کردی جہاں فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی (۳۳/۶۹) اے جماعت مومنین، دیکھنا کہیں تم اس قوم کی طرح نہ ہوجانا۔ جس نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔ قوم بنی اسرائیل نے کس کس طرح حضرت موسےٰ کے احکام وہدایات کی نافرمانی کی تھی۔ اس کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں موجود ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سے مراد پوری پوری اطاعت ہی ہے۔

سورۂ احزاب کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جماعت مومنین کو صَلُّوْا عَلَیْهِ کا حکم دیا ہے۔ لیکن سورۂ توبہ میں خود رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ..... وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹/۱۰۳) یعنی جب لوگ اس مقصدِ عظیم کے لئے مال ودولت لے کر آئیں تو ان کی یہ پیشکش قبول کیا کرو۔ اس کے بعد ہے وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ان الفاظ کا مفہوم ظاہر ہے۔ جب کسی جماعت کے افراد اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس حسن کارانہ انداز سے جدوجہد کریں گے تو مرکز جماعت کی زبان پر بے ساختہ تحسین وآفریں کے الفاظ آجائیں گے۔ وہ انہیں شاباش دے گا۔ ان کے حق میں نیک دعائیں مانگے گا۔ ان کے حسن عمل کو سراہے گا۔ اور ان کی پیشکش کو تبریک وتہنیت کے جذبات سے قبول کرے گا۔ قرآن نے اس تمام کیفیت کو صل علیہم کی جامع اصطلاح میں بیان کردیا ہے اور اس کے نفسیاتی کیفیت کا بھی اظہار کردیا ہے اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کہ تیری طرف سے تبریک وتہنیت اور تحسین وآفریں کا اظہار ان کے سکونِ قلب کا باعث ہوگا۔ جماعت کے جانفروش مجاہدین کو جب یہ معلوم ہو کہ ان کے اعمال کو شرف قبولیت عطا ہو رہا ہے۔ ان کا قائد انہیں (APPROVE) کرتا ہے۔ صرف تصویب ہی نہیں بلکہ اس کی تحسین (APPRECIATION) بھی اس کے ساتھ ہے تو اس سے ان کے حوصلے بہت بڑھ جاتے ہیں۔ وہ اور والہانہ انداز سے اپنے فرائض کی تکمیل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے رسول کی وہ صلوٰت جو جماعت کے لئے وجۂ سکون قلب بنتی ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے سلیم! کہ اس حوصلہ افزائی (یا تبریک وتحسین) سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ تم کررہے ہو اسے ہماری تائید (SUPPORT) حاصل ہے۔ ہم اس کام میں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس مفہوم کے پیش نظر بھی جب ہم سورۂ احزاب کی زیر نظر آیات کو دیکھتے ہیں تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ ایک طرف جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ یعنی جس گرمجوشی اور سرفروشی سے تم اس پروگرام کی تکمیل میں مصروف سعی وعمل ہو۔ اسے دیکھ کر ہماری اور کائناتی قوتوں کی زبان پر بے ساختہ تہنیت وتبریک اور تحسین وآفریں کے الفاظ آجاتے ہیں ہم تمہارے اس عمل کو بےحد پسند کرتے ہیں۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ ہماری تائید تمہارے ساتھ ہے۔ دوسری طرف خود رسول اللہ کے متعلق فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ اس مقصد کے حصول میں خود رسولؐ بھی جس مجاہدانہ سعی وعمل کا مظاہرہ کررہا ہے اس سے خدا اور اس کی کائناتی قوتیں اس پر تہنیت وتبریک کے پھول برساتی ہیں۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اسے ہماری پوری پوری تائید حاصل ہے۔ اس کے بعد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ اے جماعتِ مومنین! اس رسول کی اس جدوجہد پر تم بھی غلغلہ ہائے تبریک وتحسین بلند کرو اور اس طرح اسے بتا دو کہ تمہاری تائید بھی اس کے ساتھ ہے لیکن اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۳/۵۶) تم اس کا پورا پورا ساتھ دو اور اس کی کامل اطاعت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ظلمت سے نور کی طرف آجاؤ گے۔

تم نے دیکھ لیا سلیم! کہ دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی ہے یعنی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۳/۵۶)

مجاہدانہ سعی وعمل اور جانفروشانہ طاعت وفرماں پذیری کا ایک عملی پروگرام ہے پڑھنے پڑھانے کی بات نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو سلیم! کہ خدا کی کتاب جماعت مومنین کو کچھ کرنے کا پروگرام دینے کے لئے آئی تھی۔ جب قوم سے قوتِ عمل جاتی رہی تو رفتہ رفتہ "کرنا" "پڑھنے" میں بدلتا چلا گیا۔ اور اس طرح اس کا عملی پروگرام درود وظائف میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

واماندگیٔ شوق تراشے ہے پناہیں

امید ہے ان اشارات میں تمہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی اس سے زیادہ مفصل خط نہیں لکھ سکا۔

والسلام

پرویز

اسلام پر ہندو تہذیب کے اثرات

تلخیص ترجمہ: محترم ڈاکٹر احمد امین مصری مرحوم

(۲)

قفطی ہی ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ ہندوستانی ہی وہ پہلی قوم ہے جو تعداد میں بہت زیادہ ہے اور جن کا ملک بڑا وسیع ہے۔ معرفت کی شاخوں میں ان کی حکمت اور موشگافیوں کا تمام گزشتہ اقوام اعتراف کرتی آئی ہیں۔ چینی لوگ ملک ہند کو ملک حکمت کہا کرتے تھے کیونکہ ہندوستان علوم وفنون کا گہوارہ تھا۔ لہٰذا ہندوستان تمام اقوام کے نزدیک حکمت کی کان اور عدل وسیاست کا سرچشمہ مانا جاتا رہا ہے۔ چونکہ ہندوستان ہمارے ملک سے بہت دور واقع ہے۔ اس لئے اس کی تصنیفات ہم تک بہت کم پہنچی ہیں، اور ان کے علوم جستہ جستہ ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ ہمیں بہت ہی کم ان کے علماء سے کچھ سیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔[۱]

ہندی اقوام اسلام پر مختلف گوشوں سے اثر انداز ہوئی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین گوشے الٰہیات، دینی مقالات ریاضت ومجاہدہ، حساب ونجوم اور ادب وغیرہ کا گوشہ ہے۔

الٰہیات یونان کی طرح ہندوستان کا بھی اپنا ایک فلسفہ تھا۔ فلسفہ کے مورخین نے اس پر کافی بحث کی ہے کہ ایک فلسفہ دوسرے فلسفہ پر کہاں تک اثر انداز ہوا۔ یعنی یونان نے ہندوستان سے کتنا کچھ لیا اور ہندوستان نے یونان سے کہاں تک لیا۔ مگر اس موضوع پر بحث کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے —— البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندی فلسفہ کے کچھ مخصوص امتیازات ہیں جو اسے یونانی فلسفے سے الگ کرتے ہیں۔ مثلاً یہ خصوصیت کہ ہندی فلسفہ مذہب کے ساتھ کامل امتزاج رکھتا ہے۔ نیز وہ شاعری کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ علمی رنگ میں رنگا ہوا نہیں ہے۔ وہ محسوس سے بڑھ کر معقول کے درجہ تک نہیں پہنچ سکا۔ اکثر موقعوں پر وہ شاعرانہ تعبیر پر اکتفا کر جاتا ہے۔ جو مجاز، استعارہ، اور خیالات سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اس علمی طریقہ کو اختیار نہیں کرتا جو مجازات کے بجائے حقائق کے ساتھ تعبیر کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اسے یوں سمجھئے کہ ہندو کہتے ہیں کہ تمام جہاں ایک ازلی اور ابدی چیز سے نکلا ہے۔ جو تغیر وتبدل کو قبول نہیں کرتی۔ اس ایک ازلی اور ابدی چیز کا نام "برہمن" ہے۔ پھر جب وہ اس کی شرح کرتے ہیں کہ یہ ساری دنیا "برہمن" سے کیونکر بن گئی تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ آگ میں تپا کر سرخ کیا ہوا لوہا لاکھوں کروڑوں شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح یہ تمام چیزیں اسی ازلی اور ابدی واحد چیز سے پیدا ہو جاتی ہیں، اور پھر اسی کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ یا وہ یوں کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ جس طرح مکڑی کا جالا مکڑی سے پیدا ہوتا ہے۔ یا آگ کے شعلے آگ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام حیوانات اور پوری دنیا اور دنیا کی ہر چیز اسی ایک اصل سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

غور فرمائیے! یہ تشبیہات خیال کو تو مطمئن کر دیتی ہیں مگر عقل کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ ہندی فلسفہ اپنی زیادہ تر تشریحات میں اسی قسم کی شاعرانہ تعبیرات سے بھرا پڑا ہے ان کے لئے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی بات کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا ادراک بڑا ہی مشکل ہے۔ ایسے ریاضی تعبیر یا علمی تعبیر کے ساتھ پیش کرنا آسان کام نہیں ہے۔ وہ محسوس سے لامحسوس کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ جس کی تعبیر تو ممکن ہے لیکن توضیح بڑی دشوار ہے۔ لیکن یونانی فلسفہ نے —— ان جیسے مقامات میں —— اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ حتی المقدور انھوں نے یہی کوشش کی ہے کہ علمی تعبیر کے ساتھ ہی ان مباحث کو سمجھا سکیں۔ اگرچہ افلاطونی اسکول میں کچھ تھوڑی سی شاعری ضرور ملتی ہے۔

یونانی اور ہندی فلسفہ میں فرق

ہندی فلسفہ اور یونانی فلسفہ میں ایک یہ بھی فرق ہے کہ ہندی فلسفے نے اپنے فلسفہ کی غرض وغایت انسان کی خدمت قرار دی ہے جبکہ یونانی فلسفہ صرف معرفت کے لئے "معرفت" کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں فلسفہ کا بنیادی باعث انسان کا یہ شوق ہے کہ وہ اس دنیا کے آلام ومصائب سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اور یونانیوں کے ہاں فلسفہ کا بنیادی باعث تعجب ہے۔ وہ مظاہر عالم سے متعجب ہوئے تو انھوں نے ان کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ فلسفی بن گئے۔

ہندوستان میں صرف برہمنوں کا مذہب پھیلا ہوا تھا اس کے بعد وہاں بودھ مذہب نے خروج حاصل کیا۔ ان دونوں مذاہب کے عقائد واصول کو شرح وبسط سے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البیرونی نے ہندوستان کے اس مذہب کو بیان کیا ہے۔ جو اس نے وہاں چوتھی صدی ہجری میں دیکھا تھا البیرونی نہایت نکتہ رس، صحیح البیان اور سنسکرتی لغت کا عالم تھا۔ طویل عرصہ تک ہندوستان میں رہا اور اہل ہند کے حالات سے واقفیت حاصل کی۔ اور اس موضوع پر اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین کتاب "تحقیق ما للهند من مقولة مقبولة في العقل أو مرذولة" ہے۔ اس کتاب میں البیرونی نے ان کے عقائد، علوم، آداب اجتماعی احوال وغیرہ امور کو بیان کیا ہے۔ جدید علمی تحقیقات نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ البیرونی نے جو کچھ لکھا ہے اس میں اس نے صحیح نقشہ کھینچنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ اور اس نے خلوص کے ساتھ علمی خدمت انجام دی ہے نیز جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بڑی حد تک صحیح بیان کیا گیا ہے چند شاذ ونادر باتوں کو چھوڑ کر جہاں انھوں نے زبان کے کسی لفظ کو سمجھنے میں خود اپنے اوپر اعتماد کر لیا اور غلطی کھا گئے یا کہیں کہیں اسی بنا پر غلطی ہو گئی کہ انھوں نے کوئی بات نقل کی ہے۔ لیکن جس سے نقل کی ہے۔ اس نے غلط بیانی سے کام لیا —— عہد عباسی البیرونی سے قریب العہد تھا۔ اس لئے ہم یہ باور کر لینے میں حق بجانب ہیں۔ کہ ہندوستان کی حالت عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں اس سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی تھی جو البیرونی نے بیان کی ہے۔ انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ خود مشاہدہ کر کے، خود سن کر یا سنسکرتی زبان کی بہت سی ہندوستانی کتابوں میں خود پڑھ کر بیان کیا ہے۔ اس لئے قابل اعتماد ہے۔

البیرونی نے جو ہندوؤں کے اوصاف بیان کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ وہ بہت زیادہ خود پسند ہوتے ہیں۔ اپنی قوم ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اپنے مخالفین کو ذلیل نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ زمین کے بارے میں ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ محض انہی کی زمین ہے۔ لوگوں کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ انسان صرف انہی کی جنس کے لوگ ہیں۔ بادشاہوں کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف انہی کے رؤسا ہو سکتے ہیں۔ مذہب کے بارے میں ان کا یہ خیال ہے کہ وہ محض ان کا دھرم ہی ہو سکتا ہے۔ علم کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ علم وہی کچھ ہے جو ان کے پاس ہے۔ اپنی معلومات کے متعلق وہ حد درجہ کے بخیل ہوتے ہیں اور غیروں سے اسے محفوظ رکھنے میں نہایت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زمین پر ان کے شہروں کے علاوہ کوئی اور شہر آباد ہی نہیں۔ ان شہروں کے بسنے والوں کے سوا کہیں آدمی بستے ہی نہیں۔ ان کے علم کے سوا پوری مخلوق کے پاس علم کا ایک حصہ بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان کے سامنے کسی علم یا کسی عالم کا تذکرہ کیا جائے کہ وہ خراسان یا ایران میں موجود ہے تو وہ بتانے والے کو جاہل سمجھنے لگتے ہیں۔ کبھی اس کی بات پر یقین نہیں کرتے۔ اس کا سبب وہی خود پسندی کی آفت ہے۔ جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے ملک سے باہر نکلتے۔ اور دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے تو شاید اپنی اس رائے سے رجوع کر لیتے۔ ان کے پہلے لوگ غفلت وجہالت کے اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوتے تھے۔ برہمن جو ان میں ایک فاضل آدمی گذرا ہے۔ وہ جہاں برہمنوں کی تعظیم وتکریم کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ —— یونانی فلاسفے نے —— اگرچہ یونانی پلید اور ناپاک ہیں —— چونکہ علوم کی خدمت کی ہے۔ اور علوم میں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اضافہ کیا ہے۔ اس لئے ان کی تعظیم وتکریم بھی واجب ہے۔[۲]

[illegible]

خدا کے بارے میں ہندوؤں کے عقائد

خدا کے بارے ہیں ان کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے البیرونی نے ان کے خواص وعوام میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ خواص کی طبیعتیں بنیادی چیزوں کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتی ہیں اور عوام صرف محسوسات پر رک جاتے ہیں۔ چنانچہ البیرونی نے ان کے خواص کے عقائد کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عقیدے سے بہت کچھ ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ چنانچہ البیرونی نے کہا ہے۔

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ واحد ہے۔ ازلی ہے۔ نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔ وہ اپنے افعال میں مختار ہے۔ قادر ہے۔ حکیم ہے۔ زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے۔ تدبیر امور کرنے والا اور چیزوں کو باقی رکھنے والا ہے۔ اپنی بادشاہت میں وہ اضداد وانداد سے یکتا ہے۔ وہ کسی چیز کا مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے"

اس کے بعد البیرونی نے اس پر دلائل قائم کئے ہیں کہ یہ ہندوؤں کے خواص کا عقیدہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کی پرانی کتابوں کی تصریحات پیش کی ہیں۔ پھر عوام کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ ان کے اقوال بہت ہی مختلف ہیں اور بسا اوقات انھوں نے بڑی ہی بھونڈی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس قسم کا فرق تمام اقوام بلکہ خود اسلام میں بھی ملتا ہے چنانچہ تشبیہ واجبار جیسے عقیدے مسلمانوں میں بھی مل جاتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں اس فرق کی، البیرونی نے یہ مثال دی ہے کہ مثلاً ان کے خواص کہتے ہیں کہ خدا ہر چیز کو محیط ہوتا ہے حتیٰ کہ اس پر کوئی مخفی سے مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اب ان کے عوام یہ سمجھ لیتے ہیں کہ احاطہ تو بصر (نگاہ) سے ہوتا ہے اور نگاہ آنکھیں میں ہوتی ہے۔ لہٰذا خدا کا وصف یہ ہوا کہ اس کے ہزار آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ کمال علم کی تعبیر ہوگی۔

البیرونی نے ہندوؤں کے دینی فلسفہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ان کے عقائد اللہ کے متعلق کیا ہیں۔ موجودات عقلیہ اور حسیہ کے متعلق وہ کیا کہتے ہیں؟ مادہ کے ساتھ نفس کا تعلق، ارواح اور ان کے تناسخ۔ مقامات جزا، یعنی جنت ودوزخ، دنیا سے نجات کی کیفیت، قوانین فطرت (نوامیس الٰہیہ) اور رسل وانبیاء، شریعتوں کے نسخ وغیرہ مسائل میں ان کے کیا عقیدے ہیں۔ اکثر مقامات پر البیرونی نے ہندوؤں اور اسلام، صوفیہ اور نصرانیہ، فلسفۂ یونانیہ اور افلاطونیۂ جدیدہ کے عقائد میں موازنہ بھی کیا ہے جن کا یہاں تذکرہ باعث تطویل ہوگا۔

عقیدۂ تناسخ

البتہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ایسا ہے جس کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ہندوؤں کا خصوصی امتیاز ہے۔ اور اس نے مسلمانوں پر بھی کافی اثر ڈالا ہے۔ یہ مسئلہ تناسخ ارواح کا مسئلہ ہے۔ البیرونی نے اس بارے میں بالکل صحیح کہا ہے کہ جس طرح کلمۂ اخلاص کے ساتھ شہادت دینا مسلمانوں کے ایمان کا شعار ہے۔ اور تثلیث نصرانیت کی علامت ہے اور سبت کا دن منانا یہودیت کی نشانی ہے۔ ایسے ہی تناسخ ارواح ہندی مذہب کا سب سے بڑا نشان ہے۔ جو اس عقیدہ کا قائل نہ ہو۔ وہ ان کے دھرم کا تبع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس کا شمار ہندوؤں میں سے کیا جا سکتا ہے۔

البیرونی نے تناسخ کے بارے میں ان کے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ارواح ان کے نزدیک نہ مرتی ہیں۔ نہ فنا ہوتی ہیں۔ وہ ابدی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ رہتے ہیں۔ نہ انھیں تلوار کاٹ سکتی ہے۔ نہ آگ جلا سکتی ہے۔ نہ پانی ڈبو سکتا ہے۔ اور نہ ہوا خشک کر سکتی ہے۔ بلکہ وہ ایک بدن سے دوسرے بدن میں اس طرح منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ جس طرح پرانا ہو جانے پر بدن لباس کو تبدیل کر لیتا ہے۔ مختلف اجسام میں نفس انسانی ارتقائی مدارج طے کرتا رہتا ہے جیسا کہ انسان، بچپن سے جوانی، کہولت اور بڑھاپے کی طرف ترقی کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی کمال کا طالب ہے۔ اور ہر چیز کو جان لینے کا خواہشمند ہے۔ مگر اس کے لئے بہت وسیع زمانہ درکار ہے۔ انسان وغیرہ کی عمریں بہت کم ہوتی ہیں۔ لہٰذا نفس انسانی کا ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتے رہنا ضروری ہے۔ وہ ہر نئے بدن میں نئے نئے تجربات، نئی نئی معلومات حاصل کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا باقی رہنے والی روحیں ان بوسیدہ اجسام میں بار بار آتی رہتی ہیں۔ افضل جسم سے ارذل جسم کی طرف تنزل نہیں کرتیں۔ تاکہ نفس انسانی کمال کے درجہ کو حاصل کر سکے۔ حتیٰ کہ نامعلوم اشیاء کو جان لینے کا شوق پورا ہو جائے۔ اور اپنی ذات کے شرف کا یقین اسے حاصل ہو جائے۔ اور اس کے بعد وہ مادہ سے بے نیاز ہو جائے اور اس سے الگ ہو کر عاقل، عقل اور معقول کا اتحاد ہو جائے اور ایک چیز بن جائے۔

انھوں نے ثواب وعقاب اور جنت وجہنم کو بھی تناسخ کے اس نظریہ کے ساتھ مرتبط کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جہنم سے غرض خیر کو شر سے اور علم کو جہالت سے جدا کرنا ہے۔ لہٰذا شریر روحیں نباتات۔ کم رتبہ پرندوں۔ رذیل حشرات الارض کے اجسام میں بار بار آتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ ثواب کی مستحق ہو کر معصیت سے نجات پاتی ہیں۔ اور ان اجسام میں آنے لگتی ہیں جو ان اجسام سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں میں سے کسی کا قول ہے کہ اگر میں دیوتاؤں کی طرف نہ جا رہا ہوتا جو صاحب حکمت، سردار اور نیک لوگ ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ کہ اگر میں ان لوگوں کے پاس نہ جا رہا ہوتا جو مر چکے ہیں۔ اور ان لوگوں سے بدرجہا بدتر ہیں۔ جو یہاں دنیا میں موجود ہیں۔ تو میرا اپنی موت پر غم نہ کرنا بڑا ہی ظلم ہوتا۔ متکلمین میں سے جو لوگ تناسخ کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ "تناسخ کے چار مرتبے ہوتے ہیں۔

مسلمان متکلمین پر تناسخ کے اثرات

(۱) نسخ۔ انسانوں کے درمیان توالد۔ یعنی ایک انسانی جسم سے دوسرے انسانی جسم میں چلا جانا۔

(۲) مسخ (یہ نسخ کی ضد ہے) انسانوں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے کہ وہ بندروں، خنزیروں اور ہاتھیوں کی صورت میں تبدیل کر دیئے جائیں۔

(۳) رسخ۔ جیسے نباتات۔ یہ نسخ سے بہت شدید ہوتا ہے کیونکہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اور عرصہ دراز تک باقی رہتا ہے بلکہ بعض اوقات ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے۔ جیسے پہاڑ وغیرہ۔

(۴) فسخ (رسخ کی ضد ہے) وہ نباتات جو توڑ لئے جائیں، یا وہ جانور جو ذبح کر دیئے جائیں کہ تو وہ فنا ہو جاتے ہیں اور نہ ہی اپنے پیچھے کچھ چھوڑتے ہیں"

تناسخ کے اس نظریہ نے یونانی فلسفہ۔ ماڈی دیانت، اسلامی تہذیب۔ تصوف اور نصرانیت میں بڑے دوررس اثرات مرتب کئے ہیں۔

تناسخ کے عقیدہ کا یونان پر اثر

چنانچہ فیثاغورس تناسخ کے نظریہ کا قائل تھا۔ یونانی فلسفہ کے زیادہ تر مورخین نے اسی خیال کو ترجیح دی ہے کہ یہ عقیدہ دراصل ـــ ہندی فلسفہ سے ماخوذ تھا۔ فیثاغورس سے اس عقیدہ کو امبدکلیس اور افلاطون نے لیا۔ فیثاغورس انسان اور حیوان کے درمیان تناسخ ارواح کا قائل تھا۔ اور اس کا بھی قائل تھا کہ زندگی کی گردش میں نفس انسانی کو اس کے ارتقاء سے آزادی ملتی ہے۔ اور یہ ارتقاء، دینی شعائر پر عمل کرنے۔ فکر وتامل و دھیان

ہمارے ناول

سیما	رئیس احمد جعفری	۴-۸-۰
طوفان	رئیس احمد جعفری	۴-۰-۰
چاندنی	رئیس احمد جعفری	۴-۰-۰
ہچکولے	رئیس احمد جعفری	۴-۴-۰
دام خیال	رئیس احمد جعفری	۳-۴-۰
دل ناداں	ہادی حسین	۳-۱۲-۰
فردوس	قیسی رام پوری	۴-۱۲-۰
خطا	قیسی رام پوری	۳-۴-۰
سزا	قیسی رام پوری	۳-۴-۰
انتقام	عابدی جعفر	۴-۴-۰
عداوت ہی سہی	عابدی جعفر	۴-۴-۰
فریب ہستی	تیرتھ رام فیروزپوری	۵-۰-۰
اندھیر	قیصر ایوب	۳-۰-۰
بے غیرت	یحییٰ صدیقی	۲-۱۲-۰
عشرت	عارف بٹالوی	۲-۸-۰
مستقبل کے سوداگر	رضا زیدی	۱-۱۲-۰
داغ	سلیم اللہ انصاری	۴-۴-۰

نفیس اکیڈمی
بلاس اسٹریٹ۔ کراچی

گیان) اور فلسفہ سے حاصل ہوتا ہے ـــ افلاطون نے عالم مثال کے بارے میں اپنی رائے اور روح کے جسم میں حلول کرنے سے پہلے کی معلومات کو یاد رکھنے کے بارے میں اپنے نظریہ کو نظریۂ تناسخ ہی کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اگرچہ افلاطون کا نظریہ تفصیلات میں اس سے بہت کچھ اختلاف رکھتا ہے جو بوذ نے بیان کی ہیں کہ اسے وہ بہت سی باتیں یاد تھیں جو اس کی پچھلی پیدائشوں میں اسے پیش آئی تھیں۔ ارسطو نے تناسخ کے بارے میں فیثاغورس اور افلاطون کی رائے کا ابطال کیا۔ خصوصیت کے ساتھ انسانی روح کے حیوانی جسم میں حلول کر جانے کے امکان کو اس نے بالکل ہی باطل قرار دیا اور کہا کہ اس کا امکان ہی نہیں ہو سکتا کہ جو ایک چیز کا فریضہ ہوتا ہے وہ دوسری چیز کا فریضہ ہو جائے۔ الخ

البیرونی نے بیان کیا ہے کہ مانی کو جب ایران سے ملک بدر کیا گیا۔ تو وہ سرزمین سندھ میں داخل ہوا۔ اور سندھوؤں سے لے کر اس نے تناسخ کے عقیدہ کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ اور اس نے کہہ دیا کہ۔

"حواریین کو جب معلوم ہوا کہ روحیں فنا نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ مختلف صورتوں میں بار بار آتی رہتی ہیں تو انھوں نے مسیح سے ان روحوں کے انجام کے متعلق سوال کیا جو حق کو قبول نہیں کرتیں تو مسیح نے جواب دیا جو روح حق کو قبول نہیں کرتی تو وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ اسے کوئی راحت نہیں ملتی۔ یہاں روحوں کی ہلاکت سے مسیح کی مراد ان کا عذاب میں گرفتار ہونا ہے فنا ہو جانا نہیں ہے۔"[1]

بعض اسلامی فرقوں پر تناسخ کے اثرات

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے۔ تناسخ کا اثر بعض دینی فرقوں میں بہت زیادہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ احمد بن حائط دیر معتزلہ میں سے ہیں۔ مگر بعد میں معتزلہ نے ان سے اپنی برأت کی ہے)، ابومسلم خراسانی۔ قرامطہ۔ محمد بن زکریا رازی وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ روحیں اجسام سے جدا ہونے کے بعد دوسرے اجسام میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ نئے اجسام پچھلے اجسام کی نوع سے نہ ہوں۔ احمد بن حائط نے تناسخ پر اس آیت سے استدلال کیا تھا یَا أَیُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ نیز اس آیت قرآنی سے بھی جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ[2]

شہرستانی نے تناسخ کے بارے میں احمد بن حائط کے قول کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ احمد بن حائط اسی کے قائل تھے کہ خدا نے اپنی مخلوق کو تندرست سالم عاقل اور بالغ کر کے پیدا کیا تھا۔ ان کا مسکن کوئی دوسرا مقام تھا۔ یہ جگہ نہیں تھی۔ جہاں وہ آجکل رہتے ہیں۔ خدا نے ان میں اپنی معرفت اور اپنا علم بھی ودیعت کر دیا تھا۔ اور مکمل طور پر اپنے نعمتوں سے ان کو نواز رکھا تھا ... خدا نے ابتداءً ان پر صرف یہ فریضہ عائد کیا کہ وہ اس کا شکر ادا کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ تو ایسے تھے جنھوں نے خدا کے احکام و امر کی پوری پوری اطاعت کی۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے پوری پوری نافرمانی کی اور کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے کچھ احکام کی اطاعت اور کچھ احکام کی نافرمانی کی۔ تو جن لوگوں نے تمام احکام کی فرمانبرداری کی تھی۔ انھیں تو خدا نے اس دارالنعیم میں برقرار رکھا جہاں ان کی ابتداءِ آفرینش عمل میں آئی تھی۔ اور جنھوں نے پوری پوری نافرمانی کی تھی۔ انھیں اس مقام سے نکال کر عذاب کے مقام یعنی جہنم میں بھیج دیا گیا۔ اور جنھوں نے کچھ احکام کی فرمانبرداری اور کچھ کی نافرمانی کی تھی۔ انھیں اس دنیا میں بھیج دیا گیا ہے۔ جہاں انھیں ان کثیف اجسام کا لباس پہنایا گیا۔ اور انسانی صورتوں میں یا ان کے گناہوں کے مطابق بعض حیوانی صورتوں میں انھیں مشقت و مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہے .... پھر حیوانات یکے بعد دیگرے اس دنیا میں اس وقت تک برابر پیدا ہوتے رہیں گے۔ جب تک ان کے ساتھ گناہوں کی آلائش باقی رہے گی۔[3]

ان سے پہلے سبائیہ ایک فرقہ گذرا ہے جو عبداللہ بن سبا کے متبعین تھے۔ عبداللہ ابن سبا کا یہ قول حضرت علیؓ کے متعلق نقل کیا جاتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ سے کہا تھا "تو ہی تو ہے! یعنی تو ہی اللہ ہے۔ اس کا فرقہ اسی کا متبع رہا۔ اور وہ حضرت علیؓ کے بعد دیگر ائمہ میں جزء الٰہی کے تناسخ کو مانتا چلا آ رہا ہے۔ شیعوں میں جو غلو پسند لوگ گذرے ہیں وہ بھی ایسے ہی عقیدے رکھتے ہیں۔[4]

ان کے بعد ایک نصیریہ فرقہ پیدا ہوا۔ جن کا یہ اعتقاد تھا کہ جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ دنیا میں یہودی نصرانی یا سُنّی مسلمان بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ حضرت علیؓ پر ایمان نہیں لاتے۔ وہ اونٹ خچر، گدھے یا کتے یا ان جیسے دوسرے حیوان بنا کر لوٹائے جاتے ہیں۔ باطنی فرقے کے عوام کے عقائد بھی اسی سے ملتے جلتے ہیں۔

"الف لیلہ و لیلہ" کے بعض قصّوں میں بھی ایسی چیزیں ملتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تناسخ مسلمانوں میں بہت عام تھا۔

اس سے پہلے دیکھا جا چکا ہے کہ تناسخ کا نظریہ مسلکِ حلول تک منتج ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل، عاقل اور معقول یہاں ایک ہو جاتے ہیں۔ اور سب کے سب ایک چیز بن جاتے ہیں۔ اس نظریہ کا اثر ہمارے صوفیہ کے مسلک میں بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ جس کا تصوف سے تعلق ہے۔

ہندوستان کا سمنیہ فرقہ

ہندوستان کے مذاہب میں سے جو مذہب تناسخ کے قائل تھے۔ ان میں سے سمنیہ فرقہ مشہور ہے یہ فرقہ سومنات کی طرف منسوب تھا۔ جو ہندوستان میں ایک بت کا نام تھا۔ جسے سلطان محمود بن سبکتگین نے ۴۱۶ھ میں جلا دیا تھا۔ جیسا کہ الجزری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے) البیرونی نے بیان کیا ہے کہ یہ فرقہ

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاجِ شناسِ رسولؐ — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسولؐ، مزاج شناس کون ہیں؟ اکی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۰ صفحات ـــــ قیمت چار روپے

مقامِ حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ـــــ چار روپے

فردوسِ گم گشتہ — (از پرویز) اُن مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۲ صفحات ـــــ قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراج پوری، علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ـــــ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و خلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں صفحات ۱۹۲ - قیمت دو روپے

نظامِ ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے

قیمت (قسم اوّل) ـــــ چھ روپے

(قسم دوم) غیر مجلد ـــــ چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبالؒ کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ

ڈسٹ کور کے ساتھ ـــ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ـــــ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوعِ اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴۳ - کراچی

---

[1] السدرۃ [illegible] [2] العقد [illegible] الملل والنحل لابن حزم صفحہ ۹۰-۹۱ [3] ابن حزم [illegible] استدلال [illegible] [4] الشہرستانی [illegible] ابن حزم [illegible] [5] الشہرستانی [illegible]

برہمنوں کے ساتھ سخت تُبغض رکھتا تھا۔ اور قدیم زمانہ میں خراسان ایران، عراق، موصل اور شام کا کچھ علاقہ اس سمنی مذہب کا پیرو تھا۔ تا آنکہ زردشت آذر بائیجان میں ظاہر ہوئے اور انھوں نے بلخ میں مجوسیت کی دعوت دی۔ اور ان کی دعوت پھیل گئی۔ اس کے بعد سمنی مذہب کا زور اس علاقہ میں بلخ کے مشرقی حصہ تک کمزور ہوتا چلا گیا ؎۔ مگر یہ مذہب عہد عباسی میں مسلمانوں میں عام طور سے متعارف تھا۔ چنانچہ آغانی نے بیان کیا ہے کہ بصرہ میں متکلمین کے چھ زبردست امام تھے عمرو بن عبید۔ واصل بن عطار۔ بشار الاعمیٰ۔ صالح بن عبد القدوس عبد الکریم بن ابی العوجاء اور ایک قبیلۂ ازد کا آدمی (ابو احمد نے کہا کہ یہ جریر بن حازم تھے) یہ سب کے سب ازدی کے مکان میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اور بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ان میں سے عمرو اور واصل تو معتزلی ہوگئے اور عبد الکریم اور صالح نے سچی توبہ کرلی لیکن بشار حیرت میں مبتلا رہے اور کسی فیصلہ تک نہیں پہونچ سکے۔ لیکن وہ ازدی سمنیہ کے مسلک کی طرف مائل ہوگیا۔ جو ہندوستان کے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے لیکن اس کے باوجود ازدی نے اپنے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ وہ جیسے پہلے تھا۔ ایسے ہی اب بھی بظاہر مسلمان بنا رہا ؎ مسلمان علماء اس فرقہ سے واقف تھے اور کتب توحید یا علم کلام میں ان سے طویل مناقشے ہوتے رہے ہیں۔ سمنیہ کے جو کچھ اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل تھے کہ "علم یا معرفت محض حواس کے ذریعہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ ہر وہ علم جس کی بنیاد حواس پر نہ ہو۔ وہ علم کا فائدہ نہیں دے سکتا۔ محض غور و فکر جس کی بنیاد حواس پر نہ ہو۔ وہ مفید علم نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ الہیات میں ہو یا غیر الہیات میں ؎۔

کشاف مصطلحات الفنون کے مصنف نے اس بارے میں ان کے قول کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ "وہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ علم کا ذریعہ صرف حواس ہی ہوسکتے ہیں؛ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ لاک اور اس کے متبعین سے پہلے اس نظریہ کی بنیاد رکھ چکے ہیں۔ لاک وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ صحیح معرفت کا ذریعہ محض حسی ادراک ہے۔ تمام بلند پایہ اور عظیم افکار جو بلندی میں بادلوں سے بھی اونچے ہوں بلکہ آسمانوں کے برابر ہوں۔ اگر کرید کر دیکھا جائے تو ان کی بنیاد بھی حواس ہی پر نکلے گی۔ عقل بڑی بڑی مسافتیں طے کر جاتی اور تفکر و تامل میں بلند مراتب تک پہونچ جاتی ہے۔ لیکن وہ اپنی ان تمام کوششوں میں بال برابر بھی ان بلند حدود سے نہیں ہٹ سکتی جو حواس اس کے لئے مہیا کرتے ہیں؛ یہ لوگ اس بارے میں ذہنی یا عقلی لوگوں کے بالکل نقیض ہوتے ہیں۔ جن کا یہ عقیدہ ہے کہ بعض مدرکات ایسے بھی ہیں جن کا ذریعہ حواس نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ذریعہ محض (ادراک عقلی) ہوتا ہے جیسا کہ ریاضیات اور الہیات میں دیکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے تفصیل سے بتایا ہے۔ کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے ریاضی حساب، ہندسہ ادب، ہندی الفاظ، ہندی قصص، حِکم و مختلف قسم کے کھیل مثلاً شطرنج وغیرہ میں سے کیا کیا چیزیں کس حد تک لیں۔

اس کے بعد کہا ہے کہ

آخر میں اتنا کہنا ہے کہ ہندوؤں کی اپنی عادتیں، رسمیں دینی شعائر، نظم سیاسی اور شریعت وغیرہ تھیں۔ چنانچہ بنیادی طور پر جانوروں کو مارنا ان کے ہاں حرام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے تمام اوامر و نواہی کو پس پشت ڈال دیا مگر برہمن چونکہ دین کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے ان کو نافذ کیا۔ کیونکہ دین لوگوں کو اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے روکتا ہے ؎ بہت ممکن ہے کہ یہ تعلیمات ہی ہوں جو ابو العلاء معری پر اثر انداز ہوئی ہوں۔ جس نے اپنے اوپر گوشت کو حرام قرار دے لیا تھا۔ اور حیوانات کے ذبح کردہ پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ شادی بیاہ، عدت، حمل اور نفاس کے اپنے احکام ان کے ہاں موجود تھے۔ مقدمات اور فیصلوں کے طریقے سزاؤں اور کفّاروں کا نظام، میراث کے احکام، اور تہواروں کی اپنی عادتیں، لوگوں کی طبقاتی تقسیم اور ان کے باہمی تعلقات کی تحدید وغیرہ ان کے ہاں ایک ممتاز صورت سے پائی جاتی تھیں ؎

یہ تمام دینی فلسفہ، ریاضی کی تعلیمات، ادبی قصے اور حکمتیں، شعائر مذہبی۔ اجتماعی رسوم۔ مملکت اسلامیہ میں سرایت کرتی چلی گئیں۔ اور عربی آداب کے عناصر میں سے ایک بہت بڑا عنصر بن گئیں۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

ؔ الہند من قول ؔ آغانی صفحہ ۲۴/۳ ؔ ان کا قول اور اس کا جواب کتاب المواقف صفحہ ۱۳۰/۱۲ اور المطالع صفحہ ۶۱ پر دیکھئے۔ ؔ الہند من قول البیرونی صفحہ ۲۶۹ ؔ البیرونی صفحہ ۲۷۶ وما بعد

حقائق و عِبر

(۱) بہرہ جج

مجلس دستور ساز کے اسپیکر کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ ہر تقریر کرنے والے کی تقریر کے متعلق فیصلہ کرے کہ وہ موضوع سے متعلق ہے، آئین مجلس کے مطابق ہے، متعلقہ قوانین کی حدود شکنی نہیں کر رہی، اس کا کوئی حصہ قابل اعتراض نہیں۔ یا جب کوئی دوسرا ممبر اس تقریر کا جواب دے تو اسپیکر کا فریضہ ہوگا کہ وہ اس کا موازنہ کرے کہ اس جواب کا اس تقریر سے صحیح صحیح تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اسپیکر اس تقریر کو سمجھے۔ لیکن ہماری مجلس آئین ساز نے جو آجکل دنیا کو عجیب عجیب تماشے دکھا رہی ہے، اگلے دنوں ایک نیا سین پیش کیا۔ مسٹر گبن ڈپٹی اسپیکر، اسپیکر کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ بنگال کی عوامی لیگ کے ایک صاحب اٹھے اور انہوں نے بنگالی میں تقریر کرنی شروع کر دی۔ مسٹر گبن نے کہا کہ

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

مقرر نے کہا کہ "دانم یا ندانم من در ترکی تقریری فرمائیم" اسپیکر نے پھر کہا کہ میں اس زبان کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس پر ایوان کے عوامی ممبر حسب معمول چلا اٹھے کہ یہ ناانصافی ہے۔ بنگالیوں کے حقوق کی پامالی ہے۔ ہم بنگالی میں تقریر کریں گے اور مسٹر گبن کو اسے سمجھنا پڑے گا۔ چنانچہ مقرر صاحب بنگالی میں تقریر فرماتے رہے اور اسپیکر صاحب بیٹھے ان کا منہ تکتے رہے۔

ہم اس کی تائید میں ہیں کہ اسمبلی کے ہر ممبر کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ جس زبان میں اپنے خیالات کا اچھی طرح اظہار کر سکتا ہے اس زبان میں تقریر کرے (تا آنکہ الیکشن سے پہلے امیدواروں پر یہ پابندی نہ لگا دی جائے کہ انہیں صرف فلاں زبان میں ہی تقریر کرنی ہوگی)، لیکن مسٹر گبن نے جو اعتراض کیا اس کی معقولیت سے بھی تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ جب اس اسمبلی نے مسٹر گبن کو ڈپٹی اسپیکر چنا تھا تو کیا بنگالی ممبروں نے ان سے یہ پوچھ لیا تھا کہ آپ بنگالی بھی سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ نہیں پوچھا گیا تھا اور نہ ہی اس قسم کی کوئی پابندی عاید کی گئی تھی کہ اسپیکر یا ڈپٹی اسپیکر کے لئے فلاں فلاں زبان جاننا ضروری ہے تو پہلے سے ڈپٹی اسپیکر بنا کر اس سے ایسی زبان میں باتیں کرنا جسے وہ نہیں سمجھتا تماشا نہیں تو اور کیا ہے۔

(۲) فحش لٹریچر

اخبارات کی اطلاع کے مطابق ہندوستان کے وزیر داخلہ پنڈت پنت نے وہاں کی مجلس قانون ساز میں ایک بل پیش کیا ہے جس کا مقصد فحش لٹریچر کی اشاعت کو روکنا ہے۔ جہاں تک فحش لٹریچر کی درآمد کا تعلق ہے وہاں اس قسم کا قانون پہلے ہی سے موجود ہے کہ قسم والے اس لٹریچر کو لب ساحل ہی روک دیں۔ اب اس نئے بل کا مقصد یہ ہے کہ ملک کے اندر بھی کسی قسم کے مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت نہ ہونے پائے۔

کبھی وہ زمانہ تھا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں سے سبق سیکھا کرتی تھیں۔ بھلائی کے ہر کام میں انہیں اپنے سامنے بطور نمونہ رکھا کرتی تھیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ اس قسم کے کاموں کے لئے ہمیں خود مسلمانوں سے کہنا پڑتا ہے کہ دیکھو دنیا کی غیر مسلم قومیں کیا کر رہی ہیں اور تم کدھر جا رہے ہو یہ توفیق پاکستان کو نصیب نہیں ہو سکی کہ وہ فحش لٹریچر کی درآمد اور ملک کے اندر اس کی اشاعت کو قانوناً بند کر دے۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان میں اس قسم کا کوئی قانون موجود ہے (اور یہ قانون غالباً پرانی تعزیرات ہند ہی کے اندر ہے) کہ مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت جرم ہے۔ لیکن اس قانون کے مطابق جن باتوں کو فحش قرار دیا جاتا ہے اُن سے بہت پہلے سینکڑوں امور ایسے ہیں جو نوجوانوں کے اخلاق کو بُری طرح تباہ کرتے ہیں لیکن وہ اس قانون کی زد میں نہیں آتے فحش لٹریچر کے علاوہ سنیما میں جو کچھ دکھایا جاتا ہے وہ ہماری آنے والی نسلوں کو بُری طرح سے تباہ کر رہا ہے۔ ان فلموں کے لئے بھی "بورڈ آف سنسرز" مقرر کئے جاتے ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی فلم دکھائی نہیں جا سکتی۔ لیکن ان کے فحش کا اسٹینڈرڈ بھی اتنا اونچا ہے کہ سینکڑوں فحش فلمیں ان کے سرٹیفکیٹ کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔

حکومت اگر ان کی طرف توجہ نہیں دیتی تو یہ کام ملک کی اصلاحی جماعتوں کا تھا کہ وہ ان امور کی روک تھام کریں۔ لیکن ملک میں جن جماعتوں کو اصلاح کا دعویٰ ہے ان کے نزدیک اصلاحی پروگرام صرف اتنا ہی ہے کہ حکومت کی کرسیاں ہمارے حوالہ کر دو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ یعنی حکومت کی کرسیاں ملنے سے پہلے ان کے ذمہ اصلاح امت کا کوئی فریضہ عاید نہیں ہوتا۔

(۳) فرد نہیں جماعت

قرآن انسانی معاشرہ میں جو عظیم انقلابات لایا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اب افراد کی جگہ اقوام کا زمانہ آگیا ہے لہٰذا کسی فرد کو اتنی اہمیت نہیں دینا چاہیئے کہ اگر وہ نہ رہے تو قوم کا شیرازہ بکھر جائے۔ امور مملکت کا نظم و نسق ہی ختم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے قوم کو من حیث القوم ایسی تعلیم و تربیت ہونی چاہیئے کہ جس اسٹینڈرڈ پر ہم منتخب افراد کو دیکھتے ہیں وہاں تک بالعموم پوری کی پوری قوم پہنچ رہی ہو۔ یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے قرآن نے اُمتِ مسلمہ کو تیار کیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ یہ قوم دنیا کو عملاً دکھلائے کہ نظام افراد کے ماتحت نہیں ہوتا وہ پوری کی پوری اُمت کے سہارے آگے بڑھتا ہے اور اوپر کو اٹھتا ہے۔ مسلمانوں نے تو اس عظیم اصول کو پس پشت ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جب ان کو زندہ افراد نہ ملے تو انھوں نے آسمان سے اُترنے والوں اور پردۂ غیب سے ظہور کرنے والوں کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ لیکن دُنیا کی باقی قوموں نے اس اصول کو سمجھ لیا۔ پچھلے دنوں امریکہ کی ری پبلکن پارٹی نے یہ توقع ظاہر کی کہ پریذیڈنٹ آئزن ہاور کو ۱۹۵۶ء میں بھی الیکشن لڑنا چاہیئے تاکہ وہ دوبارہ پریذیڈنٹ منتخب ہو سکیں۔ اس کے جواب میں پریذیڈنٹ آئزن ہاور نے کہا کہ ہماری پارٹی اتنی وسیع اتنی بلند اور اس قدر قابل افراد پر مشتمل ہے کہ اسے ایک ثانیہ کے لئے بھی اپنی امیدوں کو کسی ایک فرد کے ساتھ وابستہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا کہ افراد فانی ہیں ہر فرد کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ اس لئے ہم اپنی امیدوں کو افراد سے کیوں وابستہ کریں۔ ہمیں اپنے جہاز کے جھنڈے کو کسی ایک ڈنڈے کے ساتھ اس طرح کس کر نہ باندھنا چاہیئے کہ جہاز ڈوب رہا ہو تو ہم اس جھنڈے کو اتار کر کسی دوسرے ڈنڈے کے ساتھ باندھ نہ سکیں۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ زندگی جماعت کے ساتھ ہے نہ کہ افراد کے ساتھ۔

(نیویارک ٹائمز۔ ۱۱ ستمبر)

(۴) میرا حصہ دُور کا جلوہ

پچھلے دنوں جنیوا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے نمایندوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں زیر نظر مسئلہ یہ تھا کہ ایٹم کی توانائی کو تعمیری کاموں میں کس طرح صرف کیا جائے۔ جو کچھ اس کانفرنس میں کہا گیا اُس سے نظر آتا تھا کہ اگر ایٹم کی توانائی کو پُرامن تعمیری کاموں میں استعمال کیا جائے تو یہ دُنیا چند دن میں کچھ سے کچھ بن سکتی ہے۔ چنانچہ پست علاقوں کے لوگوں کے دلوں میں یہ امید بندھی کہ اب وہ دن دور نہیں کہ ہماری قسمت بھی پلٹا کھائے گی۔ ہمارے ممالک کے ترقی کے راستے میں جو رکاوٹیں اس وقت پیش آرہی ہیں ایٹم کی توانائی ان سب کو دور کر دے گی۔ لیکن کانفرنس ختم ہونے کے بعد معلوم یہ ہوا کہ نہ برطانیۂ عظمیٰ اور نہ امریکۂ کبریٰ کو اس کی توقع ہے کہ وہ مستقبل قریب میں پسماندہ ممالک میں ایٹمی توانائی کے اسٹیشن قائم کر سکیں گے۔ سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ ایٹمی توانائی کی مشنری اس قدر پیچیدہ ہوگی کہ جو ممالک صنعت و حرفت میں بہت آگے نہیں ہیں وہاں یہ مشنریاں چل ہی نہیں سکیں گی۔ دوسرے یہ کہ اس مشنری کو چلانے کے لئے جس قدر بجلی کی ضرورت ہوگی اس پر بھی بہت زیادہ لاگت آئے گی۔ اس لئے سردست ہوگا یہ کہ ایٹم ان ہی ممالک کو توانائی عطا کرے گا جن کا شمار اس وقت اقوام غالب میں ہے اور اچھوت ممالک ان کے رحم و کرم پر رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ ہو یا امریکہ۔ روس ہو یا جاپان۔ خالص نوعِ انسانی کی بہبود اور مرفہ الحالی کا جذبہ کسی کے دل میں بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کا جذبہ محرک

صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے خدائے رب العالمین پر اس انداز کا ایمان جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ اس ایمان کے ماتحت ہر فرد اور ہر قوم کی نجات اور سعادت کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے افراد اور دوسری اقوام کی صلاحیتوں کی نشوو نما کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ چونکہ اعمال کا دار و مدار ایمان پر ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک دنیا اس قسم کے ایمان تک نہیں پہنچ جاتی نوع انسانی کی کبھی بھلائی نہیں ہو سکتی۔ اقوام غالب ان پست ممالک کو اپنی مصلحت کوشیوں کے لئے استعمال کرتی رہیں گی۔ اور ان کی طرف سے ان ممالک کی امداد اس قسم کی ہو گی جس قسم کی پرورش ایک قصاب اپنی بکریوں کی کرتا ہے۔ یہ پرورش بکریوں کے لئے نہیں، قصاب کی منفعت کے لئے ہوتی ہے۔

لیکن اس میں اقوام غالب پر گلہ کیا؟ گلہ تو خود پست اقوام پر ہے کہ وہ پست کیوں ہیں۔ یاد رکھو! کسی قوم کی قسمت کسی دوسری قوم کی بلندیوں کے سہارے نہیں بدلا کرتی۔ یہ اس وقت بدلتی ہے جب وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے۔ مسلمانوں کو اس نکتہ کو خاص طور پر اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔

چیخ اُٹھے

جیسا کہ قارئین سے پوشیدہ نہیں، جماعت اسلامی کے ارباب حل و عقد نے اپنا مستقل وطیرہ بنا رکھا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے خلاف مختلف قسم کی باتیں وضع کر کے نہایت اشتعال انگیز انداز اور سوقیانہ زبان میں ان کی تشہیر کرتے رہتے ہیں۔ اس سے انہیں بڑا مزہ ملتا ہے ممکن ہے آپ کو اس پر تعجب ہو کہ اُن کی زبان تک بھی بازاری ہوتی ہے۔ اس کے لئے زیادہ نہیں تو آپ ان کے سب سے بڑے صحافی اور ذمہ دار رکن کی زیر ادارت شائع ہونے والے اخبار "ایشیا" کا کوئی سا پرچہ اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو نظر آ جائے گا کہ اس میں کس قسم کی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ سمجھانے والوں نے انہیں بارہا سمجھایا کہ افترا پردازی اور تضحیک و استہزا کا یہ انداز اچھا نہیں لیکن ان کے چھوٹوں اور بڑوں میں سے کسی نے بھی اس آواز کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ اب کرنا خدا کا یہ ہوا کہ پنجاب کا ایک اچھا خاصہ گروہ جو پہلے ان سے متفق تھا، ان کا مخالف ہو گیا اور ان کی پردہ دری شروع کر دی۔ اس سے یہ جماعت بلبلا اٹھی ہے اور یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہمارے مخالفین ہمارے خلاف غلط باتیں منسوب کر کے پبلک کے جذبات مشتعل کرتے رہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تسنیم بابت ۲۰ر ستمبر کا افتتاحیہ) ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس جماعت کے اپنے مخالفین کا یہ الزام کس حد تک صحیح ہے۔ لیکن ہم ان سے صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے دیکھ لیا کہ جس کے خلاف افترا سے کام لیا جائے اسے کس طرح تکلیف پہنچتی ہے؟ آپ لوگوں کے خلاف اگر کسی نے افترا سے کام لیا ہے تو آپ چار دن میں چیخ اُٹھے ہیں، لیکن کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ جن لوگوں کے خلاف آپ نے برسوں سے یہ چیز بطور مستقل وطیرہ کے اختیار کر رکھی ہے آپ کی ان حرکتوں سے ان پر کیا اثر ہوتا ہوگا؟ اور اگر آپ کا یہ فیصلہ صحیح ہے کہ اس قسم کا کذب و افترا شریفانہ فعل نہیں تو سوچیئے کہ اس باب میں خود آپ کا اپنا مقام کیا قرار پاتا ہے؟

خدا کرے کہ اتنی سی تنبیہ سے ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ اپنے مخالفین کے خلاف کذب و افترا اور تضحیک و استہزا کی روش کسی شریف انسان کے شایانِ شان نہیں ہوتی۔

کھلی چٹھی

بنام محترم عبد الغفار حسن صاحب

محترمی۔ السلام علیکم

اگست ۱۹۵۵ء کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "سنت۔ قرآن حکیم کی روشنی میں" اس میں آپ نے "منکرین سنت" کی مختلف قسمیں گناتے ہوئے ایک قسم یہ بھی لکھی ہے کہ:

> وہ جن کا خیال یہ ہے کہ دین و شریعت کے اصول و کلیات کو تو قرآن نے بیان کر دیا ہے۔ باقی رہی جزئیات تو ان کے بارے میں "مرکز ملت" کے فیصلے واجب الاتباع ہوں گے۔ مرکز ملت کو اختیار ہوگا کہ تعاملِ امت یا اخبار آحاد سے ثابت شدہ مسائل میں سے جسے چاہے باقی رکھے اور جسے چاہے رد کر دے۔ یعنی محمد صلعم کی پیری اس بنا پر نہیں کہ آپ ہمیشہ کے لئے اللہ کے رسول تھے بلکہ اس لئے ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے صاحب امر تھے اور آپ کا طریقہ بعد کے اصحاب امر کے لئے صرف ایک نظیر کا درجہ رکھتا ہے جس سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق استفادہ کرنے اور نہ کرنے میں آزاد ہیں۔

چونکہ اس نظریہ کو طلوع اسلام نے پیش کیا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہوتا کہ آپ ہمارے مسلک کو واضح اور متعین طور پر بیان فرماتے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ قرآن کے جن اصولی احکام کی جزئیات کو رسول اللہؐ نے متعین فرمایا اگر آپ کے بعد اسلامی نظام جو آپ کے بعد علی منہاجِ نبوت قائم ہو، یہ سمجھے کہ اُس کے زمانہ کی ضروریات کا تقاضا ہے کہ ان میں کوئی رد و بدل کیا جائے تو وہ اسلامی نظام ان میں مناسب رد و بدل کر سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے بعض امور میں رد و بدل کیا۔ جن جزئیات میں کسی رد و بدل کی ضرورت نہ ہو انہیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا جائے گا۔ آپ کے نزدیک ایسا سمجھنا سنت رسول اللہ کا انکار ہے اور سُنت کو ماننے والا وہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ کی متعین فرمودہ جزئیات میں کسی صورت میں بھی کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔

(۲) آپ کی جماعت کے امیر سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب اپنی کتاب "تفہیمات" حصہ دوم کے صفحات ۳۲۷ — ۳۲۸ پر لکھتے ہیں کہ ۔۔۔۔۔

> یہ حقیقت یقیناً ناقابل انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسی بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ جو حالات عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے لازم نہیں کہ بعینہٖ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔ لہٰذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں انہیں ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حکم کے لحاظ سے ان کی جزیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کا روح اسلام سے کوئی علاقہ نہیں۔

محترمی! کیا آپ فرمائیں گے کہ محترم مودودی صاحب کے عقیدہ میں اور طلوع اسلام کے مذکورہ صدر مسلک میں کیا فرق ہے؟ اور اس کے بعد کیا آپ یہ بتائیں گے کہ آپ مودودی صاحب کو خود اپنے بیان فرمودہ اصول کے مطابق منکر رسالت سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایسا نہیں سمجھتے تو کیوں؟

(۳) ہمیں معلوم ہے کہ نہ آپ اس کا کوئی جواب دیں گے نہ خود مودودی صاحب جنہوں نے اپنے رسالہ میں آپ کے مضمون کو شائع کیا ہے اس پر ہمارا سابقہ تجربہ شاہد ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے آپ کو براہ راست مخاطب کیا ہے کہ شاید آپ جماعت کی عصبیت سے بلند ہو کر ہماری پیش کردہ عرضداشت پر غور کرنے کی ہمت فرمائیں۔ اگر اس کے جواب میں آپ کچھ لکھنا چاہیں تو طلوع اسلام کے صفحات اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کریں گے۔

والسلام

نقد و نظر

NOTES ON IQBAL'S ASRAR-E-KHUDI

مدتوں کے بعد ایک ایسی کتاب ہاتھ میں آئی جس کی تمہید کی ابتدائی چند سطور نے کتاب کے متعلق ایسی جاذبیت پیدا کی کہ جب تک اسے ختم نہ کر لیا۔ دوسری طرف توجہ ہی نہیں جا سکی کتاب کا نام اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ اسے پروفیسر آربری نے ایڈٹ کیا ہے۔ اور شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور نے چھاپا ہے۔ پروفیسر آربری، اقبال کے ساتھ خاص شغف رکھتے ہیں اور زبور عجم کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ تمہید کی ابتدائی سطور یہ ہیں:

پروفیسر نکلسن نے جنہوں نے اقبال کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا، ۱۹۴۵ء میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی لائبریری کیمبرج کے ایک مشہور کتب فروش کے ہاتھوں فروخت کی گئی۔ ایک دن میں ان کی کتابوں کو دیکھ رہا تھا کہ میری نگاہ پروفیسر نکلسن کے ترجمہ اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن پر پڑی جو ۱۹۲۰ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کتاب میں جابجا اصلاحات کی گئی ہیں۔ یہ اصلاحات پروفیسر نکلسن کے ہاتھ کی نہ تھیں بلکہ کسی اور کے قلم کی تھیں۔ جب ان کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ تو خود علامہ اقبال کے ہاتھ کی ہیں اس کی تصدیق (کہ وہ قلم علامہ اقبال ہی کا ہے) ان کے صاحبزادہ، جاوید اقبال سے بھی ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے نکلسن کے ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن دیکھا جو ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا تھا مجھے نظر آیا کہ اس ایڈیشن میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ وہ ڈاکٹر اقبال ہی کی اصلاحات کے مطابق ہیں۔

یعنی پروفیسر نکلسن نے علامہ اقبال کی مثنوی اسرار خودی کا جو ترجمہ شائع کیا تھا۔ وہ بعض مقامات پر اصلاح طلب تھا۔ علامہ اقبال نے ایک نسخہ میں ان مقامات کی تصحیح کی اور یہ نسخہ پروفیسر نکلسن کو بھیج دیا۔ انھوں نے اپنے ترجمہ میں نظرثانی کی اور متعلقہ مقامات کو علامہ اقبال کی تصحیح کی روشنی میں درست کر دیا۔ اس وقت نکلسن کا جو ترجمہ بازار میں ملتا ہے۔ وہ اس طرح سے تصحیح شدہ ہے۔ پروفیسر آربری نے کیا یہ کہ پہلے نکلسن کا وہ ترجمہ لیا جو اس کے پہلے ایڈیشن میں شامل تھا۔ پھر اس کے نیچے اقبال کی اصلاح درج کی۔ اور اس کے بعد نکلسن کے دوسرے ایڈیشن کا ترجمہ لکھ دیا۔ بعض مقامات ایسے بھی ہیں جن میں علامہ اقبال کی اصلاح پورے طور پر نکلسن کے دوسرے ایڈیشن میں نہیں آسکی۔ آربری کی فہرست میں یہ مقامات بھی موجود ہیں۔ اس فہرست کو شیخ محمد اشرف نے شائع کیا ہے۔ یہ فہرست بڑی مختصر سی ہے۔ جو چھوٹے سائز کے ۴۸ صفحات میں آگئی ہے۔ علامہ اقبال نے ایک ایک دو دو لفظ کی تبدیلیاں ہی کی ہیں۔ اور ان تبدیلیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ نظر آجاتا ہے کہ ایک لفظ کی تبدیلی سے بھی بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اس اعتبار سے کہ یہ اصلاحات خود علامہ اقبال کی ہیں اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے حلقہ میں بڑی قیمتی متاع سمجھی جائیگی اس نقطۂ نگاہ سے کتاب کی قیمت یعنی ڈیڑھ روپیہ کچھ بھی نہیں ویسے کتاب بڑی دیدہ زیب ہے اور یہ چیز اشرف پبلیکیشنز کی خصوصیت ہے۔

شکوہ و جواب شکوہ

پروفیسر آربری نے علامہ اقبال کے شکوہ و جواب شکوہ کا ترجمہ انگریزی نظم میں کیا ہے جسے شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور نے بڑی پاکیزگی سے شائع کیا ہے۔ مترجم کو اعتراف ہے کہ اس کی اردو کی استعداد زیادہ نہیں۔ اور اس کا ترجمہ شکوہ و جواب شکوہ کے اس انگریزی ترجمہ پر مبنی ہے۔ جو اس کے لئے پہلے نثر میں کرا دیا گیا تھا۔ یعنی ایک صاحب نے شکوہ و جواب شکوہ

ہماری چند مطبوعات

اسلامی تقاریب
مرتبہ:۔ غلام دستگیر

ہر مذہب کے مزاج اور روح کی ایک جھلک اس کی تقاریب میں بھی ملتی ہے۔ اسلام کا کردار اسلامی تقاریب میں بھی جلوہ گر ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کے ممتاز علماء اور دانشوروں کے مضامین شامل ہیں۔ اور اس آئینہ میں اسلامی تقاریب کا ہر نقش اُبھر آیا ہے۔

قیمت:۔ چار روپے

فتح المجاہدین

زین العابدین شاستری کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اسے ڈاکٹر محمود حسین خاں صدر شعبۂ تاریخ کراچی یونیورسٹی نے مُرتب فرمایا ہے۔ یہ کتاب اسلامی تاریخ کے ایک دَور سے ہمیں نئے انداز سے روشناس کراتی ہے۔ سلطان ٹیپو کے عہد کی عسکری زندگی اس کتاب میں مجسم ہو گئی ہے۔

قیمت:۔ پندرہ روپے

فکرِ اقبال

اقبال کی شخصیت مجمع البحرین تھی۔ اُن کی ذات مشرق و مغرب کی دانش کا مجموعہ تھی اور قرآن وہ معیار تھا۔ جس پر اقبال نے کائنات کی ہر شے کو پرکھا ہے۔

فکرِ اقبال میں برصغیر کے ممتاز ترین ادیبوں اور دانشوروں کے مقالات شامل ہیں۔ یہ کتاب آپ کے سامنے اقبال کی ایک مکمل اور صحیح تصویر پیش کریگی

مرتبہ۔ غلام دستگیر   قیمت:۔ چار روپے

بچوں اور کم پڑھے حضرات کے لئے

قرآنی تعلیمات	مولوی سلیم عبداللہ	قیمت ایک روپیہ بارہ آنے
قرآن پاک کیا ہے؟	مولانا عبدالواحد سندھی	" ایک روپیہ آٹھ آنے
رسول پاک کون تھے؟	" "	" " "

اُردو اکیڈمی (سندھ)

اکیڈمی اسٹریٹ ـــــ نزد مولوی مسافر خانہ ـــــ بندر روڈ ـــــ کراچی

کا انگریزی نثر میں ترجمہ کیا۔ اور اس انگریزی نثر کو پروفیسر آربری نے نظم کے قالب میں ڈھالا۔ اس انداز سے منظوم ترجمہ میں جو کمزوریاں پیدا ہونگی۔ وہ ظاہر ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے پہلے الطاف حسین (ایڈیٹر ڈان) نے شکوہ و جواب شکوہ کا جو ترجمہ کیا تھا۔ اور جسے شیخ محمد اشرف صاحب نے ہی شائع کیا تھا۔ وہ اس سے بہتر تھا۔ بہرحال اس اعتبار سے کہ شاید پروفیسر آربری کے نام کی وجہ سے یہ ترجمہ مغربی ممالک میں بھی پہنچ جائے گا۔ اس کی اشاعت مفید سمجھی جا سکتی ہے۔ ضخامت ۸۰ صفحات، قیمت دو روپے۔

THE ESSENCE OF ISLAMIC TEACHINGS	پروفیسر نواب علی سابق وزیر تعلیم ریاست

جونا گڑھ علمی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کے مذہبی مضامین اور بعض تصانیف مشہور ہیں۔ یہ سرسید کے مکتب فکر سے متعلق ہیں (اور اسی مکتب کی طرف انھوں نے زیر نظر تالیف کو منسوب بھی کیا ہے) اس اعتبار سے وہ مذہب کو عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ۹۰ صفحات کی اس مختصر سی تالیف میں انھوں نے اسلام کے اخلاقی گوشوں کو مختصر انداز میں پیش کیا ہے۔ جو عام سطح کے لوگوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

سرسید کا قوم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانی عقل و فکر کو پھر سے مذہب کے دائرے میں لانے کی دعوت دی جس کے پیچھے ارباب مذہب صدیوں سے لٹھ لئے پھر رہے تھے۔ دین کو اس انداز سے پیش کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ جوں جوں زمانہ عقل و فکر میں آگے بڑھتا جائے۔ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے چلے جائیں۔ اگرچہ سرسید کے زمانہ کو بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ لیکن زمانہ من حیث الکل ایسا تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے کہ جو مسائل ہمارے زمانہ میں اس قدر اہمیت حاصل کر گئے ہیں۔ سرسید کے زمانہ میں انھیں ایسی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ آج اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے دور کے اہم مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں پیش کر دیں اور یہ بتائیں کہ وہ انسانی فکر کو کتنی صحیح رہنمائی دیتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کی قیمت، ڈیڑھ روپیہ ہے۔

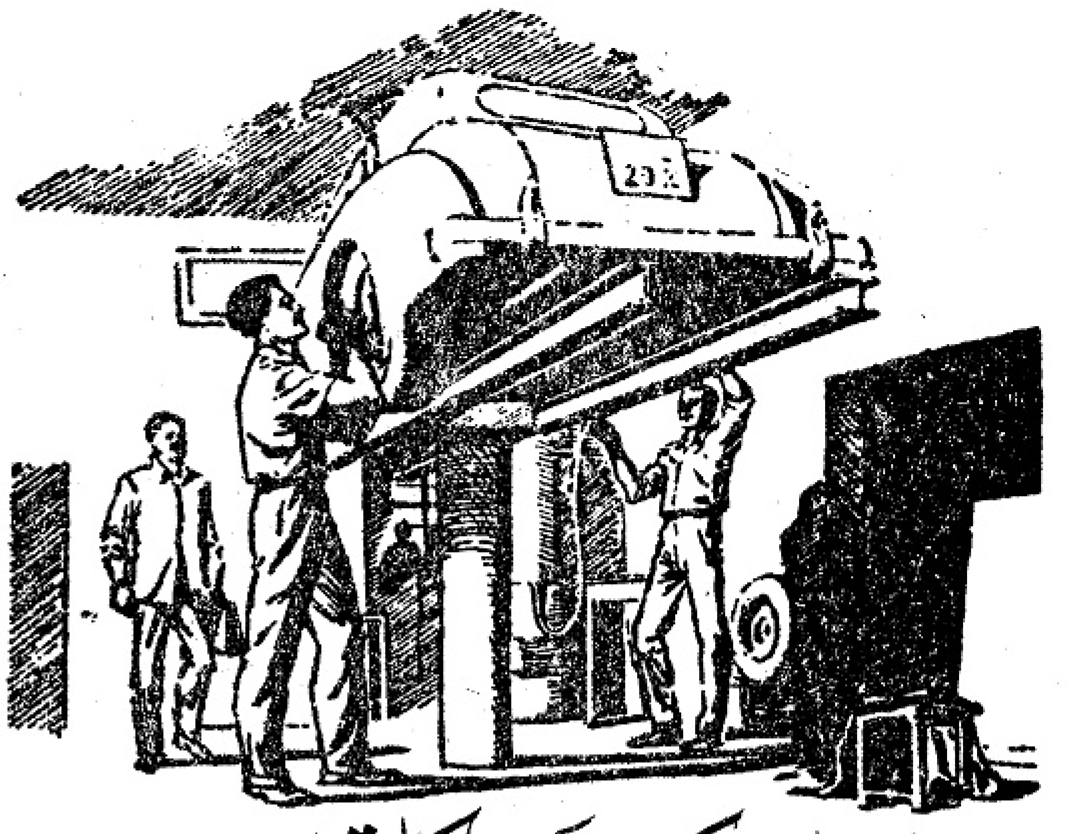

جہاں تک سروس کا تعلق ہے...

مارفک لبری ٹکشن سروس سے آپ کی موٹر کار کی زندگی میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ سسٹم خصوصی طور پر اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ مناسب وقفوں کے بعد صحیح قسم کے لبری کینٹس آپ کی موٹر کار کو ملتے رہیں۔ اور موٹر کار باقاعدگی کے ساتھ ہر وقت چکنی رہتی ہے۔ صحیح قسم کے لبری کینٹس خصوصی طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اعلیٰ کارکردگی اور طویل سروس حاصل ہو کالٹکس کے سروس اسٹیشنوں پر قابل اور سند یافتہ موٹر میکینک آپ کی کار میں موقع بے موقع تیل ڈالنے کے بجائے چارٹ کی رو سے مناسب اور صحیح لبری کینٹس ڈالتے ہیں۔

کار کا صحیح علاج کرائیں اپنے خوش خلق کالٹکس ڈیلر کے ساتھ یہ انتظام کر لیں کہ وہ باقاعدہ مارفک لبری ٹیکشن سروس فراہم کرتا ہے۔ اس سے آپ کی کار بہترین حالت میں رہے گی۔

کالٹکس
پٹرولیم پروڈکٹس

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے ۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے ۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے ۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے ۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷ ۔ کراچی ۔ ۳

فالتو روپیہ

تمام خرابیوں کی جڑ ہے -

جس کے پاس "فالتو روپیہ" ہے وہ اسے چھپائے پھرتا ہے تاکہ کوئی چھین نہ لے - وہ جیب میں رکھتا ہے تو جیب کترا نکالنے کی کوشش کرتا ہے - کیش بکس میں چور نقب لگا لیتا ہے - بنک میں ٹیکسوں والے گھیر لیتے ھیں - یہاں سے کچھ بچے تو "نذرانے" والے آموجود ہوتے ھیں -

قرآن کسی کی جیب سے روپیہ نہیں نکالتا -

وہ اس کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ فالتو روپیہ

معاشرہ کے حوالہ کر دیتا ہے -

یہ انقلاب کیسے واقع ہوتا ہے

اس کی داستان کیلئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

عہد حاضر کی عظیم کتاب -

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ سیکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM

جلد نمبر ۸
شمارہ ٣٧

کراچی: ہفتہ - ١۵ اکتوبر ١٩۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

اس جنتی معاشرہ میں جواہرات سے مرصع پلنگ ہونگے - دہرے مضبوط بنے ہوئے - سرر موضونه" (٥٦/١٥) - شیشے کے آبخورے - بلوریں آفتابے - مزین پیالے - باکواب واباریق و کاس من معین (٥٦/١٨) حسب پسند میوے - فاکهه" مما یتخیرون (٥٦/٢٠) پرندوں کا گوشت جو بڑا ہی مرغوب خاطر ہو - ولحم طیر مما یشتہون (٥٦/٢١) کیلوں کے گچھے تہ بہ تہ - طلح منضود بافراط پھل - فاکهه" کثیرة - جھرنوں سے گرتا ہوا پانی - ماء مسکوب (٥٦/٣٠) دبیز اور باریک ریشم کے خوشنما لباس - ثیاب سندس خضر واستبرق (٧٦/٢١) - غرضکہ آرائش، آسائش، اور زیبائش کے تمام سامان اس میں میسر ہونگے - افراد کا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی فطری اور اکتسابی صلاحیتوں کے ما حصل کو نظام خداوندی کے سپرد کردیں اور یہ معاشرہ اس کے بدلے میں یہ تمام چیزیں ان کے لئے مہیا کریگا -

قرآنی حقائق کا بیان
(محترم پرویز صاحب)
اتوار صبح ۹ بجے
فاولرز لائن - نیپئر بیرکس - کراچی

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

١ تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

٢ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

٣ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اس کے خلاف ہے غلط ہے۔

٤ حضور نبی اکرمؐ انسانیت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن عجمی سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی روایتیں شامل کر دی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضورؐ کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

٦ اس عالمگیر نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانونِ شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

٧ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا (اسے ربوبیتِ عامہ یعنی تمام نوعِ انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے)

٨ ربوبیتِ عامہ کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

ابتداءً پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفاتِ خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو سکے اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ چودہ اکتوبر ★ ہائے طاؤس ★ مصر کا فیصلہ ★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت
★ مجلس اقبال ★ عورت کا قرآن ★ متعہ بھی جائز قرار دیا گیا ★ الفاروق
★ باب المراسلات ★ عالم اسلامی

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳۔ کراچی ۳۔

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
ہفت روزہ
طلوعِ اسلام
جلد ۸ ہفتہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء نمبر ۳۷

۱۴ر اکتوبر

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بوئے گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی

یوں تو ہر دن اللہ ہی کا ہوتا ہے لیکن بعض دنوں میں اس قسم کے عظیم الشان انقلاب واقع ہوتے ہیں کہ قرآن انہیں "ایام اللہ" کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح قوموں کی زندگی میں بعض دن ایسے آتے ہیں جن میں ان کا کاروانِ حیات ایک نیا موڑ مڑتا ہے اور اس سے ان کی قسمت کا پانسہ پلٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے دن قوموں کی زندگی میں یادگار بن جاتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں درخشندہ حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ مسلمانانِ ہند و پاکستان کی حیاتِ ملی میں گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں کئی دن ایسے آئے ہیں جن کی یاد کو تاریخ اپنی آغوش میں محفوظ رکھے گی۔ ان میں سب سے پہلا یادگار دن ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کا تھا جب الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں، حکیم الاُمت علامہ اقبالؒ نے اپنا وہ خطبۂ صدارت ارزانی فرمایا جس نے فی الحقیقت اس قوم کے مستقبل کے دھارے کا رُخ بدل دیا۔ اُس سے پہلے مسلمانانِ ہند ایک راہ گم کردہ قافلے کی طرح پریشان و سرگرداں، ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ ان کے پاؤں اُٹھتے تھے لیکن نہ سراغِ راہ ان کے سامنے تھا نہ نشانِ منزل۔ وہ ہر دُور سے نظر آنے والے غبار کی طرف لپک کر بڑھتے تھے کہ شاید اس میں وہ "شہ سوارِ اشہبِ دوراں" ہو جو انہیں صحیح وسلامت منزلِ مقصود تک لے جائے لیکن اس کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ جاتے تھے کہ وہ غبار بگولے کے رقص سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس تشتت و انتشار اور یاس و حزن کے عالم میں اُس حکیم الاُمت نے جسے قرآنی بصیرت نے دیدۂ انجم عطا فرمایا تھا، ان پراگندہ افراد کارواں کو پکارا اور نہایت حکمت و تدبر اور شفقت و محبت سے انہیں بتایا کہ ان کی منزلِ مقصود کیا ہے اور اس تک پہنچنے کا صحیح راستہ کونسا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین سے کہا کہ

> آپ نے مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت کے لئے اس شخص کو منتخب کیا ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس نہیں۔ اسے پورا پورا یقین ہے کہ اسلام میں وہ قوت موجود ہے جو انسان کو اس کی تنگ نظری سے نجات دلا سکتی ہے جسے جغرافیائی حدود نے پیدا کر دیا ہے۔ جس کا ایمان یہ ہے کہ ایک فرد یا مملکت کی زندگی میں مذہب کی قوت بیحد اہمیت رکھتی ہے۔ اور جو (اس حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت) یقین رکھتا ہے کہ اسلام اپنی تقدیر آپ ہے۔ اس لئے دنیا کا کوئی حادثہ اسے تباہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے جو تم نے سمجھ رکھا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت وطن کی حدود سے متشکل ہوتی ہے۔ ان کی قومیت کا مدار اسلام پر ہے۔

> جس نے جذبات اور وفا شعاریوں کے وہ بنیادی اصول عطا کئے ہیں جو رفتہ رفتہ پراگندہ افراد اور منتشر گروہوں میں یک جہتی اور یک رنگی پیدا کر کے انہیں آخر الامر ایک متعین قوم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

قومیت کی ان نئی بنیادوں کی وضاحت کے بعد، وہ مسلمانانِ ہند کے مستقبل کو سامنے لائے اور کہا کہ

> میں چاہتا ہوں کہ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے ایک مملکت بنا لیا جائے

انہوں نے اپنی اس آواز کے اظہار تک ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایمان و ایقان کی ایک ایسی آواز کے ساتھ جو دل کی گہرائیوں سے اُبھرا کرتی ہے، پورے حتم و یقین سے فرمایا کہ

> حکومت برطانیہ کے دائرہ کے اندر ہو یا آزادانہ طور پر۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک مستحکم اور متحدہ مملکت کا قیام ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے

یہ تھا نشانِ منزل (یعنی ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک متحدہ مملکت کا قیام) اور وہ تھا سراغِ راہ (یعنی وطنی، نسلی، لسانی، نسبتوں سے بلند ہو کر، محض اسلام کی بنیادوں پر مسلم قومیت کی تشکیل)، جو ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو اس پراگندہ فکر اور افسردہ خاطر قوم کے سامنے رکھا گیا۔ یہ دن، فی الحقیقت مسلمانانِ ہندوستان کی زندگی میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہنے والا دن تھا۔

چونکہ ہر انقلابی آواز کی طرح یہ آواز بھی اپنے زمانے سے بہت آگے تھی اس لئے کسی نے اسے سنجیدگی سے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن زمانے کے تقاضے قوم کو کشاں کشاں اسی طرف لئے جا رہے تھے۔ انہی تقاضوں نے ان میں قائد اعظمؒ جیسی شخصیت کو ابھار دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے، قومیت کے اس "جدید" تصور کے ماتحت، مسلمانانِ ہند کو ایک جداگانہ ملت، کی حیثیت سے منظم کیا اور اس کے بعد ان میں اس منزل کے شعور کو بیدار کیا جس کا نشان اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء میں دیا تھا۔ چنانچہ چند ہی سال کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم نے ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو، اسی حکیم الامتؒ کے مرقد کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے اس عزم کا اعلان کیا کہ ہم ہندوستان میں اپنی جداگانہ مملکت کو قائم کر کے رہیں گے۔ یہ دن بھی اس قوم کی کتابِ زندگی میں ستاروں کی روشنائی میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس عزم کے بعد، اس منزل تک پہنچنے کے لئے مسلسل جد و جہد جاری رہی تا آنکہ انہیں نہ صرف شمال مغربی علاقہ بلکہ اس کے ساتھ ہی شمال مشرقی ہند میں بھی ایسا خطۂ زمین مل گیا جس میں یہ اپنے تصورات کے مطابق اپنی آزاد مملکت قائم کر سکتے تھے۔ یہ انقلابِ عظیم ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو واقع ہوا۔ یہ دن ان کی حیاتِ ملی میں ہزاروں مسرتوں اور لاکھوں شادمانیوں کا پیامبر تھا اور بلا شائبۂ تشکیک، قرطاسِ ارض پر سورج کی کرنوں سے مرصع کاری اور زرنگاری کا مستحق۔ اس طرح سترہ سال کے قلیل عرصہ میں (جو قوموں کی زندگی میں پلک جھپکنے سے زیادہ کا عرصہ نہیں کہلا سکتا) ایک "شاعر کا خواب" "خوابِ یوسف" کی طرح حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آ گیا۔

لیکن جہاں ایک طرف، اس قوم کی قسمت کے ستارے

یوں ایک ایک کرکے بیدار ہوتے جارہے تھے، تاریکی کا ایک گوشہ بھی اس کے ساتھ چلا آرہا تھا کہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا لیکن قبل اس کے کہ یہ حقیقت منتظر لباس مجاز میں سامنے آجائے، وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔ پھر جناح نے وہ خطۂ ارض حاصل کرلیا جس میں اس جدید مملکت کو متشکل ہونا تھا لیکن قبل اس کے کہ اس کی بنیادیں اس نقشے کے مطابق استوار ہوں، وہ بھی ہمیں الوداع کہہ گیا۔ اب قوم کے برسر اقتدار طبقہ کی حالت ان رئیس زادوں کی سی ہوگئی جنہیں بیٹھے بٹھائے ایک ریاست ورثہ میں مل جائے۔ اور عوام کی حالت ان یتیموں کی سی جن کا کوئی والی وارث ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں، اوپر کے طبقے نے اس مفت میں ملی ہوئی ریاست کا جو کچھ حشر کیا اور نیچے کے طبقے کے ساتھ جو کچھ بیتی اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (9/82) انہوں نے جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کیا ہے، انہیں چاہیئے کہ اسے دیکھ کر روئیں بہت زیادہ اور ہنسیں بہت کم۔

لیکن جب پانی حد سے گزرنے لگا تو بعض دردمند دلوں میں اس کا احساس پیدا ہوا کہ اس بگڑتے ہوئے نقشے کو کس طرح سنبھالنا چاہیئے۔ چنانچہ جب انہوں نے علل مرض پر غور کیا تو انہیں صاف نظر آگیا کہ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے شمال مغربی خطۂ پاکستان کو بدستور صوبوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ حالانکہ اقبال کا تصور یہ تھا (اور یہ تصور اسلام کی بنیادی تعلیم، وحدت ملت کے عین مطابق تھا) کہ

> پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ کو ملا کر ایک واحد مملکت بنا لیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد شروع کی۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس کی ہر طرف سے تعریف و تائید ہونی چاہیئے تھی لیکن ہم نے صوبہ پرستی کے ناگ کو آٹھ برس تک جو بلا مزاحمت کھلا رکھ چھوڑا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے پورے کے پورے جسدِ ملت کو زہر آلود کردیا۔ اس لئے وحدتِ ملت کے اس اقدام کی بھی مخالفت ہوئی اور سخت مخالفت ہوئی۔ سخت ہی نہیں بلکہ شرمناک حد تک پست۔ ہم اس مخالفت کو دیکھ رہے تھے اور بادیدۂ نم اور آہِ سرد کہہ رہے تھے کہ یا اللہ! کیا یہ وہی قوم ہے جس کا ایمان یہ ہے کہ ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دینے سے افریقہ کا حبشی، ایران کا شاہزادہ، چین کا فغفور اور عرب کا بادیہ نشین سب ایک ملتِ واحدہ کے افراد بن جاتے ہیں، بایں لحاظ کہ اگر افریقہ کے حبشی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو ایران کا شہنشاہ اپنی حریر و اطلس کی خوابگاہ میں ایک ثانیہ کے لئے سو نہ سکے! بارے غنیمت ہوا کہ مخالفتوں کے یہ بادل چھٹ گئے اور مجلس آئین ساز نے اس مسودۂ قانون کو اپنی منظوری دیدی۔ اس کے بعد اسے گورنر جنرل کی تصویب بھی حاصل ہوگئی اور یہ نشید جاں فزا ابھی وجہ سکونِ قلب ہوگئی کہ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۵ء کو شمال مغربی خطۂ پاکستان ایک "وحدت" بن جائے گا۔ چنانچہ جب یہ سطور قارئین کی نگاہوں کے سامنے ہوں گی تو اس خطہ سے صوبوں کا وجود مٹ چکا ہوگا۔ اور کراچی سے پشاور بلکہ اس سے بھی آگے اٹک ایک وحدت قائم ہوچکی ہوگی۔ درخور ہزار مبارکباد ہیں وہ جنہوں نے اس وحدت کی عملی تشکیل کے لئے کوششیں کیں۔ آنے والی نسلیں انہیں اپنا محسن مانیں گی اور نیک دعاؤں کے ساتھ ان کا نام لیں گی۔

یہ دن بھی ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ کی حیاتِ قومی میں آبِ حیات سے لکھنے کے قابل ہے۔

لیکن

(اور یہ لیکن بہت اہم ہے کہ) جس طرح ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو ایک خطۂ زمین مل جانے سے اس پاکستان کی تشکیل نہیں ہوگئی تھی جس کا تصور، قرآنی خطوط کے مطابق، اقبال نے دیا تھا۔ اسی طرح ۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بعض صوبوں کی تنسیخ سے وہ وحدت وجود میں نہیں آجائے گی جو وحدتِ ملت کی حقیقی بنیاد ہے۔ ۱۴؍اگست کو ہمیں صرف اس امر کی امکانی قوت حاصل ہوئی تھی کہ اگر ہم چاہیں تو اس خطۂ ارض میں اپنے تصورات کے مطابق اپنا معاشرہ قائم کرسکیں۔ اسی طرح، ۱۴؍اکتوبر کو ہمیں صرف یہ سہولت میسر ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اس خطہ میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو ایک ملتِ واحدۂ اسلامیہ بنا سکیں تاکہ وہ اپنی زندگی کو صحیح اسلامی قالب میں ڈھلنے کے قابل ہوجائے۔ اقبال نے تخلیق پاکستان کی اہمیت یہ بتائی تھی کہ

> ہندوستان میں، بہ حیثیت ایک ثقافتی قوت کے، اسلام کی زندگی کا دار و مدار اس پر ہے کہ اسے ایک خاص خطہ میں مرکوز کردیا جائے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ "یہ خطۂ زمین بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت کا ذریعہ بن جائے گا خواہ وہ حملے توپ و تفنگ کے ہوں اور خواہ نظریات و تصورات کے۔" اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ

> اس سے اسلام کو اس کا موقع مل سکے گا کہ وہ اپنے آپ کو ان اثرات سے پاک اور صاف کرلے جنہوں نے اسے عربی ملوکیت کے زمانے میں ملوث کردیا تھا۔ یہ اپنی تعلیم، اپنی ثقافت اور اپنے قوانین کو ایک طرف حقیقی اسلام سے اور دوسری طرف دور حاضرہ کے تقاضوں سے قریب تر کرسکے گا۔

یہ تھے وہ فوائد جو اسلام کو اس صورت میں حاصل ہونے تھے جب شمال مغربی خطہ ایک واحد مملکت بن جاتا۔ اب جبکہ ہم نے شمال مغربی خطہ کو ایک وحدت بنا لیا ہے، ہمارے پیش نظر ان مقاصد کا حصول ہونا چاہیئے۔ یعنی ہم اس خطہ میں ایسا معاشرہ قائم کریں جو حقیقی اسلام (یعنی قرآن) کے اصولوں پر متشکل ہو اور ان اصولوں کی روشنی میں ہم ایسے جزئی قوانین مرتب کریں جو دورِ حاضر کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کرسکیں۔ اسی سے اسلام ان غیر اسلامی عناصر سے منزہ ہوسکے گا جو ہمارے دورِ ملوکیت کی یادگار ہیں اور جنہیں ہم غلط فہمی سے ہزار برس سے حقیقی اسلام سمجھ کر سینے سے لگائے پھر رہے ہیں۔ اور اسی سے ہمارا دین ایک زندہ قوت بن کر دنیا میں ہماری حفاظت اور صیانت کا ذمہ دار بن جائے گا۔ اس لئے کہ (اقبال کے الفاظ میں) تاریخ کے نازک ادوار میں، اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا۔"

اقبال نے اپنے مذکورۂ بالا خطبہ میں یہ بھی بتایا تھا کہ ہمارے زوال کی دو علتیں بالکل نمایاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم میں صحیح ٹائپ کے لیڈر نہیں۔

> لیڈر سے میری مراد ایسے افراد ہیں جو اپنی خداداد بصیرت یا تجربہ کی بنا پر اسلام کی روح اور اس کی غایت سے پوری طرح واقف ہوں اور دوسری طرف عصرِ حاضر کے تقاضوں کا بھی صحیح صحیح احساس رکھتے ہوں۔ اس قسم کے افراد درحقیقت قوم کے لئے "خدائی قوت" کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے بنے بنائے ملتے ہیں۔ آرڈر دے کر بنوائے نہیں جاسکتے۔

دوسری علت انہوں نے یہ بتائی تھی کہ ہماری قوم میں ملی شعور کی کمی ہوتی جارہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے ذاتی مفاد کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ملت کے تعمیری کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں اس وقت کوئی لیڈر بھی ان خصوصیات کا حامل نہیں جس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے۔ جو لوگ فضا میں خلا کی وجہ سے مذہبی پیشوائیت کی مسندوں پر متمکن ہوگئے ہیں اور زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں انہیں نہ اس کا علم ہے کہ اسلام کی روح اور غایت کیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا شعور کہ عصر حاضر کے تقاضے کیا۔ لیکن اس کمی کو اس طرح پورا کیا جاسکتا ہے کہ ہم باہمی مشاورت سے اپنے تمام معاملات میں قرآن سے راہ نمائی حاصل کریں اور اس کی روشنی میں عصرِ حاضر کے پیش کردہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کوشش میں ہم کسی جگہ غلطی بھی کر جائیں۔ لیکن غلطیوں سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔ مزید تجربہ غلطیوں کی اصلاح خود بخود کردیا کرتا ہے۔ باقی رہی قوم میں ملی شعور کی بیداری، سو اس کی واحد صورت وہی ہے جسے قرآن نے بطور اصل الاصول پیش کیا ہے۔ یعنی انفرادی مفاد کو کم از کم کرکے ملی مفاد کو زیادہ سے زیادہ کردیا جائے۔ بالفاظ دیگر، رزق کے سرچشموں کو انفرادی ملکیت سے نکال کر ملت کی اجتماعی

تحویل میں دیا جائے تاکہ وہ انہیں تمام افرادِ ملت کی نشوونما کے کاموں میں صرف کرسکے۔ قرآن نے اقوام کی تخلیق اور نشأۃ ثانیہ کا ایک اہم اصول بتایا ہے اور وہ یہ کہ پوری کی پوری قوم ایک فردِ واحد کی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (۳۱/۲۸) اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس جدید وحدت (مغربی پاکستان) میں رزق کے سرچشموں میں افراد کا الگ الگ مفاد نہ رہے بلکہ پوری ملت کا مفاد مشترکہ ہو۔ اور اس کے بعد کسی کے دل میں قطعاً یہ خیال نہ پیدا ہو کہ وہ سندھی ہے یا پنجابی۔ بلوچی ہے یا سرحدی۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی، امتیازاتِ رنگ و بو کے بیئت ہمارے دلوں میں قائم رہے تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے دلوں میں ایمان نے گھر نہیں کیا۔ ہم بدستور شرک کے مشرک ہیں۔

ہم مغربی پاکستان کی وحدت کے اربابِ حل و عقد سے باادب گزارش کریں گے کہ فطرت کی طرف سے ہیں ایک بار پھر موقع ملا ہے کہ ہم دکھا سکیں کہ ہم اس کے اس عطیۂ کبریٰ کے اہل ہیں جو اس نے ہمیں اس طرح عطا فرمایا ہے۔ اگر آپ نے یہ سمجھ لیا کہ ہمیں یہ خطۂ زمین اس لئے عطا ہوا ہے کہ ہم نے اس میں صحیح قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے اور اس کے لئے پوری پوری کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ اجتماعی طور پر ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ، اقوامِ عالم کی امامت کی سزاوار قرار پا جائے گی۔ بلکہ انفرادی طور پر آپ حضرات کا نام تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور آنے والی نسلیں آپ کو اپنے محسن کی حیثیت سے یاد کریں گی۔ لیکن اگر آپ نے خداوندی ضابطہ سے راہ نمائی حاصل کی اور نہ ہی ملت کے اجتماعی مفاد کا کچھ خیال کیا تو ملت کی تباہی کے ساتھ آپ کے حصہ میں بھی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

کیا ہم توقع کریں کہ آپ وہی راستہ اختیار کریں گے جس میں اسلام کی سربلندی۔ ملت کی سرفرازی اور آپ کی نیک نامی کا راز مضمر ہے؟ پوری کی پوری ملت آپ کی طرف آنکھیں لگائے دیکھ رہی ہے کہ آپ کونسا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (۷۶/۳)

پائے طاؤس

کہتے ہیں کہ مور اپنے پروں کی قوس قزاحی رنگینیوں میں جذب ہو کر بڑے والہانہ انداز سے ناچتا ہے، اور اس وجدانی کیفیت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد جب اس کی نظر اپنے پاؤں پر پڑتی ہے تو اس کی ساری خوشی رنج میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے پھیلے ہوئے پر سمٹ جاتے ہیں۔ جذب و وجدان کی ساری کیفیت گم ہو جاتی ہے اور اس کا حسرت زدہ دل خون بن کر اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑتا ہے۔

مندرجہ بالا مقالہ افتتاحیہ لکھنے کے بعد ہماری کیفیت بھی اسی حسرت زدہ مور کی سی ہو گئی جب ہم نے یہ خبر پڑھی

کہ کراچی کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے یہ شہر رہے گا تو مغربی پاکستان کی وحدت میں لیکن اس کا نظم و نسق مرکز کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہم حیران ہیں کہ اس فیصلہ کے متعلق کیا لکھیں۔ ہمیں سب سے زیادہ افسوس اس احساس سے ہے کہ جب دنیا کے مدبر ہماری مجلس آئین ساز کے اس فیصلے کو دیکھیں گے تو وہ اس مجلس کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ اس قسم کی دو عملی عہد بارینہ میں ہوتی ہو تو ہو عصرِ حاضر کے آئینی دور میں اس کی مثال مشکل سے کہیں ملے گی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دو عملی چلے گی کیسے؟ کراچی کے اراکین مغربی پاکستان کی مجلس قانون ساز میں اس شہر کی نمائندگی کریں گے۔ لیکن جو قوانین وہاں مرتب ہوں گے ان کا اطلاق کراچی پر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اس کا نظم و نسق اس مجلس کی حدود سے باہر ہوگا۔ ہماری سمجھ میں تو ان الفاظ کے معنی بھی نہیں آتے کہ "کراچی کا شہر مغربی پاکستان میں رہے گا اور اس کا نظم و نسق مرکز کے ہاتھ میں رہے گا" اگر نظم و نسق مرکز کے ہاتھ میں ہوگا تو کراچی کا شہر کس مقصد کے لئے مغربی پاکستان میں رہے گا؟ یہ نظم و نسق ہی تو ہے جس کے لئے کوئی علاقہ کسی خاص حکومت کی تحویل میں رہتا ہے۔ اگر اس کا نظم و نسق کسی دوسرے کی تحویل میں ہو تو محض نقشہ پر یہ لکھ دینا کہ یہ علاقہ فلاں حکومت کے رقبہ میں شامل ہے مضحکہ انگیز نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ دو عملی درحقیقت اس دودلی کی غماز ہے جس کا مظاہرہ ہمارے اربابِ حل و عقد کی طرف سے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔

پچھلے دنوں جب مغربی پاکستان بل کا مسودہ مجلس آئین ساز میں زیر بحث تھا تو حزبِ مخالف کی طرف سے جس طرزِ عمل کا مظاہرہ ہو رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کے دل میں صوبائی عصبیت کن گہرائیوں تک جا چکی ہے بعض اوقات تو غم و غصہ میں ان کی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے جذباتِ نفرت اور تعصب کو الفاظ کے پردوں میں بھی چھپا سکنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور ان کے سینوں میں ابلنے والے جذباتِ غیظ و غضب اچھل اور نکھر کر فضا میں پھیل جاتے تھے۔ کراچی کے مسئلہ کو بھی انہوں نے اپنی مخالفت کا موضوع بنا لیا تھا۔ اگرچہ ہمیں ماؤ ماورائے دروں پردہ کا علم نہیں لیکن سوئے بیناسے جو کچھ نظر آتا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کراچی کے مسئلہ میں غالباً یونائیٹڈ فرنٹ کے اراکین بھی عوامی لیگ والوں کے ہمنوا ہو گئے اور اس طرح انہوں نے حکومت کو ایک ایسے فیصلے پر مجبور کر دیا جو کسی صورت میں بھی نہ مستحسن قرار پا سکتا ہے اور نہ ہی قابلِ عمل۔

حزبِ مخالف کے ضمن میں ایک بنیادی حقیقت کا تذکرہ ضمناً ناگزیر ہو گیا ہے۔ حزبِ مخالف مغرب کے اندازِ جمہوریت کی تخلیق ہے جس میں برسرِ اقتدار پارٹی ایک گروہ کی حیثیت اختیار کرتی ہے اور محرومین کی ٹولی ان کی فریقِ مخالف بن جاتی ہے۔ ہمیں مغربی اندازِ جمہوریت اور اس کے نقصانات سے بحث نہیں لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کی رُو سے ملتِ اسلامیہ کے اندر حزبِ مخالف کا وجود یکسر غیر اسلامی تصور ہے۔ قرآن کی رُو سے حزب دو ہی ہیں۔ ایک حزب اللہ اور دوسرا حزب الشیطان۔ ایک اسلام کا حامی اور دوسرا اس کا کھلا ہوا دشمن۔ اور ان دونوں میں ابد سے ازل تک جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری ہے۔ خود حزب اللہ کے اندر ایک حزبِ مخالف کا وجود اسلام سے کھلی ہوئی سرکشی کے مترادف ہے۔ ملتِ اسلامیہ پوری کی پوری ایک ہی حزب ہے۔ اس ملت کے نمائندے ایک ہی حزب کی حیثیت سے اکٹھے بیٹھ کر باہمی مشاورت سے قوانینِ خداوندی کی روشنی میں ملت کے معاملات کا حل سوچتے ہیں۔ باہمی مشاورت میں اختلافِ آراء بھی ہو سکتا ہے لیکن ان نمائندوں کی مجلس میں مستقلاً ایک حزبِ مخالف کا وجود اس کے سوا اور کیا ہے کہ خود مسلمانوں کی مجلس میں کفر اور اسلام ایک دوسرے کے مدِ مقابل کھڑے ہیں۔ "مکہ کی زندگی" میں ایک حزبِ مخالف تھی لیکن اس حزبِ مخالف کے لیڈر ابوجہل اور ابولہب تھے۔ اب ہماری مجلس مشاورت ہے کہ اس میں ایک طرف عبداللہ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں عبدالرحمٰن اور دونوں خوش ہوتے ہیں کہ ہم اسلامی جمہوریت کے علمبردار ہیں۔

بہرحال حزبِ مخالفت کے متعلق تو ہم نے ضمناً یہ کچھ عرض کر دیا ہے۔ ورنہ یہ موضوع ایسا ہے جس پر تفصیل سے لکھا جانا چاہیئے۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ کراچی کے متعلق جو فیصلہ ہوا ہے وہ بڑا افسوسناک اور ناقابلِ عمل ہے۔ ہم ایک بار پھر ذمہ دار حضرات سے گزارش کریں گے کہ وہ اس غلطی کی فوراً اصلاح کریں ورنہ آگے چل کر یہ فیصلہ ایسی مشکلات کا موجب بن جائے گا جن پر قابو پانا ان کے بس کی بات نہ ہو گی۔

مصر کا فیصلہ

کچھ عرصے سے یہ خبریں آ رہی تھیں کہ روس نے کسی عربی ملک کو اسلحہ مہیا کرنے کی پیشکش کی ہے۔ اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ یہ پیشکش مصر کو کی گئی ہے۔ اور مصر نے اس کو منظور بھی کر لیا ہے۔ مصر کا یہ فیصلہ مسلمانانِ عالم کی سیاست کے لئے دور رس نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس کے مضمرات کو سمجھنے کے لئے ذرا اس کے پس منظر کو دیکھنے کی ضرورت ہے جس نے مصر کو اس فیصلے پر مجبور کیا۔ فلسطین میں یہودی سلطنت کا قیام عالمِ عرب کے لئے نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلامی کے لئے بڑا گہرا خطرہ ہے۔ مصر براہِ راست اس کی زد میں ہے یہ سلطنت امریکہ کی کوشش اور روس کی تائید کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئی۔ بڑی اقوام سے یہودیوں کو ایسی شہ ملی کہ اس نے اقوامِ متحدہ کے صریح فیصلوں کے علی الرغم بہت سے عربی علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی جارحیت

ایک خطرہ جاری ہے۔ سرحدوں پر عموماً جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ جو بعض اوقات باقاعدہ جنگوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر عربوں کے لئے بالعموم اور مصر کے لئے بالخصوص ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ پوری جنگی تیاری کریں۔ اقوام مغرب نے اب تک یہودیوں کی تو خوب پیٹھ ٹھونکی۔ لیکن عربوں کو اسلحہ مہیا کرنے میں خصوصی بخل سے کام لیا۔ مصر ایک عرصے سے امریکہ سے فوجی اسلحہ خریدنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن امریکہ کی شرائط ایسی تھیں کہ وہ سودا نہ کر سکا۔ اور بالآخر اس نے روس سے سودا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مصر کا فیصلہ اس اعتبار سے قابل فہم ہے کہ وہ اقوام مغرب سے مایوس ہو کر روس سے اسلحہ خریدنے پر تیار ہوا ہے جس نوعیت کا خطرہ مصر کو درپیش ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے وہ عسکری طور پر ایک دن بھی کمزور نہیں رہ سکتا۔ یہ کمزوری اقوام مغرب سے اسلحہ خرید کر پوری کی جا سکتی تھی۔ مگر وہ اس پر رضامند نہیں ہوئیں۔ لہٰذا اس کی ذمہ داری براہ راست ان پر عائد ہوتی ہے۔ اب جب مصر نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ تو امریکہ اور برطانیہ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ اور وہ مضطربانہ تگ و دو کر رہے ہیں کہ مصر اس اقدام سے باز آ جائے۔ وہ اسے اس سے باز رہنے کے لئے لالچ بھی دے رہے ہیں اور دھمکی بھی۔ لالچ تجارتی معاہدے کا ہے۔ اور دھمکی معاشی امداد روکنے کی۔ یہ حربے اپنی جگہ قابل فہم ہیں لیکن یہ مصر کو اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کرنے سے روک نہیں سکتے۔ اس کو ضرورت اسلحہ کی ہے اور یہ ضرورت نہ اس لالچ سے پوری ہو سکتی ہے نہ دھمکی سے۔ گویا امریکہ اور برطانیہ نے پہلے تو مصر کو مجبور کیا کہ وہ ان سے مایوس ہو کر روس کا رخ کرے۔ اور اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ مصر کو پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی ہو تو نہ دیکھے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امریکہ نے یہ محسوس ہی نہیں کیا یا وہ یہ محسوس نہیں کرنا چاہتا کہ یہودی خطرہ دنیائے اسلام کے لئے کس قدر حقیقی ہے۔ اور وہ اسے کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ مصر روس تک جانے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ امریکہ کی یہ نافہمی یا کج فہمی خود امریکہ کے لئے افسوسناک ہے کیونکہ اس کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ رفتہ رفتہ اس کے خلاف فضا پیدا ہو جائے گی اور جو مسلمان ممالک آج اس سے امید بھی رکھتے ہیں۔ وہ کل اس سے منہ موڑ لیں گے۔ لہٰذا اگر امریکہ کو مسلمانوں کی دوستی کی ضرورت ہے ــــ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان کی دوستی کے بغیر روس کا حریف نہیں ہو سکتا ــــ تو اسے مسلمانوں کے مزاج کو سمجھنا ہوگا اور اپنی دورخی حکمت عملی سے باز آنا ہوگا۔

امریکہ پر اس صورت حال کی ذمہ داری ڈالنے کا مطلب یہ نہیں کہ مصر اس سے بالکل بری الذمہ ہو جاتا ہے اور اس کے زیر فیصلہ کی مضرت کم ہو جاتی ہے۔ اس فیصلے کے خطرات اپنی جگہ رہتے ہیں اور یہ ایسا سوال ہے جسے مصر کو ہی نہیں تمام عالم اسلامی کو ٹھنڈے دل سے سوچنا ہوگا جیسا کہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں موجودہ عالمی کشمکش میں بڑی سے بڑی قوم بھی تنہا نہیں رہ سکتی۔ خود امریکہ اور روس چھوٹی قوموں کی دوستی حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ممالک کے تنہا رہنے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ لیکن مسلمانوں کا معاملہ دیگر اقوام سے مختلف ہے۔ پاکستان سے لے کر ترکی اور شمالی افریقہ تک مسلمان ہی مسلمان بستے ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان میں ایسے قلبی روابط ہیں جو اور قوموں کے مابین نہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ لہٰذا اگر وہ متحد ہو جائیں تو ایسا بلاک بنا سکتے ہیں۔ جو عالمی سیاست میں متوازن کردار کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ یہ علاقہ ایسا ہے جسے امریکہ اور روس دونوں اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ اب چونکہ مسلمان ممالک متفرق اور پسماندہ ہیں۔ اس لئے یہ دو ممالک عقلی حیلوں بہانوں سے انہیں ساتھ ملا لیتے ہیں۔ ایسے سودے میں اتفاق سے کسی مسلمان ملک کا فائدہ ہو سکتا ہے ورنہ بالعموم خسارہ ہی ہوگا۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ فائدہ اٹھا نہیں سکتے۔ وہ متحد ہو جائیں تو اس اتحاد کی وجہ سے ان میں ایسی قوت آ جائے گی کہ امریکہ یا روس جس سے وہ چاہیں حسب خواہ سودا کر سکیں گے۔ وہ الگ الگ رہ کر ایسا سودا نہیں کر سکتے ایسا سودا روس سے اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روس سے سودا کر کے ہر ملک اشتراکیت کا شکار بھی لازماً ہو جائے گا روس نے مصر کو جو پیشکش کی ہے۔ وہ اسلحہ تک محدود نہیں رہ سکتی۔ وہ اس بہانے مشرق وسطیٰ میں راستہ پیدا کرے گا اور پھر اس راستے سے اسلحہ کم آئیں گے اور آئیڈیالوجی زیادہ۔ ہم یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مصر نے اپنے فیصلہ کے اس پہلو کو نہیں سوچا۔ کیونکہ اس کی زد دیگر ممالک اسلامیہ پر بھی پڑتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ مل کر بیٹھیں اور سب سے پہلے اپنا ایک مشترک ادارہ قائم کریں۔ اور پھر اس کی وساطت سے امریکہ یا روس سے معاملہ استوار کریں اگر ایسا نہ کیا گیا۔ اور فیصلہ انفرادی طور پر ہر ملک کے ہاتھ میں رہا تو دوستی خواہ امریکہ سے کی جائے خواہ روس سے اس کا فائدہ کم ہوگا۔ اور نقصان زیادہ۔

برطانیہ اس باب میں امریکہ سے بھی ایک قدم آگے ہے لیکن (جیسا کہ اس کا ہمیشہ سے قاعدہ چلا آ رہا ہے) وہ یہ کچھ منافقانہ انداز سے کر رہا ہے۔ پچھلے دنوں مصر نے یہ اعلان کیا کہ اس کے پاس دستاویزی ثبوت ہے کہ اسرائیل کو برطانیہ کی طرف سے ٹینک مہیا کئے گئے تھے۔ پہلے تو حسب معمول برطانیہ نے لیت و لعل سے کام لیا۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے تو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اسرائیل کو ٹینک دیئے تھے۔ لیکن یہ اعتراف بھی عجیب انداز سے کیا گیا ہے۔ یعنی کہا یہ گیا ہے کہ ہم نے کچھ ایسے ٹینک جو ہماری جنگی ضروریات کے قابل نہیں رہے تھے فرانس کی ایک فرم کے ہاتھوں بیچے تھے۔ تاکہ وہ انہیں توڑ پھوڑ کر ان کا لوہا کسی اور کاموں میں کام لے۔ اس فرم نے یہ ٹینک اسرائیل کے ہاتھوں فروخت کئے ہیں۔ اس کے بعد برطانیہ نے اس قسم کے کچھ ٹینک براہ راست اسرائیل کے ہاتھوں فروخت کئے۔ تاکہ ان کے پرزے کسی دوسری جگہ استعمال کئے جا سکیں۔

آپ غور کیجئے کہ یہ وہ قومیں ہیں جو مسلمانوں سے دوستی کی دعویدار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز ہو یا امریکہ۔ روس ہو یا جرمنی۔ مسلمان کا کوئی بھی دوست نہیں۔ سب اپنے اپنے مطلب کے دوست ہیں۔ چونکہ دوسری طرف مسلمانوں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ ان اقوام سے مدد لئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ان کے لئے فلاح کی راہ ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) یہ آپس میں اتحاد کریں اور پھر اقوام مغرب سے متحدہ طور پر معاملہ کریں۔ ورنہ انفرادی طور پر مدد ہی مدد میں یہ سب کو ہڑپ کر جائیں گی۔ پاکستان کے لئے بھی یہ مقام سوچنے کا ہے۔

۲۹ر اکتوبر کا

طلوع اسلام

بتقریب عید میلاد النبی

شائع ہوگا

مطبوعات طلوع اسلام

شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معارف القرآن ـــــــ ۲۵ فی صدی

دیگر مطبوعات ـــــــ ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائے گی۔

۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔

۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔

۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۳)

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ دعوت الی اللہ کے باب میں ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝ (۲۹/۱۹-۲۱)

کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ خدا (پہلی بار اپنی) مخلوق کو (عدم محض سے) کس طرح وجود میں لاتا ہے؟ پھر انہیں مختلف مراحل سے بار بار گزارتا ہے (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو کہ زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے (اپنی) مخلوق کو کس طرح پیدا کیا ہے! پھر (خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ) کس طرح حیات نو عطا کر دیتا ہے۔ درحقیقت خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو شخص چاہتا ہے وہ اسے اپنے قانون مکافات کے مطابق عذاب (دنیوی و اُخروی) میں مبتلا کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے سامان ربوبیت عطا کر دیتا ہے اور (یاد رکھو) تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

مبدا و معاد، ابتدا اور انتہا۔ موت اور حیات، سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جو ذات اقدس ان قوتوں کی مالک ہو اس کے سوا کون حافظ و ناصر ہو سکتا ہے؟

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (۲۹/۲۲)

اور یاد رکھو تم نہ تو اپنی مدنی دنیا میں اسے شکست دے سکتے ہو اور نہ ہی کائنات میں۔ اور خدا کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

اس وقت تو فقط اتنا ہے کہ اسلاف سے جذبۂ عقیدت اور سوسائٹی میں ایک دوسرے سے تعلقات کی بنا پر ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ایک دوسرے کی روش پر آنکھیں بند کر کے چلے جا رہے ہو جب حقائق بے نقاب ہوں گے تو تم خود دیکھ لو گے کہ ایسی کھلی ہوئی گمراہی کی روش کی ذمہ داری کون اپنے سر لیتا ہے۔ اور وقت پڑنے پر اس قسم کے تعلقات کیسے قائم رہ سکتے ہیں۔ جن انسانوں کی خودی، خود تراشیدہ بتوں کے سامنے جھک جھک کر اس درجہ کمزور ہو چکی ہو ان کا حال ظاہر ہے

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (۲۹/۲۵)

اور ابراہیمؑ نے کہا۔ "تم نے خدا کو چھوڑ کر جن (لوگوں کی) مورتیوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ وہ محض اس لئے ہے کہ اس سے تم میں ایک جامعیت کی صورت پیدا ہو گئی ہے (اس اشتراک سے تم ایک قوم بن گئے ہو) جس سے تمہیں کچھ دنیاوی مفاد حاصل ہو جاتے ہیں۔ مگر جب انقلاب خداوندی آئے گا تو تم دیکھو گے کہ تم میں سے کس طرح ایک، دوسرے کے تعلقات سے انکار کرتا ہے اور سب تعلقات چھوڑ کر دور ہٹ جاتا ہے۔ لیکن اس وقت تم سب جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہو گے اور تمہارا کوئی حامی و ناصر نہ ہو گا۔

سورۂ الصّٰفّٰت میں حضرت نوحؑ کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَاۗءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳۷/۸۳-۸۷)

اور دیکھو، درحقیقت نوحؑ ہی کے گروہ میں سے ابراہیمؑ بھی تھا۔ (یاد کرو) جب وہ قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے حضور متوجہ ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ اور اپنی تمام قوم سے کہا کہ تم کن لوگوں کی عبودیت (اطاعت و فرماں پذیری) اختیار کر رہے ہو؟ (سوچو تو سہی) کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں (کی اطاعت) کا ارادہ رکھتے ہو؟ پھر تمام جہان کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

غور فرمائیے، یہاں بھی اور ۲۹/۲۵ میں بھی اصنام پرستی کو "افک" کہا گیا ہے۔ کتنی عظیم الشان حقیقت کو ایک لفظ میں ادا کیا گیا ہے! یہ عقیدہ کہ اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بُت خدا یا خدا کے مظہر ہیں۔ ایک خود ساختہ جھوٹ کے سوا اور کیا ہے؟ اور اگر ایسی بے کس و بے بس، عاجز و ناتواں، محتاج و ضعیف ہستیاں اس قابل ہیں کہ انہیں خدا بنا لیا جائے تو کہئے کہ وہ ذات مطلق جو نہ صرف اپنے آپ کے لئے کسی کی محتاج نہیں۔ بلکہ تمام کائنات اپنی پرورش کے لئے اُس کی محتاج ہے، اُسے کیا کہا جائے گا؟ خداشناسی کے متعلق تمہارا قیاس کس قدر غلط ہے! تم نے سمجھا ہی نہیں کہ خدا کسے کہتے ہیں اور اس کی قوتیں کیا ہیں؟ اگر اس کے متعلق صحیح اندازہ تمہارے ذہن میں آجاتا تو تم کبھی اپنے شرف انسانیت کو اس طرح ذلیل و خوار نہ کرتے!

⁂

اگر قوم کچھ بھی عقل و بصیرت سے کام لیتی تو جس حقیقت کشا انداز سے ان کی گمراہی اور غلط نگہی ان پر واضح کی گئی تھی۔ وہ اپنے مسلک سے یقیناً ہٹ جاتی۔ لیکن جن آنکھوں پر اسلاف پرستی کے اس قدر دبیز پردے پڑ چکے ہوں، ان کی سمجھ میں یہ باتیں کیسے آسکتی ہیں حضرت ابراہیمؑ نے یہ دیکھ کر کہ قوم ایسے اسلوب تذکیر و موعظت سے اثر قبول کرنے پر آمادہ نہیں، ایک اور انداز اختیار فرمایا اور محسوسات کے خوگر انسانوں کی غلط بینیوں کا پردہ خود محسوسات کی وادیوں میں چاک کر دیا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کی قوم ستارہ پرست بھی تھی۔ انہیں بتانا یہ تھا کہ ستارے اپنی ہستی کی بقا کے لئے خود ایک الگ نظام کے پابند اور اپنی حرکات و سکنات میں یکسر مجبور ہیں۔ اس حقیقت مجردہ (ABSTRACT Truth) کی تبیین کے لئے (ABSTRACT TRUTH) نظری دلائل کے بجائے محسوس و مشہود (CONCRETE) طریق استدلال کی طرف رجوع کیا گیا۔ سورۂ انعام کے چھٹے رکوع کو دیکھئے اور غور فرمائیے کہ قرآن کریم نے کس قدر دل نشین انداز سے حقیقت کا مرقع دیدۂ بینا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ابتدا یوں ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶/۷۴)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا۔ کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

یہاں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ پر علم و بصیرت کے دروازے کھول کر انہیں کس طرح اصنام پرستی کی جہالت کی اصل سے آگاہ کر رکھا تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (۶/۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو قانونِ کائنات کی عظیم الشان قوتوں کا مشاہدہ کرا دیا۔

یعنی جس طرح وحی الٰہی نے علم و بصیرت کی روشنی میں ان پر دیوی دیوتاؤں کی تماثیل اور اجرام سماوی کے مجسموں کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا، اسی طرح انہوں نے قلب سلیم اور عقل صحیح کی روشنی میں نظام کائنات پر غور و خوض سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا کہ کائنات کی تمام اشیاء مع اجرام فلکی، خدا کے قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں اور خود کسی قوت اور اختیار کی مالک نہیں ہیں! اس علم و یقین کے بعد وہ قوم کے پاس گئے۔

اسلام کی سرگزشت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیاتِ عقلیہ اور اس کے مظاہر سے بحث کر لینے کے بعد ۔۔۔ گذشتہ اشاعتوں میں اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنے بتائے گئے تھے۔ اس کے بعد اسلام کی موٹی موٹی اور بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی تھی جو ہنوز جاری ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ہے۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ خدا وہ ہے جس نے خود تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کر دیئے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ خدا وہ ہے جس نے تمہیں زمین سے پودوں کی طرح اگایا اور بڑھایا ہے۔

اس کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ غیب کی کنجیاں اس کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ خشکی اور تری جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کو جانتا ہے۔ کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو۔ ایسے ہی زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ (مٹی کے نیچے دبا ہوا) پڑا ہوتا ہے اسے اس کا بھی علم ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہر خشک و تر ایک واضح کتاب (رجسٹر قانون) میں موجود ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ بیشک خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ یقیناً خدا دلوں تک کا بھید جو سینوں کے اندر چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔ یقیناً تیرا نشوونما دینے والا بڑی قوتوں کا مالک اور بڑی عزت والا ہے۔

اور وہ یکتا و یگانہ اللہ ہے۔ یہاں خیر کے لئے الگ اِلٰہ اور شر کے لئے الگ اللہ نہیں ہے۔ نہ یہاں حسن و جمال کا کوئی دیوتا ہے اور نہ ہواؤں کی کوئی دیوی ہے۔ یہاں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو الوہیت میں اس کے ساتھ شریک ہو۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لہٰذا اچھی طرح جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اِلٰہ موجود نہیں ہے۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ سوائے یگانہ و یکتا اللہ کے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ خدا کا یہ ارشاد ہے کہ دو دو اِلٰہ نہ گردان کر بیٹھ جاؤ۔ واقعہ یہ ہے کہ اِلٰہ صرف ایک ہی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَـيْـــًٔـا۔ اللہ ہی کی عبودیت و اطاعت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

کسی مخلوق اور کسی جماعت کو لوگوں کے عقائد کے بارہ میں اور ربوبیت کی صفات میں سے کسی صفت میں لوگوں پر کوئی غلبہ و اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یہودیوں اور نصرانیوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کو خدا کے بجائے اپنے ربوبیت دینے والے قرار دے لیا ہے۔ حتّٰی کہ خود رسول کو بھی یہ غلبہ و اقتدار حاصل نہیں ہے وہ بھی محض ایک مبلغ ہوتا ہے۔ فَذَكِّرْ ڜ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَۜيْطِرٍ۔ اے پیغمبر تم خدا کی قوانین و احکام کو لوگوں کے سامنے پیش کر دو۔ تم محض پیش کر دینے والے ہو ان پر داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہو۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ یگانگت و یکتائیت کے مکمل ترین معنوں بسیط ترین صورت میں یگانہ و یکتا ہے۔ اسلام نہ کسی قسم کے تعدد کو برداشت کرتا ہے اور نہ ہی کسی ایسے رمز و اشارہ کو قبول کرتا ہے جس سے تعدد کا ذرا سا شائبہ بھی نکل سکے۔

اس نے اپنی مخلوق میں سے چند افراد کو منتخب کیا جن کے ساتھ اس کا ایک تعلق ہوتا ہے جو وحی کا تعلق کہلاتا ہے۔ ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام وغیرہ انہی حضرات میں سے ہیں۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰي نُوْحٍ وَّالنَّـبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ۔ اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف اس طرح وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد دیگر انبیاء پر بھیجی تھی اور ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب، اولادِ یعقوب (میں سے ہونے والے انبیاء) عیسیٰ۔ ایوب۔ یونس۔ ہارون اور سلیمان پر وحی بھیجی تھی۔ اس وحی سے مقصود نبی کا لوگوں کو ان امور کی تعلیم دینا ہوتا ہے جو خدا براہِ راست اسے سکھاتا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو بھلائی کی طرف رہنمائی کر سکے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ ہم نے تمام رسولوں کو ان کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا تھا تاکہ وہ وحی کو واضح طور سے ان پر پیش کر سکیں۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّــةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ ہم نے ان رسولوں کو بھیجا جو نیک عملی کی زندگی کے خوشگوار نتائج کی بشارت دینے والے اور بدعملی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے تاکہ ان رسولوں کے بعد انسانوں کے لئے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔ اس وحی کا طریقہ کچھ ایسا نہیں تھا جس میں خدا کو کوئی جسم اختیار کرنا پڑتا ہو۔ بلکہ یہ ایک خالص روحانی طریقہ پر ہوتی تھی جس کی پوری کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ۔ خدا کسی آدمی سے بات نہیں کرتا البتہ وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے وہ بات کرتا ہے یا اپنا کوئی رسول بھیج دیتا ہے جو اس کے حکم سے خدا کی مشیت کے مطابق خدا کی وحی کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ اے پیغمبر اس طریقہ پر ہم نے تمہاری طرف بھی اپنے حکم سے وحی بھیجی۔ تم تو اس سے پہلے یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں لیکن ہم نے اپنی وحی کو ایک نور بنا کر تمہاری طرف بھیج دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیا کرتے ہیں۔

تمام آسمانی مذاہب کے اصول ایک ہیں اور سب کے سب خدا کی توحید اور شرک سے مخالفت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ لیکن بعد میں ان کی بعض تعلیمات میں تغیر و تبدل آ گیا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ اور ہم نے تم سے پہلے جتنے نبی بھیجے ہیں وہ سب کے سب مرد ہی تھے جن پر ہم نے یہ وحی بھیجی تھی کہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے لہٰذا صرف میری ہی اطاعت کرو۔ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ اے پیغمبر تم پر بھی یہی وحی بھیجی اور تم سے پہلے رسولوں پر بھی کہ اگر تم نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو تمہارے تمام اعمال اکارت چلے جائیں گے۔

اس موجودہ زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے اس زندگی کے دن کو يَوْمُ الْقِيٰمَةِ۔ اَلْيَوْمُ الْاٰخِرُ۔ يَوْمُ الْحِسَابِ اور يَوْمُ الدِّيْنِ کہتے ہیں۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ تم پھر اس زندگی کے بعد یقیناً مر جانے والے ہو اور اس کے بعد تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے یہی دن عملِ صالح پر جزا اور عملِ سیئہ پر سزا کا دن ہوگا۔ اس زندگی میں جو عمل انسان کرتا ہے وہ اس کے نامۂ اعمال میں درج کیا جاتا ہے جو قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ ہر انسان کی گردن کے ساتھ ہم نے اس کا نامۂ اعمال لٹکا دیا ہے جسے ہم قیامت کے دن اس کے لئے نکالیں گے۔ وہ اسے ایک کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں پائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لو۔ آج یہی کافی ہے کہ تم خود اپنا حساب لے لو۔

اسلامی نظام
قیمت دو روپے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب سوم (مسلسل)

از نگاہِ عشق خارا شق بود
عشقِ حق آخر سراپا حق بود

عشق سے انسان کی قوتیں اس قدر بیدار اور بے باک ہو جاتی ہیں کہ اس کی قوتِ بازو تو ایک طرف اس کی نگاہ سے پتھروں کا جگر شق ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ حق کا عشق آخرالامر خود انسان کو حق بنا دیتا ہے۔ اس مقام پر اقبال نے پھر اس امتیاز کو اجاگر کر دیا ہے جو مقصد اور مقصد میں ہوتا ہے۔ اگر مقصد باطل ہے تو اس کے حصول کی آرزو اور اس آرزو کی شدت (جسے عشق کہا گیا ہے) بھی باطل ہے۔ لیکن اگر مقصد حق ہے تو اس مقصد کا عشق بھی حق ہے اور اس سے وہ انسان جس کے دل میں اس قسم کا عشق ہو سراپا حق بن جاتا ہے۔ باطل اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ اس بنا پر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشمِ نوحے قلبِ ایوبے طلب

اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے اور صرف زندہ ہی نہیں بلکہ پائندہ ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تو عشق سیکھ۔ لیکن یہ ناممکن ہے جب تک تیرے سامنے کوئی محبوب نہ ہو۔ جب تک زندگی میں تیرے پیشِ نظر کوئی متعین مقصد نہ ہو اس وقت تک عشق کی حرارت تیرے دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی یعنی عشق آموزی کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان اپنے سامنے زندگی کا ایک ایسا مقصد رکھے جو برحق ہو اس کے لئے حضرت نوحؑ کی نگاہ اور حضرت ایوبؑ کے قلب کی ضرورت ہے۔

حضرت نوحؑ کی آنکھ سے مقصد یہ ہے کہ اس سے حق اور باطل کی تمیز پیدا ہوتی ہے اور حضرت ایوب کا قلب اس لئے ضروری ہے کہ عشق کے مراحل بڑے صبر آزما اور ہمت طلب ہوتے ہیں۔ اس راہ میں بڑے بڑے سخت مقام آتے ہیں جہاں استقامت اور استقلال کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

مندرجہ صدر اشعار میں حضرت علامہ نے یہ بتایا ہے کہ خودی عشق اور محبت سے مستحکم ہوتی ہے۔ عشق اور محبت سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے سامنے زندگی کا جو نصب العین رکھے اس کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرتا رہے اور اس مقصد کے لئے اگر اسے جان تک بھی دینا پڑے تو اس میں قطعاً دریغ نہ کرے۔ اس کے بعد وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس شخصیت کو اپنے سامنے بطور نمونہ رکھے جس نے اس قسم کے عشق اور محبت میں تکمیل حاصل کی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی شخصیت ذاتِ رسالت مآب سے بڑھ کر اور کونسی ہو سکتی ہے؟ حضورؐ کے سامنے وحی کی رو سے متعین کردہ زندگی کا ایک درخشندہ نصب العین تھا اور آپ کی پوری حیاتِ طیبہ اس نصب العین کے حصول کی مسلسل داستان ہے۔ کہنا تو اقبال یہی چاہتا تھا، لیکن اس سے پہلے وہ پیرِ روم کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمعِ خود را ہمچو رومی بر فروز
روم را در آتشِ تبریز سوز

یعنی تو کسی مردِ کامل کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو اور اس طرح اپنی مشتِ غبار کو کیمیا بنائے۔ جس طرح رومی اپنے مرشد شمس تبریز کے عشق میں فنا ہو گیا اور اس سے خود رومی کی ذات میں درخشندگی پیدا ہو گئی۔ تو بھی اس مسلک کی اتباع کر۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اقبالؔ کے ہاں اس قسم کے مقامات وہ خطرناک گھاٹیاں ہیں جن میں بالعموم لغزش کا ڈر ہے۔ اس قسم کے اشارے ہیں جن سے پیری مریدی کا جواز نکلتا ہے اور جن کی بنیادوں پر تصوف کی ساری عمارت استوار ہو جاتی ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ اس قسم کے اشارات سے اجتناب کرتے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ خود ذاتِ رسالت مآب سے محبت کے بھی یہی معنی ہیں کہ جس طرح حضورؐ نے احکام خداوندی کی کامل اطاعت سے اپنے آپ کو عبدیت کے مقام میں ممتاز کر دیا تھا اسی طرح ہم بھی حضورؐ کے اس مسلک کو بطور اسوۂ حسنہ اپنے سامنے رکھ کر اطاعتِ خداوندی سے اپنی ذات کی تکمیل حاصل کریں۔ اس کے سوا نہ عشق رسول کا کوئی اور مفہوم ہے اور نہ محبت خداوندی کا۔ چنانچہ اس باب میں حضرت علامہ کہتے ہیں کہ ....

ہست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائمت

یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ محبوب کونسا ہے جس سے عشق میں یہ مقصد بلند حاصل ہوتا ہے؟ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ محبوب کہیں باہر تلاش کرنے سے نہیں ملے گا۔ یہ تو تیرے دل کے اندر پنہاں ہے۔ اگر تجھے چشمِ بصیرت عطا ہوئی ہے تو آ میں بتاتا ہوں کہ یہ محبوب کونسا ہے محبوب کا نام لینے سے پہلے اس کی تعریف میں کہتے ہیں کہ

عاشقان او ز خوباں خوب تر
خوشتر و زیباتر و محبوب تر

وہ محبوب ایسا ہے جس کے عاشق دنیا کے بڑے بڑے حسینوں سے حسین تر ہیں۔ ہر صفت میں ان سے بلند۔ ہر خوبی اور زیبائی میں اُن سے آگے۔

دل ز عشقِ او توانا می شود
خاک ہمدوشِ ثریا می شود

وہ محبوب ایسا ہے کہ اس کے عشق میں انسان مجنوں کی طرح کمزور و ناتواں نہیں ہوتا جاتا بلکہ اس سے قلبِ انسانی میں توانائی پیدا ہوتی ہے اور اس کی خاک شرفِ انسانیت کی بلندیاں طے کرتی ہوئی ثریا تک جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ

خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شد
آمد اندر وجد و بر افلاک شد

وہ ارضِ پاک جس میں آپ کا ظہور ہوا اپنے مرتبہ میں آسمانوں سے بھی بلند ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اس محبوب کا نام لیتے ہیں اور ہزار تعظیم و تکریم کے ساتھ کہتے ہیں۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

وہ ذاتِ گرامی حضور ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ (صلعم) ہیں جن کا مقام ہر مسلمان کے حریمِ قلب کے اندر ہے۔ اور اس ملتِ شریفہ کا ہر شرف و فضیلت اس نام کی نسبت سے ہے۔

اقبال کو حضور رسالت مآبؐ سے عشق ہے۔ بڑا دل گداز اور جان افروز عشق۔ چنانچہ جب کبھی حضورؐ کا اسم گرامی اس کے لب پر آتا ہے، ہو نہیں سکتا کہ اس کے بعد حضورؐ کی مدح و ستائش میں کچھ اشعار بے ساختہ اس کی زبان پر نہ آ جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بے ساختہ اشعار اقبال کی شاعری میں وہ چمکتے ہوئے موتی ہیں جن کی مثال و نظیر دنیائے شعر و سخن میں اور کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ اس مقام پر بھی وہ والہانہ انداز میں کہتا ہے

طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

اس ذاتِ گرامیؐ کا مقام یہ ہے کہ وہ طورِ سینا جو انوارِ خداوندی کی جلوہ گاہ قرار پایا تھا، وہ حضورؐ کے صحنِ خانہ کے گرد و غبار کی ایک موج تھا۔

اقبال اور قرآن　　(از پرویز)　　قیمت دو روپے

عورت کا قرآن

(۲۹)

اس تمام تفصیل سے غالباً اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا کہ آیت زیر بحث میں یہ حکم عام حالت کے لئے ہرگز نہیں ہے بلکہ خاص حالت کے لئے ہے۔ یعنی جبکہ کسی خاص سبب سے (مثلاً جنگ، بیماری وغیرہ کے سبب) مرد ضائع ہوگئے ہوں اور بے سہارا، بے باپ اور بے شوہر عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ سوسائٹی، جماعت یا حکومت ان بے سہارا عورتوں کے ساتھ قرار واقعی سلوک نہیں کر سکے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسے مواقع پر یوں کرو کہ ہر صاحب استطاعت ان میں سے جو پسند ہوں اُن کے ساتھ دو دو، تین تین، چار چار، نکاح کرے تاکہ سوسائٹی کا بوجھ بھی کم ہو جائے اور ان عورتوں کا سہارا بھی ہو جائے۔ یہ حکم تحت ضرورت ایمرجنسی حالات کے لئے ہے، اس کو عام قرار دینا قرآن کے منشا کے ایکدم خلاف ہے۔ پھر اسی لئے یہ بھی شرط لگادی کہ ان میں عدل کرنا اور ایسا نہ ہو کہ تم کسی ایک طرف ڈھل جاؤ اور دوسری غریب ناپتی رہ جائیں بس

تعدد ازدواج کے جواز میں مولوی صاحبان کی طرف سے اس قسم کے دلائل بہت زور شور سے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ عموماً ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں کہ ایک مرد کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایام حیض میں مرد اپنی عورت کے پاس نہیں جاسکتا۔ ایسے ہی ایام حمل میں طبی طور پر مرد کو اپنی بیوی سے علیحدہ رہنا چاہیئے ایسے ہی ایام رضاعت میں بھی۔ ایام حمل اور ایام رضاعت، دونوں مل کر اتنا طویل عرصہ ہو جاتا ہے کہ مرد کے لئے بغیر عورت کے گزارہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے مگر ان اعذار بارده کی کوئی حقیقت نہیں ہے جبکہ آج بھی ہندوستان و پاکستان کی ننانوے فی صدی آبادی ایک ہی بیوی پر اکتفا کر رہی ہے اور ان کے سروں پر ان پابندیوں کی وجہ سے نہ کوئی آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور نہ زمین شق ہوئی ہے۔

ہندوستان و پاکستان کی مجموعی چالیس کروڑ کی آبادی میں بمشکل ایک فی صدی لوگ ایسے نکلیں گے جو ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں تو جس طرح ننانوے فی صدی آبادی گزارہ کر رہی ہے یہ ایک فی صدی لوگ کیوں گزارہ نہیں کر سکتے۔ ان اعذار کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ بقول قاضی عبدالغفار صاحب

"مرد" کی یہ منطق کبھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ "مرد" جو کچھ کرے اس کی بداعمالی اس قدر قابل گرفت نہیں جس قدر "عورت" کی خلاقی لغزشیں ہیں؟ کیوں یہ خود غرض جب تو اپنے "عورت" کے اخلاق کے مختلف معیار قائم کرتا ہے! اپنی صفائی یوں پیش کی جاتی ہے کہ خود "مذہب نے" "مرد" کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور "عورت" کو بیک وقت صرف ایک شوہر کی۔ تمہارے مولوی مُلا جو کہیں، مجھے کبھی اعتبار نہ آئے گا کہ اسلام نے تعدد ازدواج کو اس طرح جائز رکھا ہے جس طرح اس وقت عمل کیا جا رہا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں کہ یہ تعدد ازدواج شریعت کے پردے میں عیاشی اور نفس پرستی کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "مرد" کے نفسانی قوٰی متعدد عورتوں کے طالب ہیں۔ ایک "عورت" جب ماں ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے تو عرصہ تک "مرد" کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کر سکتی۔ میں ایک عورت ہوں اور تم سے صاف صاف کہتی ہوں کہ "ایک عورت" قطعی طور پر "ایک مرد کے لئے کافی سے زیادہ ہے فطرت کی کوئی خلاف ورزی اس سے بدتر نہیں کہ "عورت" اور "مرد" اپنی نفس پرستی میں مسلسل منہمک رہیں۔ یہ نفس کی قوت نہیں بلکہ دماغ کی بیماری ہے "مرد" صرف اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت ایک "عورت" چاہتا ہے۔ ورنہ صحیح اور فطری احساس نفسانی تو اس کا ہرگز تقاضی نہیں کہ یہ شغل مسلسل جاری رہے"

(سولہواں خط)

بہر حال! "عورت" کسی ظالم و جابر "مرد" کے قبضہ واقتدار میں ہمیشہ ہمیشہ رہ کر بھی بڑی سے بڑی مصیبت سہہ سکتی ہے۔ "عورت" اپنے شریک حیات سے علیحدہ اور جدا ہو کر بھی ہجر و فراق کا تلخ ترین دائمی صدمہ بھی کسی نہ کسی طرح برداشت کر کے زندہ رہ سکتی ہے لیکن "عورت" یہ کبھی اور کسی طرح بھی مطلقاً گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کے دوش بدوش اس کی محبت کا کوئی دوسرا شریک موجود ہو۔ اور کوئی دوسری عورت، اس کے شوہر کے گھر میں آکر اس کی تمناؤں کا خون کرے یا اس کے ذخیرِ محبت کو پاش پاش کردے۔ خدائے بزرگ و برتر نے جو اپنی ایک مخصوص خوبی "عورت" کو بخشی ہے وہ یہی "عدم شرکت" کا جذبہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کے سارے گناہ بخش سکتا ہے مگر نہیں بخشے گا تو صرف اس گناہ کو کہ کوئی انسان کسی اور کو "خدا کا شریک" ٹھہرائے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿ن ۴۸﴾

اللہ یہ بات کبھی بھی بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھیرایا جائے۔ ہاں اس کے سوا جتنے اور گناہ ہیں وہ چاہے گا تو بخش دے گا۔ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراتا ہے یقیناً وہ بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے"

بالکل اسی طرح "عورت" سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر نہیں گوارا کر سکتی تو یہ کہ اس کی محبت میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔ "قرآن مجید" میں "عورت" کے اس مخصوص جذبے اور اس منفرد نفسیاتی کیفیت کا بطور خاص اور قرار واقعی لحاظ رکھا ہے۔ "عورت" کی اس نسوانی تمکنت اور طبعی خصوصیت کا سب سے زیادہ خیال کیا ہے اور شاید اسی نکتہ کے پیش نظر شرک کے نہ بخشنے کی خبر والی آیت سورۂ نساء (عورت) ہی میں آئی ہے۔ اب ایسی صورت میں عورتوں کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے افعال و اقوال کے ذریعے مرد کا دل موہ لیں اور شوہر کا دل اس طرح قابو میں رکھیں، اس کی مرضی، دلجوئی، خیالات، جذبات، ضروریات کا اس ہوش گوش اور مستعدی و تندہی سے لحاظ کریں کہ "مرد" کے دل میں دوسری بیوی کرنے کا خیال ہی نہ آئے اور "مرد" کا دل اپنی جانب مائل کر لینے کے بعد کبھی بھی "عورت" کو اس سے دوچار نہ ہونا پڑے گا مگر اس کے لئے شعور و سلیقہ کی ضرورت ہے۔ سخن پروری وہٹ دھرمی کی نہیں۔ شوہر کی محبت، عورت کو بخشش نہیں ہوتی بلکہ بیوی حاصل کرتی ہے۔ یہ چیز دھمکی اور دباؤ سے کسی کو نہیں مل سکتی، بلکہ ہمیشہ سلیقۂ جمیل اور حسن سیرت سے حاصل ہوئی ہے، ہوتی رہی ہے اور برابر ہوتی رہے گی۔ چنانچہ جہاں اب ہے وہاں گھر کی رونق ہی کچھ اور ہے۔

نظام ربوبیت

از پرویز

اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اہم سوال یعنی معاشی مسئلہ کا حل کیا ہے انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح قاصر رہی ہے اور وحی خداوندی نے اسے کس خوبصورتی سے حل کر دیا ہے ذاتی ملکیت کیا نتائج پیدا کرتی ہے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ قسم اول کی قیمت: چھ روپے قسم دوم چار روپے

(علاوہ محصول ڈاک)

مُتعہ بھی جائز قرار پا گیا!

جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب پاکستان میں جس قسم کا اسلام رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی بعض خصوصیات اس سے پہلے قارئین کے سامنے آ چکی ہیں۔ مثلاً اس اسلام کی رو سے زمینداروں کی زمینداریاں۔ جاگیرداروں کی جاگیرداریاں۔ کارخانہ داروں کے کارخانے۔ سرمایہ داروں کی دولت کے انبار سب محفوظ رہیں گے۔ اور نہ دولت پر اور نہ جائداد پر کسی قسم کی حدبندی عائد کی جائے گی۔ نیز اس اسلام کی رو سے جنگ کی قیدی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر حرم میں داخل کیا جائے گا۔ ان کی تعداد پر بھی کوئی حدبندی نہیں ہوگی۔ اور انہیں استعمال کے بعد بیچنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ اب اس کے بعد مترفین کے اس طبقے کے لئے ان کی شدت ہوس رانی کی تسکین کا ایک اور راستہ بھی کھول دیا گیا ہے۔ یعنی متعہ کو بھی جائز قرار دیدیا گیا ہے۔ مودودی صاحب کی قرآن کی تفسیر (جسے قرآن کی تفسیر کہتے ہوئے دل لرزتا ہے) ان کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اس کی اگست کی اشاعت میں سورۂ مومنون کی آیت (۲--۷) کی تفسیر میں حسب ذیل نوٹ شائع ہوا ہے۔

" بعض لوگوں نے متعہ کی حرمت بھی اس آیت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ ممتوعہ عورت نہ تو بیوی کے حکم میں داخل ہے۔ اور نہ لونڈی کے حکم میں۔ لونڈی تو وہ ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور بیوی اس لئے نہیں ہے کہ زوجیت کے لئے جتنے قانونی احکام ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی اس پر اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ نہ مرد کی وارث ہوتی ہے۔ نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے۔ نہ اس کے لئے عدت ہے نہ طلاق۔ نہ نفقہ نہ ایلاء اور ظہار اور لعان وغیرہ۔ بلکہ چار بیویوں کی مقررہ حد سے بھی وہ مستثنیٰ ہے۔ پس جب وہ "بیوی" اور "لونڈی" دونوں کی تعریف میں نہیں آتی۔ تو لامحالہ وہ ان کے علاوہ "کچھ اور" میں شمار ہوگی جس کے طالب کو قرآن "حد سے گذرنے والا" قرار دیتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ آیت تحریم متعہ کے بارے میں صریح بھی نہیں ہے اور اس سے تحریم پر استدلال ان ثابت شدہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے زمانہ میں اس کو حرام قرار دیا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت ہی میں آ چکا تھا۔ جو ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے فتح مکہ تک جائز رکھتے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ متعہ کی حرمت قرآن کے کسی صریح حکم پر نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مبنی ہے سنت میں اس کی صراحت نہ ہوتی تو محض اس آیت کی بنا پر تحریم کا فیصلہ کر دینا مشکل تھا۔ متعہ کا جب ذکر آ گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں کی اور توضیح کر دی جائے اول یہ کہ اس کی حرمت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسے حضرت عمرؓ نے حرام کیا۔ درست نہیں ہے حضرت عمرؓ اس حکم کے موجد نہیں تھے۔ بلکہ صرف اسے شائع اور نافذ کرنے والے تھے۔ چونکہ یہ حکم حضورؐ نے آخر زمانہ میں دیا تھا۔ اور عام لوگوں تک نہ پہنچا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی عام اشاعت کی اور بذریعہ قانون اسے نافذ کیا۔ دوم یہ کہ متعہ کو مطلقاً حرام قرار دینے یا مطلقاً مباح ٹھیرانے میں، سنیوں اور شیعوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس میں بحث و مناظرہ نے بیجا شدت پیدا کر دی ہے، ورنہ امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان کو بسا اوقات ایسے حالات سے سابقہ پیش آ جاتا ہے۔ جن میں نکاح ممکن نہیں ہوتا۔ اور وہ زنا یا متعہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں زنا کی نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد و عورت کسی تختے پر بیٹھے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں کوئی آبادی موجود نہ ہو۔ وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں۔ اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں جب تک وہ آبادی میں نہ پہونچ جائیں یا آبادی ان تک نہ پہونچ جائے۔ کم و بیش ایسی ہی اضطراری صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ متعہ بس اسی طرح کی اضطراری حالتوں کے لئے ہے۔ صحابہ میں سے ابن عباس۔ ابن مسعود، جابر بن عبداللہ، معاویہ۔ عمرو بن حریثؓ وغیرہم اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر اور مشاہیر فقہاء مکہ نے اگر اس کو جائز رکھا ہے تو اضطرار ہی کے لئے رکھا ہے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے ذکر کیا کہ عام لوگوں میں متعہ کی حلت کا قول آپ کی طرف منسوب ہو رہا ہے۔ اور اس پر بڑی باتیں بن رہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا سبحان اللہ، واللہ ما بھذا افتیت وما ھی الا کالمیتۃ لا تحل الا للمضطر۔ سبحان اللہ خدا کی قسم میں نے ایسا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ تو مردار کی طرح ہے کہ مضطر کے سوا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ جواز بحالت اضطرار اس ابدی حرمت کے خلاف نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مردار کا بحالت اضطرار کھا لینا اس ابدی حرمت کے خلاف نہیں جو قرآن سے ثابت ہے۔"

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا ہے کہ۔

(۱) متعہ کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) نبی اکرمؐ نے اسے حرام قرار دیا لیکن وہ بھی فتح مکہ کے زمانہ میں (یعنی ۸ھ میں)

(۳) اس حرمت کے باوجود اضطراری حالت میں متعہ کی اجازت بدستور باقی ہے۔ جیسے بھوک کے وقت اضطراری حالت میں مردار کھا لینا جائز ہے۔

یہ چیزیں اگر کسی عیسائی مناظر یا آریہ پنڈت کی طرف سے آتیں تو چنداں وجہ تعجب نہ ہوتیں۔ لیکن کس قدر مقام تاسف ہے کہ اسلام کے خلاف یہ کچھ ایک ایسے شخص کی طرف سے کہا جا رہا ہے۔ جو ایک اسلامی جماعت کا امیر اور قرآن کریم کا مفسر ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کی رکیک باتوں کا جواب لکھ کر اپنا وقت ضائع کریں۔ لیکن بدقسمتی سے اس ملک میں مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو مودودی صاحب کو عالم دین ہی نہیں بلکہ اسلام کا ایک بڑا مفکر مانتا ہے خدشہ یہ ہے کہ اگر ان امور کے متعلق کچھ نہ لکھا گیا۔ تو یہ طبقہ مودودی صاحب کی "تفسیر قرآن" کو سند مان کر متعہ کو جائز سمجھنے لگ جائے گا۔ اس خدشہ کے پیش نظر ہم با دل نخواستہ نہایت کرب انگیز موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے مجبور ہو رہے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ شیعہ حضرات کے ہاں متعہ حرام نہیں۔ ہمیں ان حضرات کے عقائد و مسلک سے بحث نہیں۔ اس لئے ان صفحات میں جو کچھ لکھا جائے گا۔ اس کا مخاطب وہ طبقہ ہے جو اہل سنت کے نام سے معروف ہے اور جس سے خود مودودی صاحب متعلق ہیں۔

قرآن کریم مرد اور عورت کے جنسی اختلاط اور عائلی زندگی کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ اس نے ان احکام کی تفصیل اور جزئیات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے (حالانکہ سیاست مدن جیسے اہم شعبہ کے متعلق اس نے اصولی قوانین پر اکتفا کیا ہے) قرآن نے مرد اور عورت کے جنسی تعلق کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک نکاح، جسے اس نے جائز صورت قرار دیا ہے۔ اور دوسری زنا، جسے اس نے فعل ناجائز اور بدترین جرم ٹھیرایا ہے۔ نکاح کے متعلق اس نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ ایک معاہدہ ہے جو بالغ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ اس کی رو سے وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ بحیثیت میاں بیوی زندگی گذاریں گے ان میں باہمی مودت و رحمت اور سکون و اطمینان کے تعلقات رہیں گے۔ وہ اولاد پیدا کریں گے اور اس کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر پر لیں گے۔ ان میں میاں بیوی کے ترکے سے، اور بیوی میاں کے ترکے سے حصہ پائے گی۔ اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان تعلقات کا برقرار رکھنا ممکن نہ ہو تو اس معاہدہ کا انفساخ میاں کی طرف سے طلاق اور بیوی کی طرف سے خلع کی شکل میں ہوگا۔ طلاق کس طرح دی جائے گی۔ اور اس کے بعد عورت کن حالات میں دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔ ان تمام امور کے متعلق بھی قرآن نے تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ اس شکل سے جو جنسی اختلاط ہوگا۔ قرآن نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جنسی اختلاط کی جو شکل ہوگی۔ قرآن نے اسے زنا قرار دیا ہے۔ خواہ وہ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو۔

متعہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مرد اور عورت آپس میں مباشرت کی بات چیت طے کر لیں اور یہ فیصلہ کر لیں کہ ایک وقت کی مجامعت یا اتنی مدت تک کے دوران میں مجامعت کے لئے عورت کو اتنا معاوضہ دیا جائے گا۔ اس معاہدہ کو عارضی نکاح یا متعہ کہا جاتا ہے

جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔ تو اس کے بعد ان میں کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ بادنیٰ تامل یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ جنسی اختلاط کے اس قسم کے معاہدے کو "نکاح" کہنا اسلامی نکاح سے مذاق کرنا ہے۔ اس میں اور زنا میں کوئی فرق ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہے وہ متعہ جس کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں۔ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے! اگر قرآن سے اس قسم کے جنسی تعلق کی بھی حرمت ثابت نہیں تو پھر اس سے زنا کی بھی حرمت ثابت نہیں! سوال یہ ہے کہ قرآن نے نکاح کی جو تفاصیل اور تضمنات بیان کی ہیں۔ ان کی رو سے متعہ کو نکاح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر اسے نکاح نہیں قرار دیا جا سکتا تو پھر یہ زنا نہیں تو کیا ہے؟ کیا قرآن نے کہیں بھی مستقل اور عارضی نکاح کا ذکر کیا ہے؟ قرآن کی رو سے نکاح کی ایک ہی قسم ہے اور وہ مستقل نکاح ہے۔ اس کے علاوہ نکاح کی کوئی اور شکل نہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا کہ قرآن سے متعہ کی حرمت ثابت نہیں اتنی بڑی جسارت ہے جس کے تصور سے دل لرز جاتا ہے۔ اسلام جو غلطیٔ نگاہ تک کی عفت پر اس قدر زور دیتا ہے کہ وہ بیگانی عورت کی طرف نگاہ بھر کر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اور جو دل میں گزرنے والے خیالات تک پر بھی محاسبہ کرتا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے ایک اجنبی عورت سے کچھ پیسوں کے عوض مجامعت کر لینے کو حرام نہیں قرار دیا: اس کی اخلاقی عمارت کی بنیادوں تک کو منہدم کر دیتا ہے۔

اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ (معاذ اللہ) خود رسول اللہؐ نے بھی متعہ کو فتح مکہ کے زمانے یعنی ۸ھ تک (بالفاظ دیگر اپنے زمانۂ نبوت کے اکیس سال تک) جائز رکھا اور اس کے بعد اس کو حرام قرار دیا۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا تصور کر سکتے ہیں کہ جب قرآن میں نکاح کے متعلق اس قدر واضح اور تفصیلی احکام آ چکے تھے۔ تو اس کے بعد رسول اللہؐ متعہ جیسے فعل شنیع کو کبھی جائز قرار دے سکتے تھے؟ مودودی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ "اگر یہ مان لیا جائے کہ حرمت متعہ کا حکم قرآن کی اس آیت ہی میں آ چکا تھا۔ جو ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلعم اسے فتح مکہ تک جائز رکھتے؟" یعنی مودودی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے متعہ کو ۸ھ تک جائز رکھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن نے اسے حرام قرار نہیں دیا تھا۔ حالانکہ استدلال کی صحیح شکل یہ ہے کہ چونکہ قرآن نے نکاح اور زنا میں فرق کر کے بتا دیا تھا۔ اور متعہ نکاح کے ضمن میں نہیں آتا۔ اس لئے اس کی حرمت خود بخود ہو گئی۔ اب جن روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے اسے ۸ھ تک جائز رکھا۔ وہ روایات غلط ہیں۔ لیکن ان حضرات کی حالت یہ ہے کہ یہ روایات کو یقینی تسلیم کرتے ہیں۔ اور قرآن کو ان کے تابع رکھتے ہیں۔ خواہ اس سے خدا اور رسول دونوں پر حرف کیوں نہ آ جائے۔ اگر اس قسم کی بات احادیث پرستوں میں سے کوئی ایسا شخص کہتا جس کا ایمان یہ ہو کہ احادیث کے مجموعوں میں جتنی روایات ہیں۔ ان سب کا بلا چون و چرا صحیح ماننا عین اسلام ہے۔ اور ان پر کسی چیز کی تنقید نہیں کی جا سکتی تو اس کا یہ کہنا قابل فہم تھا لیکن احادیث کے متعلق مودودی صاحب کا مسلک اس سے مختلف ہے۔ وہ اس کا اعلان کر چکے ہیں کہ اور تو اور بخاری کی احادیث بھی تمام کی تمام اس قابل نہیں کہ انہیں صحیح مان لیا جائے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم احادیث کو درایت کی کسوٹی پر پرکھیں اور اس طرح جو حدیثیں ہمیں صحیح نظر آئیں صرف انہی کو صحیح تسلیم کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب نے متعہ کے متعلق احادیث کو خود درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ اور اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ احادیث سب صحیح ہیں۔ اب جس شخص کی درایت اسے یہ تسلیم کرنے پر آمادہ کر دے کہ رسول اللہؐ نے متعہ جیسے فعل کو ۸ھ تک جائز رکھا تھا۔ اس کی درایت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ — بریں عقل و دانش بباید گریست۔

متعہ کے متعلق ان تمام روایات کو ہم نے طلوع اسلام میں ایک جامع مقالہ میں شائع کیا تھا۔ یہ مضمون اب "مقام حدیث" جلد دوم میں شامل ہو چکا ہے۔ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اس مضمون کو ضرور دیکھیں۔ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ عجم کی سازشوں نے ہمارے احادیث کے مجموعوں میں کیا کچھ شامل کر رکھا ہے۔

لیکن یہ ماننے کے بعد بھی کہ رسول اللہؐ نے متعہ کو ۸ھ میں حرام قرار دیا تھا۔ مودودی صاحب اس کے جواز کے لئے ایک کھڑکی کھلی رکھتے ہیں۔ جسے وہ "حالت اضطراری" کہتے ہیں۔ اس کی سند ان کے نزدیک نہ خدا کے احکام ہیں۔ نہ رسول اللہؐ کے فیصلے۔ بلکہ بعض صحابہؓ اور فقہائے مکہ کے وہ اقوال جو کتب روایات میں درج ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک ان کے اقوال کا پایہ اتنا بلند ہے کہ ان کی رو سے اس دنیا میں بھی شگافت کی صورت جائز قرار پا سکتی ہے۔ جسے بقول ان کے خود رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھوں سے چُنا تھا۔ اضطراری حالت کی جو مثال مودودی صاحب نے دی ہے۔ اس پر سوائے اس کے کہ انسان سر پیٹ کر رہ جائے اور کیا کر سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایک جہاز سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اور ایک مرد اور ایک عورت کسی تختہ پر بہتے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں کوئی آبادی نہیں۔ وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں۔ اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں، ایسی صورت میں ان کے لئے اس کے سوائے چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں جب تک وہ آبادی میں نہ پہنچ جائیں۔ یا آبادی ان تک نہ پہنچ جائے۔" سب سے پہلے تو اس چیز پر غور فرمائیے کہ اگر یہ مومن مرد اور مومنہ عورت اس جزیرے میں اپنی عفت کی خاطر بہن بھائی کی طرح رہنا چاہیں تو ان کے اس طرح رہنے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ وہاں پہنچ کر آپس میں یہ طے کریں کہ ہمیں میاں بیوی کی طرح رہنا چاہیئے۔ تو ان کے مستقل نکاح کرنے میں کونسا امر مانع ہے جس کی وجہ سے وہ عارضی نکاح کے لئے مجبور ہوں گے؟ اگر ایک بالغ مرد اور ایک بالغ عورت باہمی رضامندی سے یہ طے کر لیں کہ وہ اپنی بقیہ زندگی خدا کے عائد کردہ حدود و قیود اور فرائض و حقوق کے مطابق مستقل نکاح کی شکل میں گذاریں گے اور اس طرح وہ آپس میں ایجاب و قبول کر لیں۔ تو اس کے بعد وہ کونسی شرط باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے نہ ہونے سے ان کا یہ نکاح مستقل نکاح نہیں ہو سکتا۔ صرف عارضی نکاح ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ باقی دنیا کو اس کا علم نہیں ہو سکتا کہ ان کے باہمی تعلقات نکاحی میاں بیوی کے سے ہیں۔ یا ناجائز طریق کے۔ تو اس کی سیدھی شکل یہ ہے کہ جب وہ آبادی میں پہنچیں یا آبادی ان تک پہنچے۔ تو وہ اس کا اعلان کر دیں کہ ہم نے خدا کے احکام کے مطابق میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے جیرت

صوبہ سرحد کی واحد موثر آواز

روزنامہ شہباز پشاور

اگر آپ صوبہ سرحد اور قبائل کے حالات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں اور سیاسی حالات کے پس منظر سے آگاہی چاہتے ہیں تو "شہباز" کا مطالعہ کریں۔

یہی وہ روزنامہ ہے

جس کے پاس سرحد میں ٹیلی پرنٹر سروس ہے۔ اے، پی۔ پی، رائٹر ی۔ پی۔ اے، اور اپنے نامہ نگاروں کی خصوصی خبریں شائع کرتا ہے۔ اور باتصویر ہفت روزہ ایڈیشن شائع کرتا ہے۔

کراچی میں شہباز

طاہر بک ڈپو

ٹرام جنکشن۔ صدر روڈ کراچی سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

ہے کہ مودودی صاحب اس قسم کی شکل کے لئے ایک عارضی نکاح کی صورت وضع کرتے ہیں اور اس کے لئے جواز کی سند بھی پیش کر دیتے ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جواز بحالت اضطرار اس حرمت کے خلاف نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس طرح جیسے مردار کا بحالت اضطراری کھا لینا اس حرمت کے خلاف نہیں جو قرآن سے ثابت ہے۔ پہلی چیز تو یہ سمجھئے کہ جس خدا نے مردار کو حرام قرار دیا تھا۔ اسی خدا نے اضطراری حالت میں اس کے استعمال کی اجازت بھی خود ہی دے دی تھی۔ اگر مودودی صاحب کے بیان کے مطابق اسے مان لیا جائے کہ متعہ کو رسول اللہؐ ہی نے حرام قرار دیا تھا۔ تو کیا رسول اللہؐ کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس حرمت کے بعد اضطراری صورت میں جواز کی شکل بھی خود ہی بیان فرما دیتے۔ تاکہ قانون اپنی مکمل شکل میں سامنے آتا۔ لیکن مودودی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ متعہ کو خدا نے حرام قرار نہیں دیا۔ رسولؐ نے حرام قرار دیا اور پھر اس کی اضطراری شکل صحابہ اور فقہائے کرام نے پیدا کی۔ یعنی (معاذ اللہ) پہلی چوک خود اللہ میاں سے ہوئی تھی کہ اس نے متعہ جیسے فعلِ شنیع کو حرام قرار نہ دیا۔ اور پھر (خاکم بدہن) دوسری چوک رسول اللہؐ سے ہوئی کہ انھوں نے متعہ کو حرام تو قرار دیدیا۔ لیکن اضطراری حالت کے لئے کوئی گنجائش نہ رکھی۔ اس کمی کو فقہائے کرام نے پورا کیا۔ یہ ہے آپ کا وہ دین جس کے متعلق آپ دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ اس دین کی تکمیل خود خدا نے کی ہے اور اس کی مثال و نظیر ساری دنیا مل کر بھی پیدا نہیں کر سکتی۔

اب آیئے اس چیز کی طرف جسے مودودی صاحب اضطراری حالت قرار دیتے ہیں۔ بھوک کے معاملہ میں اضطراری حالت بالکل واضح ہے۔ اگر کسی شخص کو دو تین چار دن تک کچھ کھانے کو نہ ملے تو اس کے بعد اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر جان بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حرام چیز کو کھا لینے کی اجازت دی ہے۔ لیکن آپ سوچئے کہ کیا جنسی خواہش میں بھی اسی قسم کی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے؟ ہر سلیم العقل انسان اس حقیقت سے واقف ہے کہ جنسی تقاضا اس قسم کا تقاضا ہے ہی نہیں جس قسم کا تقاضا بھوک یا پیاس کا ہے۔ بھوک یا پیاس میں آپ کے ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ بھوک آپ کے ارادے کے بغیر لگتی ہے۔ اسے آپ اپنی قوت ارادی سے تھوڑے سے وقت کے لئے روک سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد طبعی قوانین کے ماتحت آپ کا جسم گھلنے لگتا ہے۔ اور اس طرح آپ پر بتدریج موت طاری ہونے لگ جاتی ہے۔ جنسی تقاضا کی صورت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ تقاضا (بھوک کی طرح) از خود نہیں ابھرتا اس کا جذبہ محرکہ آپ کا خیال ہوتا ہے۔ اگر آپ جنسی اختلاط کا خیال ہی نہ کریں تو اس کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مرد و عورت مہینوں تک تنہائی میں رہیں اور وہ جنسی اختلاط کا خیال نہ کریں۔ تو ان کے اندر اس جذبہ کی تحریک ہی نہیں ہوگی۔ اگر کسی وجہ سے اس کا خیال آ بھی جائے اور وہ اس سے باز رہنا چاہیں تو اپنی قوتِ ارادی سے اس پر بڑی آسانی سے قابو پا سکتے ہیں۔ اس تقاضا کی تسکین نہ کی جائے تو انسان پر کبھی وہ حالت طاری نہیں ہو سکتی جو بھوک یا پیاس سے ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بھوک کی اضطراری حالت کے لئے "حرام خوری" کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن جنسی تقاضا کی عدم تسکین کی صورت میں "حرام کاری" کی اجازت نہیں دی۔ اس نے اس کا علاج خیالات کی پاکیزگی قرار دیا ہے۔ قرآن نے بصراحت کہہ دیا ہے کہ جنسی تقاضے کی تسکین بیویوں کے علاوہ اور کسی سے جائز نہیں یہ بھی ظاہر ہے کہ بیوی ہر وقت مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ ایسے مواقع بھی آ سکتے ہیں جب مرد کو کافی عرصہ کے لئے بیوی سے الگ رہنا پڑے۔ پھر ایسی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی مرد کا نکاح ہی نہ ہو سکے۔ ان حالات کے لئے قرآن نے "حرام کاری" کی اجازت نہیں دی بلکہ کہا یہ ہے کہ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا (۲۴/۳۳) جو نکاح کا سامان نہیں پاتے انھیں چاہیئے کہ ضبطِ نفس سے کام لیں۔ اسی کا نام عفت اور عصمت کا تحفظ ہے۔ قرآن تو اضطراری حالت کا علاج "عفت" بتاتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں، یہ علاج صحیح نہیں اس کا علاج متعہ ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اپنی اس تفسیر میں ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "رہی یہ بات کہ متعہ کو بالکل نکاح کی طرح معمول بنا لیا جائے اور نکاح ممکن ہونے کی صورت میں بھی اس فعل کا ارتکاب کیا جائے . . . . تو اس کی اباحت تو ذوقِ سلیم پر بھی بار ہے کجا کہ اسے شریعت محمدیہ کی طرف منسوب کیا جائے"۔ مودودی صاحب نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ اگر نکاح ممکن نہ ہو تو پھر متعہ کی اجازت ہے۔ یعنی قرآن جس شکل کے لئے واضح الفاظ میں ضبطِ نفس کی تاکید کرتا ہے مودودی صاحب عین اسی شکل کے لئے متعہ کا جواز پیش کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کی اضطراری حالت کے لئے متعہ کی اجازت ہو تو قرآن نے جو تحفظِ عصمت و عفت پر اس قدر زور دیا ہے تو وہ کن لوگوں کے لئے ہے۔ اگر آپ یہ تحقیق دیکھیں تو جرمِ زنا کے ارتکاب میں نوے فیصدی سے بھی زیادہ واقعات ایسے ہوں گے جن میں مرد یا عورت نے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھنے کی وجہ سے اس زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر بھوک کی طرح ان شکلوں کو اضطراری شکل قرار دیا جائے اور بالغ مرد و عورت باہمی رضامندی سے "عارضی نکاح" کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کر لیں۔ تو مودودی صاحب کے نزدیک یہ چیز زنا نہیں ہوگی۔ یعنی موجودہ زنا اور مودودی صاحب کے تصور کے اسلام میں اس قسم کے جنسی تعلق میں فرق یہ ہوگا کہ لوگ آج زنا کے ارتکاب کے بعد شرمندہ و نادم ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت یہ فعل کسی ندامت کا موجب نہ ہوگا۔ اور وہ کھلے بندوں اس کا اعتراف کریں گے کہ انھوں نے "عارضی نکاح" کے ذریعہ آپس میں مباشرت کی تھی۔ اس پر نہ یہ خود محجوب ہوں گے نہ ان کے رشتہ دار مشتعل۔ اور نہ ہی سوسائٹی معترض۔ دنیا اس اسلام کو دیکھے گی۔ اور اس اعتراف پر مجبور ہوگی کہ یہ فی الواقع بے مثل و بے نظیر دین ہے۔

ہم سینہ پر پتھر رکھ کر اس جگر پاش داستانِ خونچکاں کو ختم کرتے ہیں۔ ورنہ جی تو بہت کچھ کہنے کو چاہتا تھا۔

مقامِ حدیث
حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب
دو جلدوں میں
قیمت فی جلد:۔ چار روپے

الفاروق

(از: علامہ اسلم جیراجپوری مدظلۂ العالی)

[اردو سوانح عمریاں" کے عنوان سے آل انڈیا ریڈیو نے ایک سلسلۂ تقاریر شروع کیا ہے۔ جس کی پہلی تقریر علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف "الفاروق" پر مولانا اسلم جیراجپوری نے نشر فرمائی ہے۔ ہم اس تقریر کو آل انڈیا ریڈیو کے شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔]

"الفاروق" مصنفہ مولانا شبلی مرحوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ ہے جو متوسط تقطیع پر پانسو سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصہ میں (تنقید اور مقدمہ کے بعد جو روایت اور سیرت نگاری سے متعلق ہے) حضرت عمر فاروق رضؓ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور حالات اور ان کی فتوحات کا بیان ہے اور دوسرے حصہ میں ان کے ملکی اور فوجی انتظامات علمی کمالات اور ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے۔

یہ کتاب آج سے تقریباً ساٹھ برس پہلے لکھی گئی مولانا شبلی نے نامورانِ اسلام کی سوانح عمریوں کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی پہلی کڑی "سیرۃ النعمان" تھی۔ جو ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے "المامون" لکھی۔ اس کے دیباچہ میں الفاروق لکھنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے نام کی شہرت اس کی اشاعت سے پہلے ہی ہو چکی تھی "المامون" کے بعد حسب وعدہ مولانا شبلی نے "الفاروق" لکھنی شروع کر دی۔ مگر دو وجہوں سے کچھ دنوں کے لئے اس کو ملتوی کر دینا پڑا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ تاریخ اسلام کی بعض اہم کتابیں جو اس کے لئے ضروری تھیں اندیورپ میں چھپ رہی تھیں مثلاً تاریخ ابن جریر طبری اور طبقات ابن سعد وہ ابھی تک پوری چھپ کر نہیں آ سکی تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مولانا شبلی علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے جو مختلف العقائد مسلمانوں کا سنگم تھا۔ اس لئے سر سید احمد خاں نہیں چاہتے تھے کہ الفاروق وہاں سے شائع ہو کیونکہ اس سے خطرہ تھا کہ کالج کے ہمدردوں میں سنی اور شیعہ کی تفریق نہ پیدا کر دے۔ لیکن مولانا شبلی نے اس کے لکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ چونکہ ان کی تصنیفات سلسلۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں منظور ہو چکی تھیں۔ اس لئے سر سید نے از راہ مصلحت بینی نواب سید حسین بلگرامی کو جو سلسلۂ آصفیہ کے صدر اور شعبہ میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے مولانا شبلی کے اس ارادہ کی اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ میں ان کو روک رہا ہوں۔ نواب صاحب موصوف نے جواب میں لکھا کہ "اسلام نے ایک فاروق پیدا کیا ہے حیف ہے اس کی سوانح عمری نہ لکھی جائے مولوی شبلی کو اسے لکھنے سے نہ روکئے"۔ اس جواب سے سر سید کے دل میں جو خطرہ تھا وہ جاتا رہا۔ انھوں نے یہ خط مولانا شبلی کے حوالے کر دیا اب مولانا شبلی نے اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ الفاروق لکھنے کی طرف توجہ فرمائی۔

چونکہ الفاروق کی اشاعت سے پہلے ہی اس کے نام کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اس لئے بعض لوگوں نے سوچا کہ مسلمانوں کی اس عام توجہ سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ راولپنڈی کے ایک بیرسٹر منشی سراج الدین احمد خاں صاحب نے جو سر سید کے حلقہ کے آدمی تھے سیرۃ الفاروق کے نام سے ایک کتاب لکھ کر بازار میں پیش کر دی۔ الفاروق کے مشتاقوں کو اس سے کوفت ہوئی۔ اور انھوں نے اس کو منشی صاحب موصوف کی بدنیتی پر محمول کیا خود سر سید احمد خاں نے لکھا کہ جب ایک ایسے شخص یعنی مولانا شبلی نے جو کیا بحیثیت علم اور کیا بنظر طریقہ ترتیب مضامین یادگار سلف ہے۔ الفاروق لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور بہت کچھ اس کا سامان جمع کیا تھا۔ جس کا جمع کرنا نہ آسان کام ہے اور نہ ہر ایک شخص کا کام ہے۔ اور ہنوز بہت کچھ کرنا باقی ہے تو ہمارے دوست منشی سراج الدین احمد صاحب کو بلاشبہ مناسب تھا کہ اس مضمون پر کتاب لکھ ڈالتے بلکہ اس رحمت کے منتظر رہتے جو خدا کو مولوی شبلی کے ہاتھ سے ملک کو پہنچانی تھی۔ سر سید کی اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا شبلی کو الفاروق لکھنے سے جو وہ روکتے تھے۔ اس کی وجہ محض کالج کی مصلحت تھی ورنہ وہ دل سے ان کی تصنیفات کے قدردان تھے۔

مولانا شبلی الفاروق لکھنے سے پہلے سیرۃ النعمان اور المامون لکھ چکے تھے۔ اور ان کے لئے ہندوستان کے تمام مشہور اور بڑے بڑے کتب خانے چھان ڈالے تھے۔ جب الفاروق لکھنے بیٹھے تو دیکھا کہ اس کتاب کے علمی تقاضے ان ہندوستانی کتب خانوں سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ممالک اسلامیہ۔ شام ومصر اور ٹرکی کا سفر کیا۔ ان مقامات کے کتب خانوں کو کھنگالا اور بہت سی نایاب اور نادر قلمی کتابوں سے جو ابھی تک چھاپی نہیں گئی ہیں۔ نہایت اہم اور مفید مواد الفاروق کے لئے حاصل کیا۔ اور چار پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ کتاب مرتب کی۔ اور منشی رحمت اللہ رعد کے مطبع میں جو اس وقت اردو کا بہترین چھاپہ خانہ تھا۔ طبع کرا کے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا۔

یہ کتاب آج سے تقریباً ۵۳ سال پہلے ۱۹۰۲ء میں پہلی بار میرے مطالعہ میں آئی۔ میں اس وقت درس نظامیہ ختم کر چکا تھا۔ اور میرا علمی ذوق وہی تھا جو مولانا شبلی کا تھا۔ یعنی مذہبی تاریخی اور ادبی۔ الفاروق اس وقت نہ صرف یہ کہ میرے ذوق کی چیز تھی بلکہ ایک حیران کن بے نظیر تاریخی اور علمی کتاب نظر آئی۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس کتاب کا کس قدر عظیم الشان اثر میرے دل و دماغ پر پڑا۔ اور میرے علمی ذوق کو کیا واضح اور کھلا ہوا راستہ نظر آ گیا۔

الفاروق جس موضوع پر لکھی گئی ہے۔ یعنی حضرت عمر رضؓ کی سوانح عمری اس موضوع پر اس سے زیادہ معتمد معلومات جو اس میں فراہم کی گئی ہیں۔ میرے خیال میں جمع کرنا نہ صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ مولانا شبلی نے جو باتیں اس میں درج کی ہیں روایتاً اور درایتاً ان کو پرکھا ہے۔ کمزور روایتوں سے اجتناب کیا ہے۔ متعدد کتابیں جو شروع سے مقبول چلی آتی ہیں۔ مثلاً ریاض النضرہ۔ تاریخ ابن عساکر "کنز العمال" اور حلیۃ الاولیاء وغیرہ ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی بیشتر روایتیں غیر معتبر اور محض عوام کی گرمی محفل کے لئے ہیں۔ اگر کہیں ان میں سے کوئی بات لی ہے۔ تو اس وقت جب کہ دوسری معتبر کتابوں سے اس کی سند ملی ہے۔ عہد فاروقی کے بعض واقعات جو غلط طریقے سے سمجھے گئے ہیں۔ مولانا شبلی نے دلائل کے ساتھ ان کو صحیح طور پر سمجھایا ہے۔ مثلاً مورخ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ مولانا نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ اور تاریخ طبری کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کا حکم صرف یہ تھا کہ بنی تغلب میں سے جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان کے بچوں کو زبردستی بپتسمہ نہ دیا جائے۔ اسی طرح بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے تحقیر اور تذلیل کے لئے عیسائیوں کو ایک خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور کیا تھا۔ مولانا نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ امتیاز کے لئے عیسائیوں کو ایک لباس کی ہدایت کی گئی تھی۔ تحقیر و تذلیل کا خیال محض راوی کا قیاس ہے۔ غرض متعدد تاریخی غلطیاں ہیں۔ جن کا ازالہ پختہ دلیلوں سے کیا ہے۔ اسی طرح فدک، قرطاس اور سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات پر مفصل بحثیں کی ہیں جو عالمانہ اور دلنشیں اور بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرتی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ جس میں حضرت عمر رضؓ کے ملکی انتظامات، فوجی مہمات اور علمی اجتہادات وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔ اس قدر محققانہ ہے۔ جس نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں دلوں پر مولانا شبلی کی تاریخ دانی اور علمی کمال کا سکہ بٹھا دیا۔ ممکن ہے کہ ان بحثوں میں سے کسی کسی میں اعتراضات کی گنجائش نکل سکے مگر کون سا انسانی کارنامہ ہے جس کو مطلقاً بے عیب کہا جا سکتا ہے۔ مولانا شبلی کا طرز تحریر عالمانہ ہے۔ عالمانہ سے میری مراد یہ ہے کہ ہر ہر فقرہ ہر ہر لفظ کو جو وہ لکھتے ہیں پہلے سوچتے ہیں تولتے ہیں۔ پھر مناسب اور موزوں بلکہ دلکش ادبی انداز میں مرتب کرتے ہیں۔ نہ صرف الفاظ کی ہم آہنگی بلکہ ان کی ترکیب میں بھی ادبی ذوق ملحوظ رکھتے ہیں۔ معانی اور مطالب کے ساتھ جملوں اور لفظوں کا تطابق دیکھتے ہیں اور کم سے کم اور بہتر سے بہتر الفاظ سے اپنا مقصد ادا کرتے ہیں۔ الفاظ فصیح۔ بندش چست عبارت دلکش اور تکلف و بناوٹ سے خالی۔ انھوں نے خود اس کتاب کے مقدمہ میں تاریخ کے طرز تحریر پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ تاریخ اور انشا پردازی کی

حدیں بالکل جدا جدا ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے۔ وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا کام یہ ہے کہ کسی حصۂ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی سے اس کی شکل۔ سمت و اطراف اور اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا۔ یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائے گا۔ جن میں کوئی خاص اعجوبگی ہے۔ اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مؤرخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کرے گا لیکن انشاپرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے اور واقعہ کی دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرے؟

یہ جو کچھ طرز تحریر کے متعلق مولانا شبلی نے لکھا ہے خود سرمو اس سے تجاوز نہیں کیا ہے۔ دراصل تاریخ نویسی کے متعلق یہ اصول ان کا اپنا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے قدیم مورخوں نے جو تاریخیں لکھی ہیں۔ مثلاً ابن قتیبہ کی "معارف" بلاذری کی فتوح البلدان" دینوری کی "اخبار الطوال اور یعقوبی کی تاریخ وغیرہ سب اسی اصول کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ تاریخ ابن جریر طبری جو اسلام کی سب سے بسیط تاریخ ہے۔ اور ام التواریخ" کہی جا سکتی ہے۔ اس کی تیرہ جلدوں کو آپ پڑھ جایئے کہیں کوئی استعارہ یا تشبیہ نہیں پائیں گے۔ کیونکہ ان چیزوں سے واقعہ میں رنگ آمیزی ہو جاتی ہے اور اس کی اصلی تصویر سامنے نہیں آتی۔ مثلاً ایک سپاہی میدان جنگ میں لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ مورخ صرف یہی کہے گا کہ مبارز طلبی کے لئے صف سے آگے بڑھا۔ انشاپرداز یا شاعر کہے گا کہ شیر کی طرح آگے بڑھا۔ یہاں یہی نہیں کہ واقعہ میں رنگ آمیزی ہوئی۔ بلکہ بیان کرنے والے کا جذبۂ پسندیدگی اور مدح بھی نمایاں ہو گیا۔ جو تاریخ نویسی میں ہرگز جائز نہیں رکھا جا سکتا۔

مولانا شبلی نے اردو تحریر کی جو روش رکھی آج تمام اہل علم اسی پر چل رہے ہیں۔ ان کا استعمال کیا ہوا آج تک کوئی لفظ نہ نامانوس ہوا ہے۔ نہ متروک۔ انھوں نے تحریر اور تقریر میں مطابقت اور یکسانی پیدا کی۔ جس نے طبائع میں عام مقبولیت حاصل کر لی۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مولانا نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ مورخ کو بے تعصب ہونا لازم ہے چنانچہ ان کی یہ کتاب باوجود معرکۃ الآرا اختلافی مسائل پر حاوی ہونے کے شروع سے آخر تک محققانہ ہے۔ اور انھوں نے کہیں اپنے قلم کو تعصب سے آلودہ نہیں ہونے دیا ہے

ان تمام خوبیوں کے ساتھ مولانا شبلی نے اس کتاب کے لئے جو کثیر مواد فراہم کیا ہے۔ اس کو اس خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے کہ اتنی بڑی کتاب ہونے کے باوجود واقعات کا تکرار بہت کم ہوا ہے۔ ایک ہی بات کو بار بار لکھنا خواہ وہ مختلف تقاضوں کی بنا پر کیوں نہ ہو کسی اچھے اہل قلم کے لئے پسندیدہ امر نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے اس عیب سے کافی احتیاط برتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاروق کیا بلحاظ انداز بیان اور کیا بلحاظ معلومات اعلیٰ پایہ کی مورخانہ کتاب ہے۔ قدیم زمانہ سے آج تک حضرت عمرؓ کے حالات میں جو کتابیں خود عربی میں لکھی گئی ہیں۔ ان سب سے اس کا درجہ بلند ہے

اردو زبان میں آج تک جتنی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے جو قابل مطالعہ ہیں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔ میں بلا تامل یہ کہنے کو تیار ہوں کہ اس زبان میں آج تک ایک سوانح عمری الفاروق کے رتبہ کی نہیں لکھی گئی۔ خود مولانا شبلی کی لکھی ہوئی "سیرۃ النعمان" "المامون" اور الغزالی وغیرہ اگرچہ اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہیں۔ مگر الفاروق ان سب سے بلند پایہ ہے۔ بعض اہل علم نے میرے سامنے یہ رائے ظاہر کی کہ سیرۃ النبی کی پہلی دو جلدیں جو مولانا شبلی کے قلم سے نکلی ہیں۔ ان کی سب سے بہتر تصنیف ہیں۔ مگر میرے نزدیک ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے پرانے طریقے کے مطابق اپنی سیرۃ النبی کا زیادہ تر مدار روایات پر رکھا ہے۔ اور اس میں قرآن سے جس قدر کام لینا چاہئے تھا۔ وہ نہیں لے سکے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تاریخی سے زیادہ دینی ہے۔ وہ اسی وقت صحیح اور مفید ہو سکتی ہے جب قرآن سے لکھی جائے یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ اور یہی زمانہ کا تقاضا ہے۔ روایاتی سیرتیں تو اپنی زندگی کے آخری دن پورے کر رہی ہیں۔ الغرض میرے نزدیک مولانا شبلی کا بڑا شاہکار یہی الفاروق ہے۔ اس کا نہایت سلیس فارسی میں نادر شاہ بادشاہ کابل کی ہمشیرہ نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۵۱ھ میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں اخبار زمیندار لاہور کے ایڈیٹر نے اس کے پہلے حصہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

آخر میں یہ لطیفہ بھی یہاں بے موقع نہ ہوگا کہ مولانا شبلی جب ندوہ کے تعلق سے لکھنؤ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ان کے ملنے والوں میں سے چند شیعہ اہل علم ان کے پاس آئے اور خواہش ظاہر کی کہ جس طرح آپ نے "الفاروق" لکھی ہے اسی طرح "المرتضیٰ" بھی لکھ ڈالئے۔ مولانا شبلی نے کہا کہ ارادہ تو رکھتا ہوں مگر ایک پاؤں آگے اٹھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے۔[1] اس محفل میں شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم ندوہ جو ظریف الطبع تھے موجود تھے۔ انھوں نے گردن اٹھائی اور ذرا جھک کر مولانا شبلی کی طرف دیکھا اور بیٹھ گئے۔

مولانا شبلی نے پوچھا کیا دیکھتے ہو؟

بولے کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ کا کون سا پاؤں کاٹا گیا ہے آگے بڑھنے والا یا پیچھے ہٹنے والا۔

---

[1] ایک حادثہ میں علامہ شبلی مرحوم کا ایک پاؤں زخمی ہو گیا تھا اور اسے بعد میں کاٹنا پڑا تھا۔ (طلوع اسلام)

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط حسین جلد مع گرد پوش۔ قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۰ صفحات ــــــ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ــــــ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز دوسری جلد) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ــــــ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روز مرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ــــــ قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی بارہ سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ــــــ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات میں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۵۷ صفحات ــــــ قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتب مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: **ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی**

بابُ المراسلات

تلخ حقیقتیں

لاہور سے ایک دوست جن کا قلب حزیں پاکستان کی محبت اور مسلمان کے درد سے لبریز ہے۔ اپنے تجربات کی بنا پر چند تلخ حقیقتیں بیان کرتے ہیں۔ جنہیں ہم اس لئے شائع کر رہے ہیں کہ

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

"آپ تعجب تو نہ کرتے ہوں گے کہ یہیں ہنوز لامکان ہوں۔ دیگر ضروریات زندگی کی طرح اس کی تقسیم بھی غلط ہے۔ یہاں کے حالات یہ ہیں کہ آٹھ کمروں کا مکان ہے لیکن دو آدمی رہتے ہیں۔ لوگوں نے اپنے ذاتی مکان کرائے پر دے رکھے ہیں اور خود مہاجرین کے متروکہ مکان پر قابض ہیں۔ بعض ذی اثر حضرات کے پاس تو تین تین مکان ہیں۔ ایک مکان پرانے شہر میں۔ ایک فلیٹ جدید آبادی میں۔ ایک وسیع بنگلہ مضافات میں۔ کرایہ پر مکان اس لئے نہیں ملتے کہ سال بھر کا پیشگی کرایہ کون دے۔ ایک یونٹ کے سلسلہ میں حکومت نے بہت سے مکان روک رکھے ہیں۔ خدا اور قیصر کی تفریق کی طرح مرکز اور صوبائی ملازمین کی تفریق نے اس رعایت سے بھی محروم رکھا ہے۔ محترم وزیر اعظم نے ملازمین کو کارگزار اور دیانت دار رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ دیانت داری تو چھوڑیئے محترم موصوف نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ آخر وہ کیا محرکات ہیں جن سے ملازم کارگزار بنتا ہے۔ دوا دوش، دوڑ دھوپ۔ سفارشیں اور صدر معظم صاحبان کی خوشامد کے بعد (جس میں میری خودداری اور سرکاری غیرت احتجاج کرتی ہے) دو بچوں کو بمشکل اسکول میں داخلہ ملا۔ تیسرے کا مقدمہ ہنوز زیر غور ہے۔ حال میں کراچی کے گرامر اسکول کا جو قضیہ اٹھا ہے۔ اس پر قوم یا حکومت کو ڈوب مرنا چاہیئے۔ ہائے یہ مسلمان اور وائے یہ نام نہاد اسلامی حکومت کا شور و غوغا۔ جس قوم کے نونہالوں کی تعلیم کا انحصار حکومت کی بے غیرتی اور بے حسی پر ہو۔ اس کا انجام معلوم۔ یہ تلخ نوائی معاف۔ دل کا خون آنکھوں میں کھنچ آئے تو کیا اس کا علاج؟

کراچی سے لے کر لاہور تک ایک انسانیت سوز ذہنیت کارفرما ہے۔ ظلم، تاخیر، بددیانتی روزمرہ کا معمول ہے۔ پولیس کا سپاہی ہو یا آبادکاری کا ناظم۔ دفتر کا چپراسی ہو یا ضلع کا افسر ہر ایک انسانوں کے ساتھ معاملات میں خائن ہے۔ خدا کا ڈر تو خیر بڑی بات ہے۔ اسے اس دنیا میں بھی کسی عاقبت کا ڈر نہیں۔ وہ علی الرغم ظلم کرتا ہے۔ علانیہ بے ایمانی کر کے بہ ایں بکف چراغ دارد کا مصداق بنا بیٹھا ہے۔ ان حالات میں اور اس سرزمین میں جہاں دیانت قابل مواخذہ ہو اور انسان گردن زدنی۔ قانون خداوندی کی حفاظت کے بغیر ایک یونٹ کے تصور سے میری روح کانپتی ہے۔ سچ پوچھئے تو سارا پاکستان کیا بلکہ ساری دنیا ہی ایک یونٹ ہونی چاہیئے لیکن ابھی سے اچھی تجویز بھی' اگر عاملین نااہل اور خودغرض ہوں' تو عذاب بن جاتی ہے۔ حکام کے طرز عمل اور عام ذہنیت کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تعمیری پروگرام مزید تخریب کا پیش خیمہ بن جائے۔

اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کہ اس تحریک کے کرتا دھرتا" ولقد کرمنا بنی آدم" کی تفسیر سے واقف کرائے جائیں افسروں کے دروازوں سے پردے نوچ لئے جائیں اور انہیں بتلایا جائے کہ ان کا عہدہ خدا کی امانت ہے۔ جسے وہ انسان کی بھلائی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان حضرات سے کہنا چاہیئے کہ یہ اپنے ارادوں کا جائزہ لیں۔ اور جو ہوس اقتدار ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے اسے کچل ڈالیں۔ انسانوں پر حکومت کرنے کا خیال ترک کر دیں۔ ان الحکم للّٰہ میں جو راز ہے اسے سمجھ لیں تو صراط مستقیم واضح ہو جائے گی۔ کیا مسلم لیگ اور دیگر سلطنتوں، جماعتوں کی موت کے اسباب ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں؟ دور کیوں جایئے اگر شرقی بنگال میں مسلم لیگ عوام سے رابطہ قائم رکھتی۔ اور عوام کی بھلائی کے لئے حکومت کرتی تو جو خطرہ آج ہمارے سامنے ہے۔ وہ نہ ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ اور حکام کا زاویہ نظر نہ بدلا تو اس مغربی پاکستان میں ایک ایسا طوفان آئے گا۔ جس کی زد سے بچنا محال ہو گا۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں اور آپ کی صحت آپ کے عزائم کی رفیق ہو سکے۔ میری دعائیں تو آپ کے لئے طویل زندگی مانگتی ہیں کہ کم از کم آپ اپنے حسنات کی دنیا تعمیر ہوتے تو دیکھ لیں۔ اس آرزو میں خودغرضی کی ملاوٹ بھی ہے۔ ایک حسرت کہ آپ کے ساتھ رہ کر کچھ سیکھ لیتا۔ کچھ خدمت کر سکتا۔ لیکن اس غلط معاشرہ میں اور کونسی امیدیں پوری ہوئی ہیں جو یہ پوری ہو گی؟"

طلوعِ اسلام

مسلم استی! سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

شرعی سزائیں

محترم شیخ ابوبکر صاحب نے کراچی سے انگریزی میں ایک خط لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ آجکل کراچی میں سرقہ اور جیب تراشی کی وارداتیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ حتیٰ کہ اب بیرونی ممالک کے مسافر نماز ادا کرتے وقت بھی جیب تراشوں کے حملوں سے محفوظ نہیں رہتے۔ اس کے لئے تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ قرآن نے چوری کی جو سزا ہاتھ کاٹنا تجویز کی ہے۔ اگر یہاں دو ایک کو بھی یہ سزا دیدی جائے تو یہ جرائم فوراً ناپید ہو جائیں گے۔ اس کے بعد شیخ صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ طلوع اسلام نے بھی اپنی کتاب "قرآنی فیصلے" میں یہ لکھا ہے کہ قرآن نے جو سزائیں

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسولؐ — یہ کون بتلائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسولؐ! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۰ صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ۔۔۔۔۔ چار روپے

فردوس گم گشتہ — (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراجپوری) علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و خلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا بہترین مرقع۔ قرآنی آئینہ میں ۔۔۔۔۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دو حصوں کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے
قیمت (قسم اول) ۔۔۔۔۔ چھ روپے
" (قسم دوم) غیر مجلد ۔۔۔۔۔ چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ۔۔۔۔۔ قیمت دو روپے

تمام کتب مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳۔ کراچی

مقرر کی ہیں۔ وہ انتہائی سزائیں ہیں۔ اور حکومت یا عدالتیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ان میں تخفیف بھی کر سکتی ہیں۔

محترم مستفسر کو اس بارے میں طلوع اسلام سے اختلاف ہے اور انہوں نے طلوع اسلام سے دو سوال براہ راست کئے ہیں۔ یعنی

(۱) کیا آپ کے خیال میں چور کی سزا (قطع ید) وحشیانہ سزا ہے جس کی آج کی مہذب دنیا میں کوئی ضرورت نہیں؟

(۲) اگر اس سزا کو آج کراچی میں جاری کر دیا جائے تو کیا آپ کے خیال میں یہ ایسے ہی اچھے نتائج پیدا نہیں کرے گی جیسے اس نے سعودی عرب میں کئے ہیں؟

طلوع اسلام | صرف چند ایک جرائم ایسے ہیں جن کی سزا خود قرآن نے متعین کر دی ہے۔

(۱) جرم قتل کی سزا جس کے لئے کہا گیا کہ

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَىٰ

یعنی قتل کی سزا موت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ (۲/۱۷۸)

جس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کی رضامندی سے سزائے موت کے بجائے دیت بھی دی جا سکتی ہے۔

(۲) حکومت کے خلاف بغاوت۔ اور فساد فی الارض کی سزا جس میں سزائے موت۔ تصلیب۔ ہاتھ پاؤں کا الٹا کاٹنا قید یا جلاوطنی شامل ہے

ان سزاؤں کے بعد قرآن میں ہے

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ (۵/۳۴)

یعنی اگر یہ لوگ قبل اس کے کہ تم ان پر غلبہ پالو خود ہی تائب ہو جائیں تو پھر انہیں معاف کیا جا سکتا ہے۔

حکومت کے خلاف جنگ اور فساد فی الارض بڑی وسیع المعنی اصطلاحات ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی حکومت ایک قانون بنائے۔ اور ایک شخص یہ کہے کہ میں اس قانون کو قانون ہی نہیں مانتا۔ تو یہ چیز بھی حکومت کے خلاف جنگ میں شامل ہو جائے گی۔ اور فساد فی الارض میں ہر وہ چھوٹی اور بڑی بات شامل ہو گی۔ جس سے معاشرہ کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

(۳) چوری کی سزا۔ اس کے لئے کہا کہ

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا

یعنی چور مرد اور عورت کی سزا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ قطع ید کے معنی ہیں ایسے حالات پیدا کر دینا۔ جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رک جائیں۔ بہرحال دونوں میں سے کوئی بھی مطلب ہو۔ اس سزا کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ (۵/۳۹)

جو شخص اس قانون شکنی کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے۔

(۴) زنا کی سزا سو تازیانے (۲۴/۲)

اور پاک امن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اسی تازیانے (۲۴/۴)

یہ تو رہا سزاؤں کا تعین۔ لیکن قرآن نے اس کے ساتھ ہی ایک چیز کو بطور اصول بیان کیا ہے کہ

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا (۴۲/۴۰)

ہر سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن نے جن سزاؤں کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان جرائم کی انتہائی شکلوں کی سزائیں ہیں۔ اسلامی نظام یا عدالت کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ حالات کے تقاضے کے اعتبار سے جرم کی نوعیت کو متعین کرے۔ اور اس کے مطابق سزا میں تخفیف کرے۔ اس حقیقت پر ایک اور چیز بھی دلالت کرتی ہے۔ قرآن میں بغاوت یا فساد فی الارض کی سزائیں قتل صلیب۔ الٹے ہاتھ پاؤں کو کاٹنا (یا بعض لوگوں کے نزدیک الٹے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں یا بیڑیاں ڈالنا) یا قید یا جلاوطنی تک بتائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے متعین ہونگی۔ لیکن اس نے چوری کی سزا قطع ید تجویز کی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بغاوت یا فساد فی الارض کے جرائم چوری کے جرم سے زیادہ سنگین ہیں۔ لہٰذا اگر ان سنگین تر جرائم کی پاداش میں بعض حالات میں صرف قید کو کافی سمجھا جا سکتا ہے تو جرم کی نوعیت کے اعتبار سے چور کی سزا بھی قید تجویز کی جا سکتی ہے۔

یہاں تک ہم نے قرآنی سزاؤں کے متعلق صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب ہم ان سوالوں کی طرف آتے ہیں جو ہم سے براہ راست کئے گئے ہیں۔ قرآن نے جو سزائیں بھی تجویز کی ہیں۔ ان میں کسی قسم کی بربریت اور وحشیانہ پن نہیں۔ جس کی بنا پر ہم انہیں آج کی مہذب دنیا میں پیش کرنے سے شرمائیں۔ مہذب انسانوں سے تہذیب کا سلوک کیا جاتا ہے۔ لیکن جب کسی معاشرہ میں وحشیانہ پن عام ہو جائے تو اس میں جرم کی سزائیں سختی سے سخت دینی چاہئیں۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان میں اس وقت جرائم کی جو کثرت ہو چکی ہے اور کثرت ہی نہیں بلکہ جرائم کو اب جرائم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یہ درحقیقت حکومت کے خلاف بغاوت ہے۔ لوگوں کے ذہن میں قانون کا احترام ہی نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے پچھلے دنوں یہ لکھا تھا کہ اگر حکومت کسی ایک رشوت خور افسر کو پھانسی کی سزا دے اور اس کی جائیداد ضبط کرلے تو دیکھئے رشوت ستانی کس طرح بند ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس وقت پاکستانی معاشرہ کا علاج مارشل لا کے سوا کچھ نہیں۔ مارشل لا میں مختلف جرائم کو الگ الگ تصور نہیں کیا جاتا۔ اس میں ہر قانون شکنی کو حکومت کے خلاف بغاوت شمار کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت پاکستان میں ہر جرم کی سزا پھانسی ہونی چاہیئے۔ اور اس کی ابتداء ان بڑے بڑے لوگوں سے کرنی چاہیئے جو ایک معنوں میں عادی جرائم پیشہ ہو چکے ہیں۔ لیکن انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں رشوت جرم ہے۔ لیکن اخبارات میں جو واقعات درج ہوتے ہیں۔ وہ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ فلاں چپراسی کو دو روپے لیتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ اور فلاں چنگی کے محرر کو دس روپے کی رشوت لینے پر سزا مل گئی۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ ہزاروں اور لاکھوں کی رشوتیں کن بلندیوں پر عام ہو رہی ہیں۔ اسی طرح بلیک مارکٹنگ ہمارے ہاں جرم ہے۔ لیکن خبریں اس قسم کی چھپتی ہیں کہ فلاں برف فروش کو گرفتار کر لیا گیا کیونکہ وہ برف دو آنے سیر کے بجائے اڑھائی آنے سیر فروخت کر رہا تھا۔ یا فلاں سوئیاں بیچنے والے کو پکڑ لیا گیا۔ کیونکہ وہ دو دو پیسے کے بجائے ایک ایک آنہ میں سوئی بیچ رہا تھا۔ لیکن جہاں سو روپے کی چیز پانچسو روپے میں بکتی ہے۔ وہاں تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ ہندوستان کی حکومت نے ایک طرف آئی۔ سی۔ ایس کے ایک اعلیٰ افسر کو جو مرکزی حکومت کے سکریٹری کے عہدے پر فائز تھا اور دوسری طرف سیٹھ ڈالمیا جیسے امیر کبیر تاجر اور صنعتکار کو گرفتار کر کے ملک میں دھاک بٹھا دی ہے۔ لہٰذا پاکستان میں آج ضرورت اس امر کی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جرم کی سزا بھی سخت سے سخت دی جائے اور اس میں چھوٹے اور بڑے میں کوئی فرق نہ رکھا جائے۔ یہ تجاویز ہم نے محض ہنگامی حالات کے پیش نظر کی ہیں۔ ورنہ معاشرہ کی صحیح اصلاح تو نظام ربوبیت کے بغیر ناممکن ہے۔ جب معاشرہ میں یہ صورت ہو گی کہ ہر فرد کو حق حاصل ہو کہ وہ جتنی جی چاہے جائداد بنالے اور جتنا جی چاہے روپیہ اکٹھا کر لے معاشرہ کی صحیح اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی لیکن جب تک وہ نظام قائم نہ ہو اس وقت تک ہمارے معاشرہ کی موجودہ بگڑی ہوئی حالت کے پیش نظر جرائم کی سزائیں بہت سخت دینی چاہئیں۔

(تعلیم اور تربیت کے ذریعے سے جرم آلود ذہنیتوں کی اصلاح ایک الگ موضوع ہے جس پر قرآن خاص طور پر زور دیتا ہے لیکن یہ چیز ہمارے پیش نظر موضوع سے سردست خارج ہے اس کے متعلق ہم پھر کبھی تفصیل سے لکھیں گے)

اسلامی نظریہ اجتماع

(حیدر زمان صدیقی)

موجودہ بےچینیوں اور ساری دنیا پر حادی فسادات کا اصل سبب یہی ہے کہ خدا کی بجائے وطن کو معبود بنا لیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایسے تمام انسانی دماغوں کی اصلاح کی جائے جن میں وطن پرستی، نسل پرستی، رنگ پرستی، غرض خدا پرستی کے سوا سب کچھ بھرا ہوا ہے۔ جب تک یہ سڑا ہوا اور متعفن مادہ خارج نہیں کیا جائیگا موجودہ ہیجان کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک بنیادی اور وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ قرآنی نظریۂ اجتماع و سیاست ہی انسانیت کی پیشانی عظمت و جلال کو اصنام نسل و وطن کے آگے جھکنے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت:۔ دو روپیہ بارہ آنے

عالمگیر اسلامی تصورات

مصنفہ:۔ ڈاغلول مترجمہ عبدالوہاب

اسلام ایک عالمگیر اخوت کا پیام دیتا ہے جو سارے جہان، سارے زمانے اور ساری انسانی آبادی کے لئے ہے اور دنیا کی موجودہ بےچینی کا علاج اور سسکتی ہوئی انسانیت کی نجات صرف تعلیمات اسلام میں ہے۔ یہ کتاب ہمارے نوجوانوں کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے تاکہ ہم اپنے مذہب اور اس کے فلسفہ سے صحیح طور پر آگاہ ہو جائیں۔ مجلد رنگین گرد پوش قیمت تین روپیہ چار آنہ

نفیس اکیڈیمی۔ بلاسس سٹریٹ۔ کراچی

عالمِ اسلامی

مراکش میں اس حد تک تو بات آگے بڑھی ہے کہ سلطان ابن عرفہ جسے فرانس نے دو سال پہلے وطن پرست سلطان ابن یوسف کی بجائے گدی نشین کر دیا تھا۔ تخت سے علیحدہ ہوگیا ہے۔ لیکن وہ جاتے جاتے سلطانی مہریں اپنے ایک عزیز کے حوالے کر گیا ہے۔ اس سے پیچیدگی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ کیونکہ تجویز تو یہ تھی کہ اسے تخت سے ہٹا کر ایک ریجنسی کونسل قائم کی جائے۔ اور اس کے ساتھ قومی حکومت مرتب کی جائے۔ جو اصلاحات کا معاملہ طے کرے۔ فرانس کے حکومتی حلقوں میں ابن عرفہ کی اس دست برداری کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ عملاً دست برداری ثابت ہوگی۔ یا اس سے مراکش کے ڈرامے میں ایک اور کردار کا اضافہ ہو جائے گا۔ بعض فرانسیسی حلقوں میں کہا جا رہا ہے کہ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ اس کے باوجود ریجنسی کونسل قائم کی جا سکتی ہے۔ ادھر یہ ہو رہا ہے اُدھر فرانس نے بربر قبائل کے خلاف فوجی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ وہ ان ہنگاموں کے لئے الجیریا کو الزام دے رہا ہے۔ جہاں تک الجیریا کا تعلق ہے۔ یہ مسئلہ ایشیائی افریقی گروہ نے اقوام متحدہ تک پہنچا دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ہدایت کار کمیٹی نے تو الجیریا کو ایجنڈے میں شامل کرنے کی سفارش نہیں کی تھی لیکن جنرل اسمبلی نے ایک ووٹ کی اکثریت سے اس سفارش کو مسترد کر دیا ہے۔ گویا اب الجیریا جنرل اسمبلی میں زیر بحث آ سکتا ہے لیکن یہ معاملہ زیر بحث آئے گا یا نہیں۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کوشش شروع ہوگئی ہے کہ کسی طرح اس بحث کو معرض التوا میں ڈال دیا جائے تاکہ فرانس ناراض نہ ہو۔ فرانس نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جنرل اسمبلی کا مقاطعہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا وفد واپس آگیا ہے۔ اور اب وہ اقوام متحدہ کی کارروائی میں شریک نہ ہوگا۔ فرانس کا اعتراض یہ ہے کہ الجیریا اس کا خانگی مسئلہ ہے۔ اور اس کی دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ آئینی اعتبار سے الجیریا فرانس کا حصہ ہے۔ اس کا مقبوضہ نہیں۔ از روئے آئین فرانس یہ صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ کیا واقعی الجیریا کا سیاسی درجہ ایسا ہے کہ وہ اپنے آپ کو صحیح معنوں میں فرانس کا حصہ سمجھ سکتا ہے تو اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ آئینی اعتبار سے الجیریا کا مرتبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو عملاً ایک نو آبادی ہے۔ جہاں تک اہل الجیریا کا تعلق ہے انھوں نے اپنے آپ کو کبھی فرانس کا حصہ نہیں سمجھا۔ اور شروع سے ہی اس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ لہٰذا سوال یہ نہیں کہ فرانس الجیریا کو کیا سمجھتا ہے بلکہ الجیریا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ جب الجیریا جس کے لئے فرانس نے اپنے آئین میں یہ گنجائش رکھی ہے کہ اسے فرانس کا حصہ سمجھا جائے گا۔ اس درجے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو فرانس یا کسی اور ملک کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ الجیریا کو مجبور کر کے اسے اس درجہ پر قانع بنائے۔

الجیریا کا معاملہ جنرل اسمبلی میں پیش ہو بھی گیا تو یہ توقع عبث ہوگی کہ اقوام متحدہ کی طرف سے اس کا کوئی حل پیش کیا جائے گا۔ اس سے پہلے مراکش کا معاملہ بھی جنرل اسمبلی میں پیش ہو چکا ہے۔ اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا ویسے اقوام متحدہ چاہے تو اپنی نگرانی میں الجیریا کو آزادی دلا سکتی ہے۔ لیکن چھوٹی اور بالخصوص ایشیائی اور مسلم اقوام اتنی متحد اور مضبوط نہیں کہ بڑی قوموں کو مجبور کر کے کوئی خاطر خواہ فیصلے کرا سکیں۔ اقوام متحدہ ایسا نہ کرے تو فرانس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ الجیریا کا مطالبۂ آزادی تسلیم کرے گا۔ حال ہی میں فرانس کے وزیر اعظم نے غیر مبہم الفاظ میں کہا ہے کہ وہ الجیریا کو فرانس کا حصہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مطالبہ آزادی کو فوجی قوت سے کچلیں گے۔ فوجی قوت کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں ہند چینی کی مثال دے دینی کافی ہے فرانس وہاں آٹھ سال تک فوجیں جمع کر کے لڑتا رہا لیکن بالآخر اسے شکست کھانا پڑی۔ جو کچھ ہند چینی میں ہو سکتا ہے وہ مغرب اقصیٰ میں بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمان ممالک متحد ہو کر اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لیں۔ تو یہ فیصلہ جنگ کی بجائے میز پر ہو جائے۔

مصر نے روس سے اسلحہ خریدنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس سے بعض عربی ممالک میں ہلچل سی مچ گئی ہے۔ اور سعودی عربیہ اور شام کے متعلق بھی خبریں آ رہی ہیں کہ وہ بھی شاید روس یا روسی حلقہ بگوشوں سے اسلحہ خریدنے کی کوشش کریں گے۔ اسلحہ خریدنے کی خواہش اور کوشش خوش آئند ہے کیونکہ ان عرب ممالک کے پاس کوئی قابل ذکر منظم اور تربیت یافتہ فوج نہیں۔ یہ غنیمت ہے کہ انھیں اپنی کمزوری کا احساس بھی ہوتا جا رہا ہے۔ اور اسے دور کرنے کی بھی وہ فکر کرنے لگے ہیں لیکن جیسا کہ لمعات میں لکھا جا چکا ہے۔ جب تک متفقہ طور پر ایک لائحۂ عمل بنا نہیں لیا جاتا۔ اس کمی کے خاطر خواہ پورا ہونے کی گنجائش کم نظر آتی ہے۔

انڈونیشیا میں آزادی کے بعد پہلے انتخابات ختم ہو گئے ہیں۔ چونکہ ملک چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے اس لئے نتائج تیار ہونے میں دو ماہ لگ جائیں گے۔ لہٰذا اس وقت اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کس پارٹی کا پلہ بھاری رہا۔ ابتدائی اطلاعات سے پتہ چلتا تھا کہ مسجومی پارٹی کو اکثریت حاصل ہوگی۔ یہ پارٹی اسلامی نظام حکومت کی داعی ہے۔ اور مسلمان ممالک کے بلاک کی حامی۔ بلکہ ان کے ایک لیڈر ڈاکٹر روہم نے جو وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔ یہاں تک کہا ہے کہ وہ برسر اقتدار آتے ہی مسلمان ممالک کی کانفرنس طلب کریں گے اور مسلمان دولت مشترکہ کی تشکیل کریں گے۔ اب بعض اطلاعات سے مترشح ہوتا ہے کہ صدر سوئیکارنو کی قائم کردہ نیشنلسٹ پارٹی جیت جائے گی۔ یہ پارٹی "غیر جانبداری" کی قائل اور اپنے آپ کو مسلمان کم اور ایشیائی زیادہ سمجھتی ہے۔ بہرحال نومبر کے آخر یا دسمبر کے شروع میں نتائج کا اندازہ لگایا جا سکے گا۔ ان نتائج کی بنا پر مجلس دستور ساز عمل میں آئے گی۔ اس کا اجلاس ۱۵ دسمبر سے شروع ہوگا۔ بہرحال اگر وہاں مسجومی پارٹی برسر اقتدار آگئی تو جماعت اسلامی کے انداز کا سڑا ہوا مذہب فضا پر چھا جائے گا اور اگر نیشنلسٹ پارٹی کامیاب ہوگئی تو مغرب زدہ ذہنیت کا غلبہ ہو جائے گا اسلام کی سرفرازی نہ اس میں ہوگی نہ اس میں۔ بس پارٹیوں کے اپنے اپنے مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔
نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبۂ اشتہارات سے حاصل کیجئے

ناظم ادارہ طلوع اسلام
پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۰ ——— کراچی

ماہنامہ طلوع اسلام کے
پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری، اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ہے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نومبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاہیں وہ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۸/۳۰x۲۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی۔۳

Regd. No. S. 1088.

انسانی معاشرہ

میں امن و توازن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ مختلف افراد معاشرہ

ایسے اصولوں کی پابندی کریں جو ان کی عقل کے

مفاد پرستانہ تقاضوں

کے ساتھ ساتھ بدلتے نہ رہیں ۔ ایسے اصول وضع کرنا

عقل کے بس کی بات نہیں

نہ یہ اصول انسان کی فطرت کے اندر از خود موجود ہیں

یہ اصول کیا ہیں ؟

اور ان سے امن و توازن والا معاشرہ کیسے متشکل کیا جاسکتا ہے ؟

اس کیلئے دیکھئے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از ۔ پرویز)

دور حاضر کی عظیم کتاب ۔

قسم اول ۔ کاغذ سفید کرنا فلی ۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے ۔

قسم دوم ۔ کاغذ میکانیکل ۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۲۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM

جلد نمبر ۸
شمارہ ۳۸

کراچی: ہفتہ ۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

لیکن اس معاشرہ میں صرف اتنا ہی نہیں ہوگا کہ کھانے پینے کی افراط اور سامان آرائش و آسائش کی فراوانی ہوگی ۔ اس میں جسمانی راحتوں کے ساتھ دل و دماغ کی آسائشیں بھی میسر ہونگی ۔ افراد معاشرہ کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کسی قسم کا کینہ اور عداوت نہیں ہوگی ۔ ونزعنا ما فی صدورهم من غل ۔ (۷/۴۳) اقوام عالم میں کسی مقام پر بھی کسی قسم کی ذلت اور رسوائی نہیں ہوگی ۔ ولا یرهق وجوههم قتر ولا ذلة (۱۰/۲۶) بڑے سے بڑا جانگداز حادثہ بھی انہیں پریشان نہیں کرسکیگا ۔ لا یحزنهم الفزع الاکبر (۲۱/۱۰۳) نہ جانکاہ مشقت ہوگی نہ ذہنی اور نہ نفسیاتی افسردگی ۔ لا یمسنا فیها نصب ولا یمسنا لغوب (۳۵/۳۵) تمام افراد نہایت خندہ پیشانی اور خوش مزاجی سے رہیں سہینگے ۔ فی شغل فاکهون (۳۶/۵۵) ۔

یہ ہے وہ جنتی معاشرہ جو نظام ربوبیت کی رو سے متشکل ہوگا ۔ اسکی آسائشیں پائندار اور راحتیں زوال نا آشنا ہونگی ۔ اکلها دائم و ظلها (۱۳/۳۵) یعنی جب تک افراد معاشرہ اپنے عہد پر قائم رہینگے انہیں یہ باغ میسر آتا رہیگا ۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱ [illegible]

۲ [illegible]

۳ [illegible]

۴ [illegible]

۵ [illegible]

۶ [illegible]

۷ [illegible]

۸ [illegible]

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

[illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں
تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ سیلاب بلا ★ ایران کی شمولیت ★ کشمیر کا نقشہ ★ حقائق و عبر ★ مجلس اقبال
★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ عورت کا قرآن ★ وہ کتاب جسے اقبال لکھنا چاہتے تھے
★ رسول اللہ کا قیاس و گمان ★ بزم طلوع اسلام ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ' رہنے سہنے کا ڈھنگ - سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں -

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے -

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت' علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے -

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے -

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا - عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں - باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا - یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں - قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم - بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات - کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین سرقعہ - قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک -

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے - مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی -

بڑا سائز - ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط - گرد پوش حسین -
قیمت چھ روپے - علاوہ محصولڈاک -

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا -

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر ونظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں - قیمت دو روپے -

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸	ہفتہ	۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء	نمبر ۳۸

سیلِ بلا

۸ر اکتوبر کے طلوعِ اسلام میں جب ہم نے سیلاب کے متعلق لکھا تھا تو اس وقت اس کا سان گمان بھی نہ تھا کہ جس حادثۂ عظیمہ کو ہم ماضی کی مصیبت کہہ کر بیان کر رہے ہیں وہ درحقیقت مستقبل کی بلائے ناگہانی کی تمہید ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد، پنجاب اور ملحقہ علاقوں میں جس قسم کا سیلاب آیا ہے، ان علاقوں کی تاریخ میں اس کی مثال بمشکل ملے گی، بالخصوص اس موسم میں، جب بارشیں ختم ہو چکی ہوں اور دریاؤں نے سمٹنا شروع کر دیا ہو۔ بدقسمتی سے سیلاب کی زد میں بیشتر وہ علاقے آئے ہیں جن میں مصیبت زدہ "پناہ گزیں" آ کر آباد ہوئے تھے۔ یہ ہندوستان سے لُٹے پٹے آئے اس انداز سے کہ نہ اُن کے پاس کوئی اثاث البیت تھا اور نہ ہی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے لئے پیسہ۔ انہوں نے خدا خدا کر کے، ان پانچ سات سال میں، کچھ سامانِ زندگی فراہم کیا تھا ـــ لیکن ـــ وہ جو کہتے ہیں کہ مرے کو مارے شاہ مدار تو دریا کی ایک ہی موج نے اس سب کا صفایا کر دیا اور یہ سوختہ سامان پھر وہیں پہنچ گئے، جہاں سے انہوں نے اپنی نئی زندگی کو شروع کیا تھا۔ کس قدر کرب انگیز ہے یہ مصیبت اور کیسا جگر خراش اور روح فرسا ہے اس کا تصور۔

خدا عدو کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے

ذرا سوچئے کہ ہزاروں خاندان جو رات کو اپنی، اچھی بُری چھت کے نیچے اطمینان سے سوئے تھے، صبح ہوتے ہی اس طرح خانماں برباد ہو جائیں کہ نہ پہننے کو کپڑا، نہ کھانے کو روٹی۔ نہ پاؤں ٹکانے کو دھرتی نہ سر چھپانے کو چھپّر۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ کسی کو علم نہیں کہ کون بچا اور کون مر گیا اور جو بچا ہے وہ کس حالت میں ہے اور کہاں ہے؟ اس سے بڑھ کر قیامت خیز تباہی اور کیا ہو گی؟ اگر کسی رات اتفاق سے بارش میں آپ کی چھت ٹپکنے لگ جائے تو سوچئے کہ آپ کو کس قدر پریشانی ہوتی ہے؟ اس سے اندازہ لگائیے کہ ان لوگوں پر کیا بیتی ہو گی جن کا پورا گھر پانی میں ڈوب چکا ہو۔ اور ایک آدھ گھر نہیں بلکہ علاقے کا علاقہ زیرِ آب ہو اور، وہ جو قرآن نے (طوفان) حضرت نوحؑ کے ضمن میں، کہا ہے کہ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (۱۱/۴۳) "آج اس طوفان بلا انگیز سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی" اس کا زندہ منظر آنکھوں کے سامنے ہو۔ قوموں کی زندگی میں ایسے حوادث کم آتے ہیں۔

لیکن قوم اور قوم میں بھی فرق ہے۔ اس قسم کے کائناتی حوادث زندہ قوموں پر بھی آتے ہیں۔ لیکن اوّل تو انہوں نے اپنی دور بینی سے ان کے لئے پہلے ہی حفاظتی تدابیر اختیار کر رکھی ہوتی ہیں۔ اور اگر معاملہ ان کی حد سے آگے بڑھ جائے تو پوری کی پوری قوم اٹھ کر انہیں اس طرح سنبھال لیتی ہے کہ افراد کو ان کے نقصان کا احساس تک بھی نہیں ہوتا۔ حادثہ کے گزر جانے کے بعد قوم کے اربابِ حل و عقد سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہماری سابقہ تدابیر میں کیا کمی رہ گئی تھی۔ اور اس کمی کو آیندہ کے لئے کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک قوم ہمارے جیسی ہوتی ہے کہ کراچی میں لاکھوں کی تعداد میں "پناہ گزیں" جھونپڑیوں میں آباد ہیں۔ یہاں سال میں ایک آدھ مرتبہ بارش ہوتی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو یہ جھونپڑیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ شہر میں کہرام مچ جاتا ہے۔ اخبارات میں بڑی بڑی جلی سرخیوں سے اس "قومی مصیبت" کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ لیڈرانِ قوم اپنے اپنے موٹروں پر موقعہ پر پہنچتے ہیں لیکن اپنے فوٹو اس انداز سے اترواتے ہیں کہ کوئی بارش میں کھڑا غریبوں کو چاول بانٹ رہا ہے۔ کوئی کیچڑ میں لت پت ان میں کپڑے تقسیم کر رہا ہے ان کے یہ کارنامے اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کے بلند آہنگ دعاوی پر مشتمل بیانات کہ ہم پناہ گزینوں کا مسئلہ تین ماہ میں حل کر کے دکھا دیں گے۔ دو تین دن تک یہ ہنگامہ رہتا ہے۔ پھر بارش تھم جاتی ہے۔ تو یہ "قومی مصیبت" بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لیڈر آرام کی نیند سو جاتے ہیں اور اپنے فوٹو اور اخبارات کے تراشوں کو سنبھال کر رکھ لیتے ہیں کہ آنے والے الیکشن میں "بوقت ضرورت" کام آئیں۔ یہ لیڈروں کی حالت ہے۔ دوسری طرف عوام ہیں کہ بارش میں انہیں لوہے کی چادریں (مفت) مہیا کی جاتی ہیں کہ وہ پختہ جھونپڑیاں بنا لیں۔ بارش رکنے پر وہ چادریں "جونا مارکیٹ" میں بک جاتی ہیں۔ اور جھونپڑیاں پھر کاغذ اور ٹاٹ کی بن جاتی ہیں تاکہ آیندہ سال پھر چادریں ملنے کا موقعہ ہم پہنچا دیں۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت کے دارالسلطنت میں یہ تماشا آٹھ سال سے متواتر ہو رہا ہے اور ہر سال اسی "سین سینری" سے دُہرایا جاتا ہے۔ نہ قائدین کو اس کی فکر ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی مستقل حل سوچنا چاہئیے اور نہ متبعین کو اس کا احساس کہ زندگی کو کسی ڈھب پر گزارنے کی شکل پیدا کرنی چاہئیے۔ جو قوم تین چار دن کی بارش کا علاج نہ سوچ سکے وہ اتنے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کیا کرے گی؟

یہ تو ہے ہمارے ہاں کے "دنیا داروں" کا حال۔ باقی رہے یہاں کے "دیندار" سو ان کے نزدیک یہ مسائل اُن سے بھی زیادہ آسان ہیں۔ جب کبھی اس قسم کے حوادث آتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان اور قوم کو تسکین دے لیتے ہیں کہ یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے۔ یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ کہنے کو تو وہ "ہمارے گناہ" کہتے ہیں۔ لیکن اس سے انکی مراد ہوتی ہے "دنیادار طبقہ" (اربابِ حکومت و قیادت) کے گناہ کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جو (اُن کی اصطلاح میں) فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے اور اسی کی وجہ سے خدا کا عذاب آتا ہے۔ یہ خیال کہ طبعی حوادث (مثلاً آندھیاں۔ بارشیں۔ سیلاب زلزلے۔ وغیرہ) خدا کا عذاب ہیں جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر نازل ہوتا ہے، اس قدر عام ہے کہ اس کے متعلق ہمارے پاس اکثر استفسارات آتے رہتے ہیں۔ اس خیال کے عام ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کی نگاہ کو اس طرف آنے ہی نہیں دیا جاتا کہ فطرت کے طبعی حوادث کا علاج طبعی قوانین فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں اسی قسم کی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ اس سے قوم مطمئن ہو جاتی ہے کہ یہ عذاب طبقۂ بالا کے فسق و فجور کی وجہ سے آتے ہیں اور چونکہ یہ خدا کی طرف سے ابتلاء ہے اس لئے کوئی ان کی روک تھام نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان طبعی حوادث کو انسانوں کی نیکی اور بدی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔* اگر سیلاب لوگوں کے فسق و فجور کی وجہ سے آئے تو اسے فاسق و فاجر لوگوں کو تباہ کرنا چاہئیے۔ لیکن اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ یہ فاسق و فاجر طبقہ تو اس عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور پس جاتے ہیں

* قرآن میں اقوامِ سابقہ پر طبعی شکلوں میں جو عذاب آتا تھا اس کے متعلق "سلیم کے نام خطوط" میں سترھواں خط ملاحظہ کیجئے۔

بیچارے غریب جو عام طور پر نیک ہوتے ہیں۔ یہ عجیب مکافاتِ عمل کا قانون ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی! امیروں کا طبقہ اول تو اپنے مکان ہی ایسی جگہ اور اس قسم کے بناتا ہے کہ وہ سیلاب سے بالعموم محفوظ رہیں اور اگر کبھی وہ اس کی زد میں آ بھی جائیں تو وہ اس سے بچنے کے ہزار سامان کر لیتے ہیں لیکن آگ لگے یا پانی برسے، غریبوں کی جھونپڑیاں سب سے پہلے تباہ ہوتی ہیں۔ افرادِ قوم سے آگے بڑھیئے تو مختلف اقوامِ عالم ہمارے سامنے آتی ہیں۔ یورپ کی قومیں سب سے زیادہ "فسق و فجور" میں مبتلا رہتی ہیں۔ اور مشرقی قومیں بالعموم مذہب پرست ہیں۔ لیکن دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ وہ قومیں اس قسم کے حوادث کے عواقب سے بالعموم محفوظ رہتی ہیں اور یہاں کی مذہب پرست قومیں ان سے زیادہ تباہ ہوتی ہیں۔ اقبال کے الفاظ ہیں:

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن قوموں نے تسخیرِ فطرت کا راز سمجھ لیا ہے جس کی وجہ سے وہ فطرت کے ان حوادث کا مقابلہ اور ان کی روک تھام، خود قوانینِ فطرت کی رُو سے کرتی ہیں۔ ہالینڈ۔ پورے کا پورا ملک۔ سمندر کے ساحل پر واقع ہے اور سطحِ سمندر سے کتنے ہی فٹ نیچا۔ لیکن اس نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ سمندر کا ایک قطرہ پانی بھی، ان کی "اجازت" کے بغیر ملک میں نہیں آ سکتا۔ اس کے برعکس، امریکہ کی بنجر زمینوں کو مصنوعی بارش سے سیراب کیا جا رہا ہے۔ جہاں زلزلے آتے ہیں وہاں مکانات ایسے تعمیر کئے جاتے ہیں جن پر زلزلہ اپنا اثر ہی نہ کر سکے۔

چین میں دریائے زرد کا نام ہی "بلائے موت" تھا۔ جب سے انسان نے آنکھ کھولی اس نے دیکھا کہ یہ دریا ہر سال اپنا رُخ بدل لیتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں انسانوں اور مویشیوں کی جانیں ہلاک اور بے حساب سامان و متاع تباہ و برباد کر دیتا ہے اس کا کوئی علاج چینیوں کی سمجھ میں آج تک نہیں آیا تھا۔ لیکن دو تین سال ادھر خبر آئی کہ چین کی نئی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس "بلائے ہلاکت" کے منہ میں لگام دینی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک اسکیم تیار کی۔ کہتے ہیں کہ ان کا صدر، ماؤزے تنگ، لبِ دریا گیا اور اسے مخاطب کر کے کہا کہ "اے زرد دریا! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اب یہاں عوام کی حکومت ہے۔ اس لئے تجھے اب اپنا رُخ ان کی مرضی کے مطابق رکھنا پڑے گا"۔ چنانچہ دریائے زرد کو یہ حکم ماننا پڑا اور اب وہ زمین پر ماتھا رگڑتا ہوا ٹھیک اس راستے پر چلا جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے حالانکہ وہاں کی حکومت، فاسق و فاجر تو ایک طرف، خدا تک کو نہیں مانتی۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ طبعی حوادث فطرت کے قوانین کے مطابق رونما ہوتے ہیں اور ان کا علاج انہی قوانین کی رُو سے ہوتا ہے۔ ان میں کفر و ایمان اور گناہ و ثواب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ قرآن نے تسخیرِ فطرت کو "آدم" (یعنی آدمی) کے لئے عام بتایا ہے جب اس نے کہا ہے کہ وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و الارض جمیعا۔ کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اسے ہم نے تمہارے لئے قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ تو اس اعلان کا مخاطب "آدمی" ہے کوئی خاص گروہ نہیں۔ اس لئے دنیا کی جو قوم بھی چاہے تسخیرِ فطرت کر سکتی ہے۔ جو قوم تسخیرِ فطرت کرے گی، وہ طبعی حوادث کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے گی۔ جو ایسا نہ کرے گی وہ نقصان اٹھائیگی۔ اگر کوئی فاسق و فاجر (بلکہ ملحد و دہریہ) برسات سے پہلے اپنے کوٹھے کی چھت لیپ لے گا تو بارش اسے کچھ نہیں کہے گی۔ اس کے برعکس اگر کوئی نمازی، پرہیزگار اس کی طرف سے لاپرواہی برتے گا تو بارش میں اس کی چھت ٹپکے گی۔ اس میں کسی کے لئے استثنا نہیں ہوتی۔

قرآن نے زندگی کی ایک سطح حیوانی بتائی ہے۔ حیوان فطرت کو مسخر نہیں کر سکتا۔ اس کے رحم و کرم پر رہتا ہے۔ دوسری سطح آدمیت کی ہے۔ آدمی فطرت کو مسخر کر سکتا ہے اور تیسری سطح مقامِ مومن کی ہے جس میں وہ تسخیرِ فطرت کے بعد، اپنی ذات کے نشو و نما کے بھی قابل ہوتا ہے جس کا طریق متاعِ فطرت کو نوعِ انسانی کی پرورش کے لئے عام کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم مقامِ مومن تک نہیں پہنچ سکتی جب تک وہ پہلے مقامِ آدمیت تک نہ پہنچ جائے۔ اقبال کے الفاظ میں

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

مقامِ مومن تو خیر بہت دور کی بات ہے۔ اگر پاکستان ان سیلابی حوادث سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اسے کم از کم مقامِ آدمیت حاصل کرنا ہوگا۔ یعنی تسخیرِ فطرت۔ اور تسخیرِ فطرت کے لئے قومی کردار (نیشنل کیریکٹر) کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ یہ چیز انفرادی نہیں، اجتماعی کوششوں ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ فھل من مدّکر؟

ایرانؔ کی شمولیت

ایران بالآخر معاہدۂ بغداد میں شریک ہو گیا ہے۔ اس کی شرکت شروع سے ہی متصور کی جا رہی تھی۔ گو اس کا اندازہ تھا کہ اس کی راہ میں کئی طرح کے کانٹے بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کی سرحد روس سے متصل ہے اور اس کی وجہ سے اس کے حدود میں اشتراکی اثر کافی حد تک سرایت کر چکا ہے۔ مزید برآں تیل کے مسئلے نے تین سال تک اس کی داخلی سیاست میں ایسا خلفشار پیدا کئے رکھا کہ اس کے لئے معین لائحہ عمل کا فیصلہ کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا محال سا ہو گیا۔ اس صورتِ حال کا بھی اشتراکیوں نے فائدہ اٹھایا اور ایران میں تذبذب اور بے یقینی کو پھیلانے کی بڑی کوشش کی۔ جب تیل کا قضیہ طے ہو گیا تو ان عناصرِ تخریب و انتشار کی روک تھام کی صورت پیدا ہو گئی اور ایران کی سیاست کا رُخ بھی متعین ہو گیا۔ ایران کے تازہ فیصلہ سے ایک تو اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اب وہ داخلی اعتبار سے اس قدر متوازن ہو گیا ہے کہ وہ حتمی فیصلے پورے اعتماد سے کر سکتا ہے، دوسرے اپنی قسمت ممالکِ اسلامیہ سے وابستہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ دونوں رجحانات بڑے خوش آیند ہیں اور دور رس نتائج کے حامل۔

ایران کی شرکت سے معاہد ممالک کی تعداد پانچ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ممالک ترکی، عراق، ایران، پاکستان اور برطانیہ ہیں۔ اس سے وہ خلا بھی پُر ہو جاتا ہے جو انقرہ سے کراچی تک کے راستے میں پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ سابقہ اشاعت میں لکھا گیا تھا، پاکستان کی شمولیت نے معاہد ممالک کے لئے ممکن بنا دیا ہے کہ وہ معاہدہ کے ضابطہ کے مطابق ایک مشترکہ کونسل تشکیل کریں اور اسے عملی شکل دیں۔ ایران کی آمد سے اصطلاحی طور پر تو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے معاہدۂ بغداد میں مزید تقویت ہو جائے گی۔ اور معاہد ممالک زیادہ وثوق سے اس خاکے میں رنگِ عمل بھر سکیں گے۔

معاہدۂ بغداد نے عالمِ اسلامی کے لئے جو صورتِ حال پیدا کر دی ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان سے مشرق تک دیکھا جائے تو سب ممالکِ مسلمہ آزاد نظر آئیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ کمزور بھی ہیں اور غریب بھی۔ گو کمزوری اور غریبی ایک تاریخی عمل کی پیداوار ہیں تاہم سیاسی آزادی نے ان ممالک کے لئے یہ موقع بہم پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنی تعمیر و ترقی کے لئے ایسی جد و جہد کریں جو دورِ غلامی میں ممکن نہیں تھی۔ لیکن اس جد و جہد کے لئے سرمایہ، تجربہ اور محنت کی ضرورت ہے اور ان ممالک میں بدقسمتی سے آجکل یہ جوہر مفقود ہیں۔ محنت تو خیر ذاتی شے ہے اور اس قوت کے ابھرنے کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن سوال سرمائے اور تجربے کا ہے۔ ان کے لئے بہرحال ان ممالک کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو ترقی یافتہ ہیں۔ یہ بظاہر ایک سادہ اور سیدھا مسئلہ ہے مگر عالمی تصادم نے اسے بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اس وقت دنیا میں دو طاقتیں ہیں۔ ایک امریکہ دوسرا روس۔ دونوں اپنی جگہ بڑے ترقی یافتہ ممالک ہیں اور ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ پسماندہ ممالک کی مدد کر سکیں۔ امریکہ اپنے طور پر یورپ اور ایشیا کے کئی ممالک کو کروڑوں ڈالر کی امداد دے چکا ہے اور دے رہا ہے۔ روس نے اس سلسلہ میں کوئی قابلِ ذکر اقدام نہیں کیا۔ اس کی ذمہ داری بہت حد تک نظریۂ اشتراکیت پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک غیر اشتراکی ممالک میں جوں جوں ابتری پھیلے گی اور بدحالی کو فروغ ہوگا فضا زیادہ سے زیادہ اشتراکیت کے لئے سازگار ہو گی۔ اس عقیدہ کی رو سے اشتراکی مجبور ہیں کہ وہ قابلِ امداد غیر اشتراکی ممالک کو مدد نہ دیں۔ چنانچہ روس ایک عرصہ تک اس حکمتِ عملی پر کاربند رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ امریکہ دوسرے ممالک کو محض اس لئے مدد دے رہا ہے کہ وہ انہیں "خرید کر" بوقتِ ضرورت روس کے خلاف لڑائے۔ اس پروپیگنڈے کو اور مؤثر بنانے کے لئے اس نے "غیر جانبداری" کا تصور پیش کیا۔ کہنے کو تو اس کا مطلب یہ تھا کہ امریکہ اور روس کی کشمکش میں کسی ایک فریق کا بھی ساتھ نہ دیا جائے لیکن چونکہ مدد لینے والی اقوام کا رجحان امریکہ کی طرف تھا اس لئے

عملاً اس سے یہ نتیجہ نکالنا مقصود تھا کہ متعلقہ اقوام کا رجحان امریکہ کی طرف نہ رہے۔ اس "غیر جانبداریت" کو ہندوستان نے خصوصیت سے اپنایا۔ گو یہ علیحدہ مبحث ہے تاہم ضمناً یہ کہنا کافی ہے کہ ہندوستان نے اسے ایشیائی اقوام کے دلوں میں بڑی محنت سے جاگزیں کرانا چاہا تاکہ امریکہ کی بے دخلی سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پُر کرے اور وہ ایشیا کا قائد بن جائے ممالک اسلامیہ میں اس نے انڈونیشیا اور مصر کو اپنا ہم نوا بنایا۔ اس سے اسے عالم اسلامی میں تفریق پیدا کرنے کا بھی موقع مل گیا۔ نام نہاد غیر جانبداری، مصر کے مزاج کے مطابق نکلی کیونکہ مصر عالم اسلامی کی بالعموم اور عالم عرب کی بالخصوص قیادت کے خواب دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اگر مسلمان ممالک نے فرداً فرداً امریکہ سے براہ راست تعلق پیدا کر لیا تو وہ مضبوط ہو جائیں گے اور اس کے حلقہ بگوش نہیں بن سکیں گے چنانچہ ایک عرصہ اس کا مطالبہ یہ رہا کہ عرب ممالک کو انفرادی طور پر امداد نہ ملے بلکہ مجموعی طور پر ملے۔ یہ مطالبہ بے معنی تھا کیونکہ مصر کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ اگر کوئی ملک امریکہ سے مدد لینا چاہے تو وہ اس میں مزاحم ہو۔ ایک مدت تک تو عرب ممالک نے مصر کا لحاظ کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مصر نے ایک تعطل سا پیدا کر دیا ہے تو عراق نے جرأت سے اس تعطل کو توڑا اور امریکہ سے فوجی معاہدہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ترکی سے معاہدہ کیا جو معاہدۂ بغداد کے نام سے مشہور ہے اور جو ہماری آج کی صحبت کا موضوع بحث ہے۔

اس معاہدے سے پہلے ترکی اور پاکستان کا معاہدہ انہی خطوط پر ہو چکا تھا۔ گو دونوں معاہدے جداگانہ تھے تاہم مصر نے سمجھا کہ ترکی، پاکستان اور عراق حلیف بن گئے ہیں اور اس سے عراق کی پوزیشن مضبوط تر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عراق کے خلاف ایک اعصابی جنگ شروع کر دی گئی۔ عراق کا موقف بڑا واضح تھا اس نے عرب لیگ کو نہیں چھوڑا تھا نہ عرب مفاد سے غداری کی تھی وہ بدستور سابق عرب لیگ کا رکن تھا اور اس کی رکنیت کی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے تیار تھا۔ نیز عرب لیگ کے دستورالعمل کی رو سے اسے ہمسایہ ممالک سے معاہدے کرنے کی اجازت تھی۔ مصر نے عراق کی کوئی معقول بات نہ سنی اور کبھی یہ دھمکی دینے لگا کہ عراق کو عرب لیگ سے نکال دیا جائے گا اور کبھی یہ کہ وہ خود عرب لیگ سے نکل آئے گا۔ چند سے یہ ہنگامہ برپا رہا مگر عراق اپنے موقف پر قائم رہا۔ مصر نے جب دیکھا کہ وہ عراق کو مرعوب نہیں کر سکا تو اس نے عراق کو عرب لیگ سے نکالنے یا وہاں سے خود نکلنے کا خیال چھوڑ دیا اور ایک نئے عربی دفاعی محاذ کی تشکیل کی طرح ڈال دی۔ اسے بڑی مشکل سے صرف دو ممالک کی تائید حاصل ہو سکی۔ ایک شام دوسرا سعودی عرب۔ اب شام کی تائید بھی ختم ہو گئی ہے اور نئے دفاعی سلسلہ کا منصوبہ خاک میں مل گیا ہے۔

مصر کے اس رویہ سے عرب لیگ تو ثانوی حیثیت اختیار کر گئی اور ممالک عربیہ تین حصوں میں بٹ گئے۔ ایک طرف عراق تھا جو ترکی اور امریکہ کا حلیف تھا اور عرب ممالک کو اس طرف دعوت دے رہا تھا۔ دوسری طرف مصر اور سعودی عرب تھے جو ان معاہدوں کے شدید مخالف تھے۔ تیسری طرف لبنان، اردن وغیرہ تھے جو ان معاہدوں کے حامی تو تھے لیکن مصر کی مخالفت کے پیش نظر اس کے لئے عملی اقدام کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مصر نے جب دیکھا کہ اسے اپنے موقف کے لئے مطلوبہ تائید میسر نہیں آ سکی تو وہ خاموش سا ہو گیا۔ مصر کے شور کا البتہ یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ کوئی اور عرب ملک معاہدۂ بغداد میں شریک نہیں ہوا۔ مصر اسے بھی اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔

یہ کیفیت افسوسناک ہے، کیونکہ اس طرح نہ تو عرب ممالک کے اتحاد باہمی کی کوئی شکل پیدا ہوئی اور نہ ان کی عسکری کمزوری کے رفع ہونے کی کوئی صورت نکلی۔ تفریق اور کمزوری نے عربوں کے لئے چند در چند مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی مشکل یہودی حکومت ہے۔ اس حکومت کے قیام میں امریکہ کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے۔ اس کے پیٹھ ٹھونکنے کا نتیجہ ہے کہ یہودی حکومت کی حدود ان حدود سے کہیں زیادہ ہیں جو اقوام متحدہ نے ان کے لئے مقرر کی تھیں۔ یہودی نہ محض اقوام متحدہ کی متعین کردہ حدود سے آگے بڑھ آئے ہیں بلکہ وہ برابر آگے بڑھتے چلے آتے ہیں۔ ان کی طرف سے سرحدوں پر اکثر تصادم ہوتے رہتے ہیں جو کبھی کبھی جنگوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہودی حدود مملکت میں آبادی کا دباؤ اتنا ہے کہ اس کے زور سے یہودی آگے بڑھنے پر مجبور ہیں۔ گویا یہودی عربوں کے لئے مستقل خطرہ ہیں۔ یہودی عربوں کے لئے ہی نہیں تمام عالم اسلامی کے لئے مستقل خطرہ ہیں۔ جب تک یہ حکومت موجود ہے عالم اسلامی میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس خطرے کے مقابلے کے لئے ضروری ہے کہ عرب متحد بھی ہوں اور مستحکم بھی۔

مصر نے اس خطرے کو پہچانا تو ضرور لیکن اتحاد و استحکام کی مناسب کوشش کرنے کی بجائے اس نے انفرادی طور پر اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ اس نے اقوام مغرب بالخصوص امریکہ سے اسلحہ خریدنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور مجبور ہو کر وہ اب ماسکو سے آس لگائے بیٹھا ہے۔ امریکہ کے رویہ کو دیکھا جائے تو مصر کے فیصلہ پر بہت کم اعتراض کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے لیکن امریکہ پر اس کی پوری ذمہ داری ڈ النے کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ممالک اسلامیہ میں مصر نے ایک نئے عنصر کا اضافہ کر دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مصر کو محض اسلحہ خریدنا ہے اور اس میں نہ اشتراکیت کی تبلیغ کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ روسی اثر و دخل کا۔ لیکن یہ فرض کر لینا انتہائی سادگی ہوگی کہ روس اس کا فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ وہ یقیناً اس موقع کو عربی ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے گا۔ چنانچہ یہ بلاوجہ نہیں کہ اس کے تتبع میں چیکوسلواکیہ نے بھی اسلحہ بھیجنے کی پیش کش کر دی ہے اور سعودی عربیہ اور شام بھی ان سودوں پر آمادگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ روس کے لئے یہ بڑا عمدہ موقع ہے کہ وہ عربوں کو امریکہ سے بددل کر دے۔ اور ان کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرائے اور وہ اس کے لئے انتہائی کوشش کرے گا۔

تو گویا اب دنیائے اسلام کی صورت یہ ہو گئی ہے کہ ایک طرف ترکی، عراق پاکستان اور ایران ہیں جو اسلحہ کی ضرورت امریکہ سے پوری کر رہے ہیں۔ اور کریں گے۔ دوسری طرف مصر ہے جو اسلحہ روس سے خریدے گا۔ اور تیسری طرف بقیہ عرب ممالک ہیں۔ جن میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ صاف طور پر ایک طرف ہوں۔ یا دوسری طرف۔ وہ یہ دیکھتے رہیں گے کہ یہ اونٹ بالآخر کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ صورت حال یقیناً اتحاد عالم اسلامی کے منافی ہے۔ اور یہی وہ صورت ہے جس پر ہم مسلمانوں کو پوری طرح سوچنے کی دعوت دیتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ عالم اسلامی کی اولین ضرورت اتحاد ہے استحکام اور ترقی اتحاد کے لازمی نتائج ہوں گے۔ عالم اسلامی یعنی پاکستان سے ترکی اور شمالی افریقہ تک غیر معمولی اہمیت کا مالک ہے۔ روس اور امریکہ دونوں اس علاقہ کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے ہر قیمت دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کوئی قیمت مانگنے والا نہیں۔ کمزور اور غریب ملک بھلا کیا قیمت طلب کر سکتے ہیں۔ وہ تو صید زبوں ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیمت طلب نہیں کی جا سکتی۔ اگر ممالک مسلم اپنا متحدہ محاذ قائم کر لیں تو روس اور امریکہ مجبور ہوں گے کہ انفرادی طور پر ایک ایک ملک کو شکار کرنے کی بجائے مرکزی ادارے سے بات کریں اور معاملے کریں یہ ٹھیک ہے کہ امریکہ اس وقت یہودی حکومت کے بقاء کو عربوں کے بقاء پر ترجیح دے رہا ہے۔ اور اس کی سرد مہری کی وجہ سے مصر روس کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ تنہا مصر امریکہ پر وہ دباؤ نہیں ڈال سکتا جو یہودیوں کا ہے۔ اگر عرب اور دوسرے مسلمان ممالک باہم اکٹھے ہو جائیں تو امریکہ کا رویہ آن واحد میں بدل جائے گا اور پھر نہ وہ برطانوی استعماریت کی حمایت کرے گا۔ اور نہ ہمارے مطالبات کو ٹھکرائے گا۔ گویا آج جس بدسلوکی کی شکایت مصر کو ہے۔ اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو جائے گا تو عالم اسلامی کا دروازہ اشتراکیت کے فتنے کے لئے نہیں کھل سکے گا۔

اس پس منظر میں بغداد کے معاہد ممالک کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ اتحاد عالم اسلامی کے جذبے سے سرشار ہیں۔ اور اس معاہدے کو اس اتحاد کی اساس بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم نے اوپر جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ خطرہ حقیقی ہو جاتا ہے کہ عالم اسلامی کئی محاذوں میں بٹ جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دفاعی اور موثر معاہدہ بغداد ہے۔ لیکن مصر کے راستے جو سیلاب آ سکتا ہے۔ وہ اس معاہدے کے لئے مستقل خطرہ بن سکتا ہے لہٰذا ترکی، پاکستان، عراق اور ایران کو بڑے حزم و احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ انہیں ایک تو مخالفین معاہدہ کو برافروختہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی ہر ممکن

کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ دوسرے اپنے عمل سے انہیں یہ ثابت کر دکھانا چاہیئے کہ وہ جو تنظیم پیدا کر رہے ہیں۔ وہی عالم اسلامی کے اتحاد و استحکام کی صحیح ضمانت ہے۔ سجالات موجود اتحاد عالم اسلامی کی ذمہ داری انہیں کے سر پر عائد ہو جاتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ ادارہ واقعی حسب خواہ طریق سے معرض وجود میں آجائے اور مصروف عمل ہو جائے تو دیگر ممالک اسلامیہ کے لئے اس سے دور رہنا مشکل ہو جائیگا اور وہ زود یا بدیر اس میں شامل ہو جائیں گے۔ معاہدہ بغداد کو عمل اور نتائج کی میزان میں تولا جائے گا۔ اور اگر اس میں وہ کم معیار نہ نکلا تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔ بغداد کے معاہدین کامیابی کی اس راہ پر گامزن ہو گئے۔ تو جن مسائل نے عالم اسلامی کو اس وقت وقف اضطراب بنا رکھا ہے۔ ان کے تصفیے کی خاطر خواہ صورت پیدا ہو جائے گی اور مسلمانان عالم توازن بدوش قوت کی حیثیت سے عالمی سیاست میں ایک نئے کردار کا مظاہرہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

کشمیر کا نقشہ

پاکستان کی صنعتی بین الاقوامی نمائش میں نقشہ کشمیر کا جو قضیہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ بوجوہ افسوسناک اور قابل مذمت ہے۔ مذمت کے قابل رویہ ان غیر تمندوں کا نہیں جنھوں نے اس توہین کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا کہ ہندوستان کراچی میں آکر پاکستان کو نقشے کی زبان سے کہے کہ کشمیر اس کا حصہ ہے۔ بلکہ مذمت کے قابل وہ ارباب ذمہ دار ہیں جنھوں نے اس کھلی ہوئی توہین کو نظر انداز کیا۔ ہمارے نزدیک اس کی ذمہ داری سب سے پہلے منتظمین نمائش پر عائد ہوتی ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کیا انھیں معلوم نہ تھا کہ ہندوستان ایسا اشتعال انگیز نقشہ نمائش کے لئے لایا ہے۔ یا کیا انھیں علم تھا لیکن وہ اسے نظر انداز کر گئے؟ اگر انھیں اس کا علم نہیں ہو سکا تو یہ بےخبری کی انتہا ہے اور اگر وہ اسے دیکھ کر نظر انداز کر گئے تو یہ بے حمیتی کی حد ہے۔ منتظمین کے بعد حکومت بھی اس ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتی۔ حکومت کو پبلک احتجاج پر فوراً اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لینا چاہیئے تھا۔ اور اس دلآزار نقشے کو فوراً ہٹا دینا چاہیئے تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مظاہرین کا ایک وفد وزیر خارجہ سے ملے۔ اور حکومت کی توجہ اس اہم معاملہ کی طرف منعطف کرائے۔ اس اطلاع کے مطابق جناب وزیر خارجہ نے وفد سے یہ وعدہ کیا کہ: "ہندوستانی ہائی کمشنر سے بات کریں گے" وہاں یہ بھی کہا کہ ہندوستان ہمارا مہمان ہے جہاں تک مہمانداری کا تعلق ہے اور کو اور خود ہندوستان بھی پاکستان کے سلوک کی شکایت نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا وزیر خارجہ کو یہ معلوم نہیں کہ مہمانداری میں مہمان پر بھی بعض پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ لیکن کیا ہندوستان کو اخلاقاً اس کا حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ مہمان بن کر ہمارے پاس آئے اور ایسے نقشے ہمارے گھر میں لٹکائے۔؟ ذرا آپ دہلی میں مہمان ۴۴

۴۴ بن کر جائیے۔ اور کشمیر کو پاکستان کا حصہ دکھائیے پھر دیکھئے آپ کی مہمانداری کیسی ہوتی ہے! خیر یہ ضمنی بات ہے جہاں تک وزیر خارجہ کے اس وعدے کا تعلق ہے کہ ہندوستانی ہائی کمشنر سے بات کر کے اس نقشے کو ہٹوا دیں گے۔ وہ نمائش کے ختم ہو جانے تک پورا نہیں ہوا۔ کیا حکومت اس قدر بےبس تھی کہ وہ ہفتہ عشرہ میں یہ نقشہ بھی نہیں اٹھوا سکتی تھی؟ اگر وہ مناسب کارروائی فوری طور پر کرتی تو نمائش میں جو ہنگامہ ہوا وہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہنگامہ سب کے لئے موجب عبرت ہے۔

بین الاقوامی جائزہ

اگلے ہفتے چار بڑے ملکوں کے وزرائے خارجہ کی وہ کانفرنس شروع ہو جائے گی جس کا کئی مہینوں سے انتظار ہو رہا ہے بلکہ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جنیوا کی چوٹی کی کانفرنس کے بعد عمومی فضا تو بظاہر کچھ امن فلہذا امید افزا ہو گئی تھی لیکن کسی معاملہ پر کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا۔ اس کانفرنس کے بعد توجہ خصوصیت سے دو مسئلوں پر مرکوز ہو گئی تھی۔ ایک مسئلہ تحدید اسلحہ کا تھا۔ اس پر مباحث برسوں سے ہو رہے تھے اور طرح طرح کی تجاویز پیش اور مسترد ہو چکی تھیں لیکن کبھی اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔ جنیوا میں صدر آئزن ہاور نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک دوسرے کے فوجی مقامات کا معائنہ ہونا چاہیئے۔ اس سے بات آگے بڑھی تو تحدید اسلحہ کی سب کمیٹی نے غور و خوض کا نیا دور شروع کیا۔ یہ دور اب ختم ہو گیا ہے، دوسرا دور ضرورت کے مطابق وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے بعد ہوگا۔ روس نے صدر آئزن ہاور کی تجویز کو بظاہر سراہا ہے اور گو اس سے ایک حد تک توقعات ہموار ہوئیں کہ اتفاق رائے ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور عمومی رد عمل یہی ہو گیا کہ ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو روس، صدر آئزن ہاور کی تجاویز کو سراہتے ہوئے بھی اپنے اس سابقہ موقف پر قائم ہے جس کی بدولت ایسا تعطل پیدا ہو گیا۔ جس کے خاتمے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ روس فوری طور پر ایٹمی اسلحہ کو ممنوع قرار دینا چاہتا ہے اور غیر ایٹمی اسلحہ میں ایک تہائی کی تخفیف کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مطالبہ امریکہ کے نزدیک اس لئے قابل قبول نہیں کہ جب تک فوجی قوت کا صحیح اندازہ نہ لگا لیا جائے اندھا دھند تخفیف کا کوئی مطلب نہیں۔

دوسرا مسئلہ جرمنی کا ہے۔ مغربی جرمنی اقوام مغرب کا حلیف ہی نہیں بلکہ اسے مسلح کر کے ناٹو کا رکن بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ روس جرمنی کو نہ مسلح کرنے کے حق میں ہے نہ اسے مغرب کا حلیف دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے وحدت کا چکمہ دے کر مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر ایڈینار کو ماسکو بلایا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس سفر اور ان ملاقاتوں کے نتائج کیا نکلیں گے لیکن اتنا یقین ہے کہ ڈاکٹر ایڈینار نے اپنا یہ موقف نہیں چھوڑا کہ بدستور اقوام مغرب کے حلیف رہیں گے۔ روس نے جرمن قیدیوں کو بھی رہا کرنا شروع کر دیا ہے اور مشرقی (کمیونسٹ) جرمنی کو بھی ابھارنا شروع کیا ہے حالانکہ اب تک اسے نظر انداز سا ہی کیا جاتا رہا۔ اقوام مغرب بالخصوص امریکہ بھی جرمنی کے بارے میں اپنا موقف بدلنے کے لئے تیار نہیں ابھی دونوں سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈلیز نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کہا کہ اگر روس جرمنی کے متعلق مفاہمت کے لئے تیار نہیں تو امریکہ بھی تا دیر اس کا انتظار نہیں کرے گا اور جن امور پر وہ آج راضی ہو رہا ہے ان پر کل راضی نہیں ہوگا اقوام مغرب کو یہ خیال ہوتا جا رہا ہے کہ جوں جوں ان کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ روس کے رویہ میں نرمی آتی جاتی ہے۔ یہ رائے سراسر غلط نہیں ہو سکتی۔ اقوام مغرب خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں گی تو اس کا روس پر ضرور اثر ہوگا۔

روسی وزیر اعظم مارشل بلگانن یوگوسلاویہ کا سفر کرنے کے بعد اب مشرقی یوروپ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نومبر میں وہ پہلے ایران جائیں گے اور بذریعہ کراچی ہندوستان جائیں گے ابھی یہ طے نہیں ہوا کہ وہ کراچی میں قیام کریں گے یا نہیں ان کا دہلی کا سفر پنڈت نہرو کے سفر روس کا جواب ہے ان کا ایران جانا خالی از علت نہیں۔ شاہ ایران بھی شاید چند ماہ میں روس جائیں گے۔ یہ البتہ غنیمت ہے کہ ایران نے معاہدہ بغداد میں شرکت کر کے اپنا موقف واضح کر دیا ہے۔ البتہ ان کا ہندوستان جانا دور رس نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ مارشل بلگانن کا بذات خود دہلی جانا اس کا بین ثبوت ہے کہ روس ہندوستان پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے رہا ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں ہندوستان پہلے ہی کمیونسٹوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ ایسے دوروں سے اس پالیسی کو بھی تقویت ملے گی۔ اور اندرون ملک کمیونزم کو فروغ حاصل ہوگا۔

۲۹ر اکتوبر کا شمارہ بتقریب میلاد النبی کثیر تعداد میں خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے۔

اس میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے

جملہ اشتہارات ۲۴ر اکتوبر تک پہنچ جانے چاہئیں

تاریخی شواہد

(۳۴)

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، ان کی غلط روش کے نتائج کو محسوس پیکروں میں ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ رات کی تاریکی چھا گئی۔ وہ لوگ اجرامِ سماوی کی پرستش کے لئے معبد میں اکٹھے ہوئے۔ اتنے میں ایک کوکبِ درخشندہ ہیلائے شب کی پیشانی پر چمکا۔ لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا! یہ ہے (بقول تمہارے) میرا پروردگار!! اور پھر خاموشی سے بیٹھ کر ان کے تذلل و تعبد کے مظاہروں کو دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ ستارہ اپنے وقتِ معیّن پر تاریکی کے پردہ میں چھپ گیا، تو اب آپ نے انھیں مخاطب کیا اور کہا کہ یہ ستارہ جو شعلۂ مستعجل کی طرح دم بھر کے لئے چمکا اور پھر ختم ہو گیا کیا یہ اس قابل ہے کہ اسے خدا مانا جائے۔ تمہاری جہالت اسے گوارا کرے تو کرے میری بصیرت اس کھلی ہوئی ضلالت کو کیسے قبول کر سکتی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ (۶/۷۶)

پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے (آسمان پر) ایک کوکب (چمکتا ہوا) دیکھا۔ اس نے کہا۔ کیا یہ میرا پروردگار ہے؟ لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا۔ نہیں! میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں۔

اتنے میں ظلمتِ شب کا دروازہ کھلا اور چاند اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ بار ہوا۔ قوم پھر سجدہ میں گر پڑی۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا! وہ نہیں؛ بلکہ تم کہتے ہو کہ یہ میرا پروردگار ہے؟ تو اب اس کا حال بھی دیکھ لو! اور جب اس کی کشتی سیمیں نیل کے دریا میں اپنی منزل قطع کر کے کسی خاموش دنیا میں روپوش ہو گئی تو فرمایا کہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اگر میرے اللہ نے مجھے ہدایت کی راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں بھی انہی میں سے ہوتا جو ان مجبور ہستیوں کو خدا مان رہے ہیں میں انہی میں پیدا ہوا تھا۔ اسی ماحول میں میری تربیت ہوئی تھی۔ تو یہ فقط اللہ کی ہدایت ہے کہ مجھ پر ان کی اس غلط روش کی حقیقتیں یوں بے نقاب ہو رہی ہیں۔

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ (۶/۷۷)

پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا۔ اچھا! یہ میرا پروردگار ہے! جب وہ ڈوب گیا تو کہا۔ اگر میرے پروردگار نے مجھے حقیقت کی راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور اسی گروہ میں سے ہوتا جو راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے!

اب اس کے بعد صبح نمودار ہوئی اور مہرِ عالمتاب نور و حرارت کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے پستیوں اور بلندیوں کی ہر شے پر چھا گیا انہوں نے دن بھر اس کے عروج و زوال کا بھی تماشا دیکھا اور جب شام کو وہ بھی کہیں روپوش ہو گیا تو آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ اب اس سے بڑا خدا تو تمہارے ہاں اور کوئی نہیں؛ یہی تھا سب سے بڑا اس کا بھی حشر دیکھ لو! بھلا کہو کہ میں تمہاری اس مشرکانہ روش میں کس طرح شریک ہو جاؤں؟ میں اس سے کنارہ کش ہوں۔

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ (۶/۷۸)

پھر جب صبح ہوئی اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیم نے کہا کیا یہ میرا پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے؛ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا۔ اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اس سے میں بیزار ہوں۔

قوم نے کہا کہ اگر آپ ان خداؤں سے بیزار ہیں اور ان کی پرستش سے کنارہ کش ہوتے ہیں تو وہ کونسا خدا ہے جس کی طرف آپ رجوع کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ارض و سمٰوٰت کی ان تمام فنا پذیر ہستیوں سے منہ موڑ کر اس خدائے حی و قیوم کی طرف رُخ کرتا ہوں جس نے ارض و سمٰوٰت کو پیدا کیا۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (۶/۷۹)

میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو (کسی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ) آسمان و زمین کی بنانے والی ہے (اور جس کے حکم و قانون پر تمام آسمانی اور زمینی مخلوقات چل رہی ہیں) اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں!

اس پر انہوں نے، جیسا کہ ظاہر ہے، دھمکی دی ہوگی کہ ہمارے معبودوں کی شان میں تم گستاخی کر رہے ہو! ان کے غصے سے ڈرو! یہ تباہ کر کے رکھ دیں گے ایک خدا پرست پر بھلا ان دھمکیوں اور توہم پرستیوں کا کیا اثر! آپ نے فرمایا:۔

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ۝ (۶/۸۱-۸۲)

اور (دیکھو) میں ان ہستیوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ جن کے لئے اُس نے کوئی سند اور دلیل تم پر نہیں اتاری بتلاؤ! ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی اگر علم و بصیرت رکھتے ہو؟ جن لوگوں نے خدا کو مانا اور اپنے ماننے کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، تو انہی کے لئے امن ہے اور وہی ٹھیک راستے پر ہیں۔

ذرا ان حقائق پر ایک مرتبہ پھر غور کیجئے۔ علم و بصیرت کے کتنے عظیم الشان اسرار و غوامض ہیں جو ایک سادہ سی بات کے اندر مضمر ہیں۔ فرمایا کہ ایک تم ہو کہ تمہارے پاس اپنے مسلک کے جواز میں کوئی دلیل نہیں اور ایک وہ ہیں جن کے پاس علم و ایقان کی محکم قوتیں ہیں۔ سوچو کہ ان دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق ہے جو امن و سلامتی کی راہ پر ہے۔ علم و بصیرت کی روشنی میں چلنے والا۔ یا جہالت و توہم پرستی کی تاریکی میں اندھوں کی طرح ٹکریں مارنے والا؟ کتنی بلیغ حقیقت ہے جو چند الفاظ میں سمو دی گئی ہے۔

یہ تھی وہ دلیلِ محکم جو حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ (۶/۸۳)

اور (دیکھو) یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر دی تھی۔ ہم جس کے درجے بلند کرنا چاہتے ہیں (اُسے علم و دلیل پر مبنی بصیرت دے کر) بلند کر دیتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت والا۔ علم رکھنے والا ہے۔

یوں خدائے حکیم و علیم، علم و حکمت کی نعمتیں عطا کر کے ظلمت و جہالت کی پستیوں میں گرے ہوئے لوگوں کے مقابلے میں اپنے بندوں کے مدارج بلند کرتا ہے۔

ابلیس و آدم
از پرویز
قیمت آٹھ روپے۔

اسلام کی سرگزشت

(گزشتہ سے پیوستہ)

یوم جزا میں ہر ایک کے سامنے اس کے اعمال کے نتائج آجائیں گے۔ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ۔ اس دن لوگ پراگندہ اور منتشر ہو کر آئیں گے تاکہ اپنے (نتائج) اعمال کو دیکھ سکیں چنانچہ جس نے ایک ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس کے نتیجہ کو بھی دیکھ لے گا۔ اس جزا و سزا کے لئے دو مقام بنا دیئے گئے ہیں جنہیں جزا کے لئے جو مقام بنایا گیا ہے اسے جنت کہتے ہیں اور سزا کے لئے جو مقام بنایا گیا ہے اسے جہنم (النار) کہتے ہیں۔ جنت میں ثواب دو قسم کے ہوں گے۔ ایک تو جسمانی لذائذ کی قسم کے ہوں گے۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اے پیغمبر! ان لوگوں کو جو دعوت ربانی کے پیرو ہیں اور صلاحیت بخش کام کرتے ہیں۔ خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے پائیں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور وہ اس لئے سدا بہار ہوں گے) جب انہیں ان باغات میں سے کوئی پھل دیا جائے گا۔ تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہے جو اس سے پہلے بھی ہمیں دیا جا چکا ہے (بات یہ ہے کہ) انہیں ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے۔ ان باغات میں ان کے ساتھ ان کی پاکباز بیویاں بھی ہوں گی اور وہ ان میں عرصہ دراز تک رہیں گے۔ ثواب کی دوسری نوع غیر مادی ہوگی جسے رضائے الٰہی یا قرب کہہ سکتے ہیں۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف راضی اور پسندیدہ حالت میں لوٹ۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے رضامندی بڑا انعام ہوگی۔ ایسے ہی تمام سزا میں بھی ایک مادی عذاب ہوگا جو جھلسا دینے والی آگ ہوگی اور دوسرا غیر مادی ہوگا جو خدا کی ناراضی اور غضب پر مشتمل ہوگا۔

اس عالم مادی سے ماورا ایک عالم روحانی ہے اس میں دو طرح کی ارواح پائی جاتی ہیں۔ ایک اچھی قسم کی ارواح ہیں جو خدا کے تمام اوامر و احکام کی اطاعت کرتی ہیں اور لوگوں کو صلاحیت بخش کاموں کی طرف کھینچتی ہیں ان کو اصطلاح شرع میں ملائکہ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری نوع شریر ارواح کی ہے جو شر کی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے اور ان کو شیاطین کہا جاتا ہے۔

اعمال

اسلام نے کچھ اعمال مقرر کئے ہیں جن کو ادا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ یہ اعمال بھی عقائد کی طرح بنیادی ہیں۔ ان اعمال میں سے ایک صلوٰۃ ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے بندہ کے اخلاص کے مظاہر میں سے ایک مظہر بن جائے۔ اس کو دینی تعبیر میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ انسانوں میں جو فطرتاً خدا کے لئے اعتراف عظمت و جلال کا جو جذبہ موجود ہے اس کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ بن جائے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور نظام صلوٰۃ کو قائم کرو۔ یقیناً نظام صلوٰۃ فحشا اور منکر سے روکتا ہے اور خدا کے قانون کو سامنے رکھنا بڑی بات ہے ان اعمال میں سے دوسرا بنیادی عمل زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ اسے کہتے ہیں کہ فقیر اور صالح عام آدمیوں کے لئے مالدار لوگوں کے مال سے کچھ حصہ لے لیا جائے۔ قرآن کریم نے ان دونوں فرائض کو دیگر فرائض کی بہ نسبت زیادہ تاکید سے بیان کیا ہے اور اکثر موقعوں پر ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان دونوں اعمال کے بعد رمضان کے روزے۔ اور جو سفر حج کی ہمت و قدرت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج کرنا بھی بنیادی اعمال میں سے ہے۔

اخلاق

قرآن میں اخلاق بھی دو قسم کے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو اس قسم کے اخلاق ہیں جن میں آداب لیاقت کی تعلیم دی گئی ہے۔ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا جب تمہیں کوئی سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر سلام کرو یا اسی کو علیٰ حالہٖ لوٹا دو۔ لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے مکانوں میں اس وقت تک داخل ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ دوسری قسم کے اخلاق وہ بلند مرتبہ ملکات ہیں جن کی طرف یہ اخلاق داعی ہوتے ہیں۔ مثلاً عہد کو وفا کرنا۔ مصائب میں صبر کرنا محبوب و مبغوض ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنا۔ انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دینا۔ غلو کے بغیر پاک دامنی کی زندگی بسر کرنا۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اور جب کسی سے کوئی عہد کریں تو اس عہد کو پورا کرنے والے اور مشقت اور تنگدستی میں اور جنگ کے وقت صبر کرنے والے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَیَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ خدا عدل اور احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور فحش باتوں، معاشرہ میں ناپسندیدہ باتوں اور ظلم و تعدی سے منع کرتا ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۔ اے پیغمبر! جس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مال ہو وہ لے لو اور معروف باتوں کا حکم دو۔ اور جاہل لوگوں سے روگرداں رہو۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ اے پیغمبر! کہہ دو کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینت کی چیزوں کو جو خدا نے اپنے بندوں ہی کے لئے بنائی ہیں اور رزق میں سے پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام قرار دیا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ اے پیغمبر! کہہ دو کہ میرے پروردگار نے فواحش کو حرام قرار دیا ہے وہ فواحش ظاہری ہوں یا باطنی۔

اسلامی معاشرت
قیمت دو روپے

نفسیاتی کتابیں

شعور و لاشعور	سلامت اللہ	۲ — ۴ — ۰
بچوں کی دیکھ بھال	مسلم۔ ایم اے	۴ — ۰ — ۰
نوجوانوں کی نفسیات	ڈاکٹر عسکر	۳ — ۱۲ — ۰
قوت ارادی	پروفیسر ظہوری	۳ — ۰ — ۰
کامیاب جنسی زندگی	پروفیسر شکیب	۳ — ۱۲ — ۰
آپ بھی خوش رہیئے	برٹرینڈ رسل	۵ — ۰ — ۰
سوچیئے اور دولت کمایئے	نپولین ہل	۵ — ۸ — ۰

اسلامی ناول

فاتح خیبر	رئیس احمد جعفری	۵ — ۱۲ — ۰
ایوبی (غازی صلاح الدین)		۵ — ۱۲ — ۰
مرگ سپید	خالد پرویز	۵ — ۱۲ — ۰
وارث	رئیس احمد جعفری	۶ — ۰ — ۰
عبدالرحمٰن الناصر	ظہور ندوی	۵ — ۸ — ۰
فاتح فرانس	سعید شاہین	۳ — ۸ — ۰

نفیس اکیڈمی۔ پلاسس اسٹریٹ کراچی

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

تیسرا باب (مسلسل)

ساری دنیا کا قبلۂ مقصود کعبہ ہے لیکن خود کعبہ کا قبلہ کاشانۂ نبوی ہے۔

کمتر از آنے زاوقاتش ابد
کاسب افزائش از ذاتش ابد

جسے دنیا ابد کہتی ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ حضورؐ کی حیات طیبہ کے اوقات میں سے ایک لمحہ سے بھی کم ہے۔ ابد درحقیقت حضورؐ کی ذات سے اپنی مدت میں اضافہ کرتی ہے۔

ان اشعار میں لطائف، حقائق پر غالب آگئے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

اس ذاتِ عالی مقام کے استغنا کا یہ عالم ہے کہ ایران کے شہنشاہ کا تاج اس کی امت کے پاؤں کے نیچے تھا لیکن آپ صرف ایک بوریا پر استراحت فرماتے تھے۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

حضورؐ غارِ حرا کی تنہائیوں میں جاکر خلوت پذیر ہوئے اور وہاں سے ایک باشرف قوم، ان کی قابلِ رشک حکومت اور دنیا کے لئے ایک زندہ اور پائندہ آئین لے کر باہر تشریف لائے۔ یہ سب کچھ حرا کی خلوتوں میں پیدا ہوگیا۔

ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم
تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم

وہ ملت کے غم میں راتوں کو جاگتے اور دعائیں مانگتے رہے تاکہ یہ ملت سریرِ شاہنشاہِ ایران کے تخت پر جاگزیں ہوگئی

وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدۂ او اشک بار اندر نماز

ایک طرف جلالتِ نبوی کا یہ عالم تھا کہ میدانِ جنگ میں آپ کی تلوار لوہے کو پانی پانی کردیتی تھی اور دوسری طرف جمالِ رسالت کی یہ کیفیت تھی کہ خدا کے حضور آپ کا آبگینۂ قلب موتی بن کر آنکھوں کے راستے بہہ نکلتا تھا۔

در دعائے نصرت آمین تیغ او
قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغ او

پہلے مصرع میں اقبال نے ایک بہت بڑی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضور بھی نصرت وتائیدِ خداوندی کی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن ہماری طرح نہیں کہ دعا مانگ لی اور اس کے بعد خاموشی سے بیٹھ گئے کہ باقی سب کچھ خود خدا کردے گا۔ آپ دعا مانگتے تھے اور آپ کی تلوار اس دعا کو پورا کرکے دکھاتی تھی۔ یعنی اس دعا کی آمین حضورؐ کی شمشیرِ خارا شگاف ہوتی تھی۔

ایک طرف قوت اور شجاعت کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف دنیا کو اس قسم کی نئی نئی اقدار عطا کیں جن کی رو سے ملوکیت جیسی لعنت دنیا سے مٹ گئی۔

در جہاں آئینِ نو آغاز کرد
مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد

آپ نے تمام اقوامِ سابقہ کے آئین وقوانین کی بساط الٹ کر رکھ دی اور ان کی جگہ وحیِ خداوندی کا وہ نظام عملاً متشکل کرکے دکھا دیا جس کی نظیر اس سے پہلے آسمان کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

سابقہ شعر میں حضرت علامہ نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہؐ نے دنیا میں ایک نئے انداز کے آئین کی ابتدا کی اور اقوامِ عالم کے پرانے قوانین ودساتیر کی بساط الٹ کر رکھ دی۔ اس نئے آئین کی خصوصیت انہوں نے ایک مصرع میں سمٹا کر بیان کردی ہے کہ

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہم چو او بطنِ امِ گیتی نزاد

اس نظام کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ اس سے دنیا کے ہر مسئلہ کا قفل دین کی چابی سے کھلتا ہے۔ اس سے پہلے دین اور دنیا دو الگ الگ گوشوں کا نام تھا جن میں نہ صرف یہ کہ باہمی توافق وتطابق ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسرے کے حریف تھے۔ دنیادار کو دین داری سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ اور دین دار کو ترکِ دنیا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اس آئینِ نو میں، جو محمد رسول اللہ صلعم کی وساطت سے دنیا کو ملا، دنیا کے مسائل کی کشاد دین کے حقائق سے ہونے لگی اور اس طرح یہ دونوں نہ صرف باہدگر متوافق ہوگئے بلکہ اس طرح لازم وملزوم قرار پاگئے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل ناممکن ہوگئی۔ یہ ہے وہ بنیادی خصوصیت جس کی بناپر اسلام کا نظام تمام دیگر نظامہائے عالم سے ممتاز اور اپنی ذات میں بے مثل و نظیر ہے۔ اسی بناپر اقبال نے حضورؐ کے متعلق یہ کہا کہ بطنِ کائنات سے اس قسم کا فرزندِ جلیل اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ وہ فرزندِ جلیل کہ

در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

اس کی نگاہوں میں چھوٹا اور بڑا سب برابر تھے۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے غلام کو اپنے ساتھ اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا اس طرح اس ذاتِ رسالتمآب نے اپنی عملی تعلیم سے دنیا کو دکھا دیا کہ مساواتِ انسانی کسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علامہ نے تین شعروں میں یہ بتایا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ حضور کا سلوک کیا تھا اور آپ کی نگاہ میں عورت کا درجہ کتنا بلند تھا۔ کہتے ہیں کہ

در مصافے پیشِ آں گردوں سریر
دخترِ سردارِ طے آمد اسیر
پائے در زنجیر وہم بے پردہ بود
گردن از شرم وحیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبی بے پردہ دید
چادرِ خود پیشِ روئے او کشید

کسی جنگ کا ذکر ہے کہ قبیلۂ طے کے کچھ دشمن قید ہو کر حضورؐ کے سامنے آئے۔ ان میں اس قبیلے کے سردار کی لڑکی بھی تھی۔ عام قیدیوں کی طرح پاؤں میں زنجیر برہنہ سر لیکن شرم وحیا سے گردن نیچے جھکائے ہوئے۔ جب حضورؐ نے دیکھا کہ ایک لڑکی ہے اور اس کے سر پر چادر نہیں تو آپؐ اٹھے اور خود اپنی ردائے مبارک اس کے سر پر ڈال دی۔ دشمن ہی کی قوم سے سہی لیکن ایک لڑکی کا اس طرح بے پردہ ہونا احترامِ انسانیت کے خلاف تھا اس لئے حضورؐ کی غیرت نے اسے گوارہ نہ کیا۔

واقعہ تو ان تین اشعار میں بیان کردیا لیکن اقبال کا انداز یہ ہے کہ وہ ایسے مواقع سے فائدہ اٹھائے بغیر آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ گریز کے انداز میں کہا کہ

ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم
پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم
روزِ محشر اعتبارِ ماست او
در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

اے رحمتِ دو عالم! ہماری حالت کی طرف بھی توجہ فرمایئے۔ ہم قبیلۂ طے کی اس خاتون سے بھی زیادہ برہنہ سر ہوچکے ہیں اور اقوامِ عالم کی صفوں کے سامنے بے چادر کھڑے ہیں۔ آپ نے جب اس دشمن کی لڑکی کو بھی بے پردہ دیکھنا گوارہ نہیں کیا تھا تو خود اپنی امت کو اس طرح اقوامِ عالم میں بے ناموس دیکھنا کس طرح گوارا فرماسکتے ہیں؟ ہمیں بھی ردائے کرم عطا فرمایئے تاکہ دنیا کی قوموں کے سامنے ہماری بے عزتی نہ ہو۔

عورت کا قرآن

(۳۰)

خود آنحضرت صلعم کی زندگی سے بھی اس عنوان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ آپ سب سے پہلے جبکہ آپ پچیس برس کے تھے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ اس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی۔ موصوفہ بعثت کے بعد دس سال تک زندہ رہیں۔ اس طور پر اس دو برس کی مدت میں آپ نے دوسرا نکاح نہ کیا اگرچہ آپ کر سکتے تھے۔ یہ دلی تعلق اور انصاف پسندی کا پہلا ثبوت ہے کہ اگر "بیوی" سے اس کی خدمتوں اور قربانیوں کے سبب دلی تعلق پیدا ہو جائے تو اجازت اور موقع ہونے ہوئے بھی "مرد" دوسری بیوی کر ہی نہیں سکتا۔ بھلا کا ہے کو کریگا جبکہ ایک انسان کو اپنے لئے سب کچھ ہو گئے وہ دیکھ رہا ہے؛ رسول اللہ کو حضرت خدیجہ سے کتنی شدید اور کیسی گہری محبت تھی؛ اور کیوں تھی؟ اس کو ایک واقعہ سے سمجھ لیجئے۔ جناب نیاز فتحپوری "صحابیات" میں "استیعاب۔ جلد دوم صفحہ ۷۴۱" کے حوالہ سے لکھتے ہیں

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جتنا رشک مجھے "خدیجہ" پر تھا کسی بیوی پر نہ تھا ایک دن رسول اللہ صلعم نے ان کا ذکر کیا تو مجھے غیرت آئی اور میں نے کہا "وہ بڑھیا تھیں، اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی دی ہے" یہ سن کر آپ غضبناک ہوئے، اور فرط غضب سے آپ کے موئے مبارک کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ نہیں، بخدا مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی جب سب لوگ کافر تھے۔ اس نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا۔ اس نے میری مال سے مدد کی جب دوسروں نے محروم رکھا اور اللہ نے مجھے اس سے اولاد دی" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے جی میں کہا کہ آئندہ میں ان کا ذکر کبھی نہ کروں گی۔

چنانچہ آپ کا حال یہ تھا کہ خدیجہ کی وفات کے بعد جب تک آپ خدیجہ کا ذکر کر کے ان کی تعریف اچھی طرح نہ کر لیتے تھے گھر سے باہر تشریف نہ لیجاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہمدرد اور دل سوز بیوی جو شوہر کی رضا مندی، اس کی اطاعت اور راحت رسانی میں کوشاں رہنے کے علاوہ اپنی عقلمندی سے تمام صدمات کو دور کر دیتی ہو وہ شوہر کو کہاں تک محبوب نہ ہو گی؟ (صفحہ ۲۰)

اس طور پر بقول قرآن ایک بیوی کرنے کی صورت میں انصاف سے قریب رہنے کی شق پر رسول اللہ صلعم نے عملی نمونہ پیش کر کے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کیا اور کس طرح چاہتا ہے۔ دوسری شق، یعنی چند بیویوں سے "دلی" نہیں بلکہ "معاملاتی" عدل قائم رکھنے کی مثال بھی آپ نے خود ہی پیش کی جبکہ ایک زمانہ میں بیک وقت چند بیویاں تھیں اور رسول اللہ کے طرز عمل سے کسی بیوی کو کوئی شکایت نہ تھی۔ مگر رسول اللہ کا سا "عدل" آج کون کر سکتا ہے؟ لہذا قرآن مجید کے قول کے مطابق قریب الانصاف اور قریب عدل یہی ہے کہ "مرد" ایک سے زیادہ بیوی ہرگز نہ کرے۔ اور اس بیوی کا بھی یہ تعلق فرض ہے کہ وہ اپنی محبت و الفت، خدمت و اطاعت اور حسن و مزاج شناسی سے "مرد" کا دل اس طرح "موہ" لے کہ "مرد" کو دلی سکون ملے اور اس کے دل و دماغ میں دوسری عورت کا خیال بھی نہ آسکے۔ مگر پھر یاد کر لیجئے کہ ایسا "صبر" سے ہو سکتا ہے "جبر" سے نہیں۔ "شفقت" سے ہو سکتا ہے "تحکم" سے نہیں۔ "اطاعت شعاری" اور "خدمت گزاری" سے ہو سکتا ہے۔ "سرکشی" اور "بے پروائی" سے نہیں۔

(۹) رانڈ کا نکاح

مسلمان ہندوستان میں ہزاروں برس سے ہیں اس لئے ہندو تمدن کی معاشرت نے ان کے اندر بڑا دخل پا لیا ہے۔ اور چونکہ قرآن مجید مسلمانوں کے سامنے نہیں رہا اس لئے "دین" کے بجائے یہاں کے مسلمانوں نے "مذہب" اختیار کر لیا جس کا تعلق "دین" کی طرح نظام زندگی اور بندوبست حیات سے نہیں بلکہ محض چند رسومات کی ظاہری ادائیگی سے ہوتا ہے۔ لہذا ہندوؤں کی طرح، مسلمانوں کے یہاں بھی "عقد بیوگان" بڑی ذلت و رسوائی کی چیز سمجھی جانے لگی اور اس کا بڑا بُرا اثر بڑا "معاشرت" پر بھی اور "معاشیات" پر بھی۔ مگر نہ مسلمان "قرآن مجید" کی طرف لوٹتے ہیں اور نہ یہ تباہی کی طرف ان کی نگاہ جاتی ہے۔ آج مسلمانوں کے کتنے گھر ہیں جہاں جوان بیوائیں موجود ہیں مگر خیالی ذلت کے احساس کے سبب ان کی بھی زندگی برباد کی جا رہی ہے اور مرد اپنی بھی حالت خراب کر رہے ہیں۔ اقتصادی حالت مسلمانوں کی عام طور سے خراب ہے وہ اپنی ضروریات ہی پوری نہیں کر سکتے چہ جائیکہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا۔ اور ان بیواؤں کے بوجھ نے ان کی پسلیاں تک توڑ دی ہیں۔ قرآن مجید (توہم) میں "ایامٰی" (رانڈوں) کے لئے "انکحوا" (نکاح کردو) امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تاکید ہے اور یہ ہونا بھی چاہیئے تھا کہ ان عورتوں کی ضروریات زندگی کے دوسرے متکفل ہونے لگیں اور عورت کے گھر والوں پر سے بھی کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ مگر مسلمان ایسا کرنے کو تو ذلت سمجھتے ہیں لیکن ایسا نہ کرنے کے سبب انہیں جو ذلتیں نصیب ہوتی ہیں ان کو برداشت اور گوارا کرنے پر آمادہ ہیں حالانکہ رسول اللہ سے زیادہ کسی مسلمان کا خاندان معزز نہیں۔ رسول اللہ کے گھر سے زیادہ شرافت کسی مسلمان کے گھر میں نہیں۔ وہاں تو حال یہ ہے کہ رسول کی بیویاں اور بیٹیاں "بیوہ" ہوتے ہوئے بھی معزز گھرانوں میں داخل ہوں۔ مگر مسلمان کسی بیوہ کا بیاہ کرنا یا کسی رانڈ کو بیاہ لانا عیب اور ہتک سمجھیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ کیا رسول کی بیویوں سے زیادہ معزز کوئی عورت ہو سکتی ہے جبکہ خود قرآن مجید کہتا ہے کہ:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (احزاب ۴)

"اے نبی کی بیویو، تم عام معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔"

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب ۱)

"مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ یہ نبی تعلق رکھتے ہیں اور یہی نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔"

پھر کیا رسول کی بیویوں سے زیادہ کوئی مسلمان عورت محترم اور معزز ہو سکتی ہے کیا عزت وہ احترام اور شرافت و نجابت میں بیٹیاں ماؤں سے بڑھ جائیں گی۔ بجز ایک کے رسول اللہ کی تمام بیویاں "بیوائیں" تھیں۔ اُمہات المومنین حضرت سودہؓ۔ حضرت حفصہؓ۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ۔ حضرت ام سلمہؓ۔ حضرت زینبؓ بنت جحش۔ حضرت جویریہؓ۔ حضرت ام حبیبہؓ۔ کا دوسرا نکاح رسول اللہ سے ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ اور حضرت میمونہؓ کا تیسرا نکاح نبی کریم صلعم سے ہوا تھا۔ اور پیغمبر خدا کی سب سے پہلی اور عزیز ترین بیوی حضرت خدیجہؓ کا چوتھا نکاح آپ سے ہوا تھا۔ لہذا یہ بات کسی طرح بھی شایان شرافت نہیں ہے کہ بیوہ کا نکاح محض اس لئے نہ کیا جائے کہ اس سے ذلت متصور ہے۔ نعوذ باللہ! ایسا سمجھنا اور اس حکم پر عمل نہ کرنا تو صریح خدا کے حکم کی خلاف ورزی، رسول اللہ صلعم کی تحقیر اور اسلام سے بغاوت ہے۔

(۱۰) نابالغ عورت کا نکاح

جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا اور ہندوؤں کے یہاں کمسنی کی شادی ہونے پر پابندی عائد کرنے کے لئے "سارڈا بل" پیش ہوا تھا تو ہندوؤں سے زیادہ مسلمان علماء نے ہنگامہ برپا کیا تھا اور ایک عذر ان کا یہ تھا کہ اسلام نے نابالغ عورت کی شادی جائز قرار دی ہے اور اس کو روکنا "مداخلت فی الدین" ہے جس کو ہم لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ حالانکہ سورۂ نساء کے پہلے ہی رکوع میں جہاں پر نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔ صاف صاف کہا گیا ہے کہ:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

"ایسی عورتوں سے نکاح کرو، جو کہ تمہیں پسند ہوں۔"

وہ کتاب جسے اقبالؔ لکھنا چاہتے تھے

علامہ اقبال کی وفات کے ساتھ ہی یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک ایسی کتاب کی تصنیف کا ارادہ رکھتے تھے۔ جس میں بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے اور اس کے قوانین کس طرح دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کئے جا سکتے ہیں۔ بعض حلقوں میں یہ بھی کہا گیا کہ انھوں نے اس کتاب کا بیشتر حصہ لکھ لیا تھا۔ لیکن دیگر حضرات نے اس کی تردید کی اور کہا کہ انھوں نے اس کتاب کے صرف عنوانات اور ابواب قائم کئے تھے۔ اور ان کے ساتھ کچھ تشریحی نکات لکھے تھے۔

کچھ دن اُدھر اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پنجاب اسمبلی کے رکن، محترم محمد شفیع صاحب نے علامہ اقبال کے اپنے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کچھ نوٹس اقبال اکیڈمی کراچی کو دیئے ہیں۔ یہ نوٹس اس کتاب کے متعلق ہیں۔ جس کے متعلق اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ ہمیں ان نوٹس کی نقل محترم ممتاز حسن صاحب اسکریٹری وزارت مالیات حکومت پاکستان کی حسن وساطت سے ملی ہے۔ ان نوٹس کے شروع میں محترم محمد شفیع صاحب نے چند سطور بطور تعارف لکھے ہیں۔ ہم پہلے اس تعارفی تمہید کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد علامہ اقبال کے ان نوٹس کا ترجمہ جس کا ذکر اس تمہید میں کیا گیا ہے۔

محترم محمد شفیع صاحب کی تعارفی تمہید

سنہ ۱۹۳۶ء میں جب مجھے حضرت علامہ اقبال کے کاتب کی حیثیت سے کام کرنے کی سعادت حاصل تھی، انھوں نے مجھے چند کاغذات مرحمت فرمائے جس میں خود ان کے قلم سے کچھ نوٹس لکھے ہوئے تھے۔ یہ نوٹس اس کتاب سے متعلق تھے جس کی تصنیف ان دنوں ان کے پیشِ نظر تھی اس کتاب کا نام تھا (INTRODUCTION TO THE STUDY OF ISLAM) اور اس میں اسلامی فقہ کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھنا مقصود تھا۔ چونکہ ان کی بینائی دن بدن کمزور ہو رہی تھی۔ اس لئے ان کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی زیرِ نظر کتاب کو مجھے املا کرا دیں۔ یہ کتاب اسلامی سیاست اور فقہ کے متعلق ایک عدیم النظیر کوشش کا مظہر بننے والی تھی۔ لیکن افسوس کہ انکی صحت اس تیزی سے خراب ہوتی گئی کہ وہ اپنے اس ارادہ کو عملی شکل نہ دے سکے حتیٰ کہ ۲۱ر اپریل سنہ ۱۹۳۸ء کو ان کی شمعِ حیات بجھ گئی (واضح رہے کہ حضرت علامہ کی خدمت میں اس کتاب کی تصنیف کی تجویز والیٔ بھوپال نے پیش کی تھی)

اس وقت سے یہ نوٹس میرے پاس تھے۔ اور میں نے ملّی امانت کے طور پر ان کی حفاظت کی۔ ایک دفعہ میں نے قائدِ اعظم مرحوم سے بھی عرض کیا تھا کہ میرے پاس اس قسم کے نوٹس ہیں تو انھوں نے ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۳ء کو مجھے جواب میں لکھا کہ . . . .

" فقہ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید کے متعلق اقبال جو کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ میں اس کے متعلق ان کے نوٹس دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے بعد میں اس پر غور کر سکوں کہ کونسی قابل شخصیت ایسی ہے جو اس کام کی تکمیل کر سکے گی چونکہ موضوع کا تعلق فقہ اسلامی سے ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے کسی قانون داں کی ضرورت ہوگی "۔

چونکہ حضرت علامہ کے یہ نوٹس پنسل سے لکھے ہوئے تھے۔ اس لئے مرورِ زمانہ سے ان کے نقوش مدھم پڑتے چلے جا رہے تھے۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں جب میں سنٹرل جیل ملتان میں نظر بند تھا تو میں نے ان کے نوٹس کو اپنے قلم سے الگ لکھ لیا۔ اب میں یہ نوٹس بغیر کسی قسم کے ردوبدل کے قوم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ جو حضرات اس کی استعداد رکھتے ہوں وہ حکیم الامت کی منشا کے مطابق ایک ایسی کتاب کی تصنیف کر سکیں جو ہماری حیاتِ ملّی میں ایک زندہ عنصر کی حیثیت رکھے۔

محترم شفیع صاحب کا تعارفی نوٹ ختم ہوا۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے نوٹس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال نے اپنی پیشِ نظر کتاب کے محض عنوانات لکھے تھے۔ اور کہیں کہیں ایک ایک دو دو لفظوں میں یہ بھی لکھ لیا تھا کہ فلاں عنوان کے تحت کیا کچھ لکھا جائے گا۔ اس سے زیادہ ان نوٹس میں انھوں نے کچھ نہیں لکھا۔ ان نوٹس کو پھیلا کر ایک مفصل مضمون بھی مرتب کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم ان نوٹس کو بغیر کسی قسم کی تشریح و اضافہ کے ان کی اصلی شکل میں قارئین کے سامنے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ جو کچھ حضرت علامہ نے لکھا ہے۔ اس پر کسی دوسرے کا خیال اثر انداز نہ ہو۔ بعض مقامات پر بات مبہم بھی رہ گئی ہے۔ اس لئے کہ حضرت علامہ نے ان نوٹس کو محض اپنی یادداشت کے لئے لکھا تھا۔ دوسروں کو سمجھانے کی غرض سے نہیں لکھا تھا۔ نیز بعض مقامات پر ان کی تکرار بھی ہوگئی ہے۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس ضمن میں جو جو باتیں ان کے ذہن میں آتی رہتی تھیں۔ وہ انھیں بطور یادداشت نوٹ کرتے رہتے تھے۔ بہرحال ان نوٹس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے (اصل انگریزی زبان میں ہے) علامہ اقبال کے کسی مضمون کا ترجمہ کرنا کس قدر مشکل ہوتا ہے ' ارباب علم اس سے واقف ہیں۔ لیکن جہاں صورت یہ ہو کہ انھوں نے اپنا مافی الضمیر فقروں میں نہیں بلکہ محض متفرق الفاظ اور اشارات میں ادا کیا ہو اس کا ترجمہ جس قدر مشکل ہوگا۔ اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بہرحال ہم نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں ان کا مفہوم سامنے آ جائے۔

علامہ اقبالؔ کے خود نوشت نکات

(ا) <u>اسلام کا مطالعہ ضروری ہے</u>

(۱) اس میں قوت اور زندگی ہے

تاریخ میں کئی مواقع ایسے آئے ہیں۔ جن میں اسلام نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس میں ایسی قوت موجود ہے کہ وہ ان غیر اسلامی عناصر سے اپنا دامن پاک کر لے جو اس میں خارج سے داخل ہوگئے ہیں۔

<u>نئی تحریکات</u>۔ مجھے ان پر زیادہ بھروسہ نہیں۔ لیکن یہ اس اندرونی اضطراب اور پریشانیٔ فکر و نظر کی غماز ضرور ہیں۔ جو مسلمانوں میں پیدا ہو چکی ہیں۔

(۲) اسلام، عصرِ حاضر اور سلطنت برطانیہ۔

(ب) <u>اسلام اور سلطنت</u>

عربی سلطنت کے اسلام پر اثرات

عربوں نے روم اور ایران کو تو تباہ کر دیا۔ لیکن خود ایک اور شاہنشاہیت قائم کر دی۔

سلطنت سازی کے اسباب۔

(۱) دینی حرارت جس نے نوعِ انسانی کی نشاۃ ثانیہ کے لئے دل میں تڑپ پیدا کی۔

(۲) جوع الارض (HUNGER)

اسباب کچھ بھی ہوں۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلا۔ سلطنت کی فتوحات ان لوگوں کو اسلام کے دائرے میں لے آئیں۔ جو قدیم مسلکِ خانقاہیت کے حامل تھے۔ اور جنھیں سپنگلر مجوسی کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام، زمانہ قبل از اسلام کے مذہب میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ اور اس میں تمام (غیر اسلامی) مذاہب و مسالک کے متنازعہ فیہ مباحث شامل ہوگئے (روح۔ نفس۔ حادث، قدیم۔ قرآن[1]) لہٰذا حقیقی اسلام کے آگے بڑھنے کے بہت کم مواقع رہ گئے۔

(ج) <u>اسلام کے جدید طالب علم کی مشکلات</u>

اسے انبار در انبار لٹریچر کے طوماروں سے گزرنا ہوگا۔ اور قرآن کا گہرا مطالعہ کرنا ہوگا میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ اب میں نہایت دیانت داری سے کوشش کروں گا کہ جسے میں حقیقی اسلام سمجھتا ہوں۔ اسے آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔

(د) <u>اسلام کیا ہے؟</u>

کیا یہ مذہب (RELIGION) ہے؟ اس لفظ (ریلیجن) کے مشتقات (اس کا تقابل) لفظ دین سے جسے قرآن نے استعمال کیا ہے یعنی قانون کی اطاعت (۵ ا ۱۸)[2]

قدیم ایشیائی مذاہب کی خصوصیات۔

(۱) قدیم مذہب میں وحی کا تصور۔ ایک باطنی قسم کا طریقِ عمل (MYSTIC. PROCESS) اسلام نے وہ بنیاد رکھی جس سے اسے سائنٹیفک طریق سے سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[1] غالباً [illegible] (طلوع اسلام) [2] حوالہ [illegible] غلطی ہوگئی ہے سورۂ مائدہ کی آیت ۴۸ اس موضوع سے متعلق نہیں (طلوع اسلام)

(قرآن - ابن خلدون - تصوف)

(۲) نجات

(۳) ترکِ دنیا کا عقیدہ (لارہبانیۃ) غاریں۔ تہہ خانے

اسلام اور عیسائیت کا تقابل (واللہ یخرجکم من الظلمٰت الی النور)

(حضرت) عیسٰے بحیثیت ایک ولی (SAINT) کے

(۴) غیر مرئی اشیا کا خوف (لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون)

(۵) سپنگلر کی بعض باطنی تعلیمات (جلد دوم ص ۲۴۶) نیز مارٹینن جلد اول)

(۶) کائنات اور زمان کے غیر حقیقی ہونے کا عقیدہ (ما خلقت ھذا باطلا۔ ھل اتی علی الانسان ....)

(۷) تقدیر کا عقیدہ

(۸) تھیاکریسی (مذہبی پیشواؤں کی حکومت)

اسلام ان تمام مذاہب کے خلاف صدائے احتجاج تھا۔ جو اس کے ظہور کے وقت دنیا میں موجود تھے۔

کائنات بھی حقیقی ہے زمان بھی حقیقی ہے۔

(انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا) (المنتظر۔ جس کا انتظار کیا جا رہا ہے)

مملکت اور کلیسا کا تعلق

مملکت کیا ہے؟ نکاح کی طرح ایک معاہدہ

(س) اسلام مذہب نہیں۔ اس سے بہت کچھ زیادہ ہے

داخلی اور خارجی امن وسلامتی (۱۸ ، ۵)

(۱) یہ انسان کو نسلی امتیازات سے بلند لے جاتا ہے (خارجی امن)

(۲) اس کا مقصد معاشی مساوات ہے (داخلی تحفظ (صیانت)

(ش) خطبہ اول کا اختتام

دو اختتامی توضیحات

(۱) اسلام کا پیغام

(۲) اسلام عیسائیت کا دشمن بلکہ رقیب بھی نہیں۔ تہذیب وتمدن کے معاملات میں یہ اس کا رفیق ومعاون ہے۔

دوسرا خطبہ۔ اسلامی قانون

ڈکنسن کی کتاب: "AFTER TWO THOUSAND YEARS" دیکھئے۔

مجوسی کلچر میں وحی ایک باطنی طریق کا نام ہے۔ اسلامی تصوف میں یہ باطنی طریق سائنٹفک طریق پر سمجھا جا سکتا ہے۔

کیا یہ "اخلاقیات اور جذبات کا امتزاج" ہے؟

(۱) مذہب

کیا اس سے مطلب کسی قسم کی پرستش کے ساتھ ایک خدا یا بہت سے خداؤں پر ایمان ہے؟ بعض صورتوں میں خانقاہیت کا مسلک؟

(i) کیا یہ بجبر ترکِ دنیا اور اپنی توجہات کو دوسری دنیا پر مرکوز رکھتا ہے؟

(لا رھبانیۃ فی الاسلام)

(ii) کیا یہ غیر مرئی اشیاء سے خوف کا نام ہے؟ (لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون)

(iii) کیا یہ "ماورائے حواس" سے یگانگت ہے؟

ایک حد تک اس کا جواب اثبات میں ہے۔ لیکن اس "ماورائے حواس" کی طرف اقدام سائنٹفک اسپرٹ میں ہوگا (ابن خلدون ختم (نبوت) کا تصور)

(iv) کیا یہ کوئی باطنی تعلیم ہے جو سینہ بہ سینہ آگے چلتی ہے؟

تمام قدیم مجوسی مذاہب (سپنگلر جلد دوم ص ۲۴۶۔ اسلام II)

(قد تبین الرشد من الغی)

(۵) مذہب۔ اس لفظ کا ماخذ۔ قرآن نے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں دین۔ منہاج۔ ملت کے الفاظ آئے ہیں۔

ملت اور دین کے معنی کیا ہیں؟

(۶) مارٹینن۔ جلد اول۔

(ب) اسلام تمام مذاہب کے خلاف (جن معنوں میں یہ لفظ قدیم زمانہ میں استعمال ہوتا تھا) صدائے احتجاج ہے۔

(۱) ختم نبوت اسلام اور زمان (ھل اتیٰ ....)

(۲) اسلام میں نجات کا تصور۔ کیا یہ "نجات دلانے کا مذہب" ہے؟

نجات کا لفظ قرآن میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔ نجات کسے کہتے ہیں؟

(۳) کوئی باطنی تعلیم نہیں۔

(۴) خدا پر ایمان (غیب) نوعِ انسانی سے نسلی تفریق کا مٹانا۔ معاشی مساوات (قل العفو)

(ج) کلیسا اور مملکت

کیا اسلام میں امت ایک فقہی شخص (A JURISTIC PERSON) ہے؟

کیا اسلامی مملکت ایک فقہی شخص ہے؟

مملکت اور کلیسا کا تعلق۔

مملکت کیا ہے؟ نکاح کی طرح ایک معاہدہ۔

امیرِ مملکت، شیخ الاسلام ہے وغیرہ وغیرہ

وراثتی ملوکیت۔ مسلمانوں میں پیشوائیت کی تاریخ

کربلا؟ اس کا اثر؟

(د) اسلام اور عورت

(س) اسلام اور سرمایہ داری

II مجوسی کلچر کی رو سے وحی ایک باطنی طریق ہے۔ جس میں کوئی روح کسی انسان

صوبہ سرحد کی واحد موثر آواز

روزنامہ شہباز پشاور

اگر آپ صوبہ سرحد اور قبائل کے حالات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں اور سیاسی حالات کے پس منظر سے آگاہی چاہتے ہیں۔ تو شہباز کا مطالعہ کریں۔

یہی وہ روزنامہ ہے

جس کے پاس سرحد میں ٹیلی پرنٹر سروس ہے۔ اے پی پی، رائٹر ی پی اے اور اپنے نامہ نگاروں کی خصوصی خبریں شائع کرتا ہے اور باتصویر ہفت روزہ ایڈیشن شائع کرتا ہے۔

کراچی میں شہباز

طاہر بک ڈپو

ٹرام جنکشن صدر روڈ کراچی سے دستیاب ہو سکتا ہے

کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ اور اس روح کی باتیں اس شخص کی زبان سے باہر آتی ہیں اسلام میں وحی (ا نیت کا حوالہ دیجئے) حیات کی عالمگیر متاع ہے۔ جس سے ایک فرد متمسک ہوتا ہے۔ اور اس طرح سرچشمۂ حیات (تک جا پہنچتا ہے) اس کا اظہار تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ اب یہ سلسلہ بطور ذریعہ علم کے ختم ہو چکا ہے۔ اسلام میں مراقبہ (CONTEMPLATION) فکر اور عمل دونوں کو محیط ہوتا ہے۔ یہ اس دنیا کو حقیقی بنا کر سامنے لاتا ہے۔ جس میں نسل۔ قوم اور عقیدہ کے قدیم تصورات بکسر ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ نور ہے (اللہ نور السمٰوٰت والارض)

یہ دنیا کو تاریکی سے نجات دلا کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (واللہ یخرجکم من الظلمٰت الی النور)

III لفظ نجات

نجات کیا ہے؟ کس بات سے چھٹکارا؟ انسانی ذات کی حدود سے چھٹکارا نہیں (فرادی) شعور کے تناؤ (TENSION) سے بھی چھٹکارا نہیں۔

یہ کائنات میں الیغو کی (RELIEF) کا نام ہے۔

خدا کا تصور رفیق کی حیثیت سے (بل الرفیق الاعلیٰ)

(ا) نیند اضمحلال پیدا کرتی ہے (LIBERATES) (لا تاخذہ سنۃ ولا نوم)

(ب) شراب بھی ایسا ہی کرتی ہے اور شعور کی توانائی کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔

(ج) رقص بھی یہی کچھ کرتا ہے۔

یہ زمان و مکان سے فرار کی راہیں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔ ہمیں زمان و مکان پر غالب آ جانا چاہیئے (الا بسلطان) یعنی فکر کے رُو سے موجودات (ACTUALITY) کو مسخر کر لینا۔ (تفکر فی خلق السمٰوٰت)

مرئی موجودات۔ یعنی زمان و مکان کا خوف ختم ہو جاتا ہے جب ہم اشیاء کو بطور اسباب و علل کے تعلق کے سمجھ لیں (لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون) خوف جنتر منتر سے نہیں جاتا۔ بلکہ اس طرح جاتا ہے کہ ہم اشیائے کائنات کا اس طرح علم حاصل کر لیں کہ وہ قانونِ فطرت کی رُو سے موجود نظر آنے لگ جائیں۔

(د) کائنات کا علم بحیثیت ایک حرکت کے

تاریخ تصوف

(iii) ایمان۔ امن۔ تحفظ۔

اسلام میں اصلاحی تحریک۔ ابن تیمیہ

عبدالوہاب

بابی اور احمدیہ (نبوت) ——— قریب قریب مجوسی

سید احمدؒ (عقلی تحریک)

تحریک جدید

المنتظر کی آمد۔

(i) کوئی واپس نہیں آئے گا۔

(ii) روایات (بخاری)

علامہ اقبال کے خود نوشت نوٹس ختم ہو گئے۔

جدید: کے[1]) سب نظم میں ہے۔ جو کچھ زبان شعر میں کہا جاتا ہے وہ لاکھ حقائق پر مبنی ہو۔ اس کے باوجود ایسا واضح، متعین اور مستند نہیں ہو سکتا جیسے نثر میں لکھی ہوئی کتاب ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر کی کتاب (خطبات) ان کی نظم کی تمام تصانیف پر بھاری ہے۔ اور وہی کتاب ہے جس کی بنا پر یورپ کے مفکرین نے ان کا لوہا مانا ہے وہ اپنی پیش نظر کتاب کو نثر ہی میں لکھنا چاہتے تھے۔ اگر وہ اسے لکھ جاتے تو یہ اسلام کی تاریخ میں کتنا اہم کام ہوتا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ہماری بدقسمت قوم کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس قسم کی شخصیتیں قوم کی متاع ہوتی ہیں اور ان کی حفاظت قوم کا اولین فریضہ۔ یہ قوم کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو اتنی سہولتیں بہم پہنچائے کہ وہ ہر فکر اور پریشانی سے آزاد ہو کر اپنے پیش نظر مقصد کی تکمیل میں پورے اطمینان سے منہمک ہو سکیں۔ لیکن ہماری قوم مردہ پرست ہے اسے زندہ انسانوں کی قدر کرنا نہیں آتا۔ انہوں نے جس قدر روپیہ علامہ اقبال کے مقبرہ کی تعمیر پر صرف کیا ہے۔ اگر وہی روپیہ ان کی زندگی میں انہیں سہولتیں بہم پہنچانے میں صرف کر دیتے تو وہ اس کے معاوضہ میں انہیں کتنا کچھ دے جاتے۔

محترم شفیع صاحب نے ان نوٹس کو اس امید پر قوم کے سامنے پیش کیا ہے کہ قوم کے قابل افراد میں سے کوئی شخص حضرت علامہ کی اس آرزو کی تکمیل کر سکے۔ قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جو ان خطوط پر اس قسم کی کتاب لکھ سکتے ہیں لیکن مشکل وہی ہے جو خود حضرت علامہ کے درپیش تھی۔ ان افراد کو پریشانیوں سے فارغ کر دینے کا کوئی سامان نہیں۔ یوں تو اقبال کے نام پر ملک میں سینکڑوں ادارے قائم ہیں۔ ان میں سے بعض کو حکومت کی طرف سے بھی گرانقدر امداد ملتی ہے۔ خود مرکزی حکومت کی زیر نگرانی اقبال اکیڈیمی قائم ہے لیکن ان کا مقصد کچھ اور ہی ہے۔ اگر یہ تمام روپیہ جو اس طرح ضائع ہو رہا ہے۔ ایک ایسے ادارے کے قیام میں صرف کیا جائے۔ جس کا مقصد اقبال کے متعین کردہ خطوط کی روشنی میں قرآنی فکر کو عام کرنا ہو تو اس سے قوم کا حال بھی درخشندہ ہو جائے اور مستقبل بھی تابناک۔

معلوم نہیں اس قوم کو کب ایسا دن دیکھنا نصیب ہوگا؟

طلوعِ اسلام جن خطوط پر علامہ اقبال یہ کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ وہ آپ کے سامنے آ گئے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ اگر وہ اس قسم کی کتاب تصنیف فرما جاتے۔ تو وہ ملت اسلامیہ کے لئے کتنی بیش بہا متاع ہوتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ علامہ اقبال قوم کو بہت کچھ دے گئے ہیں۔ لیکن جن حضرات کو انہیں قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل تھی۔ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے قوم کو دیا ہے۔ وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو ابھی ان کے سینے میں محفوظ تھا۔ اگر حالات اجازت دیتے۔ اور وہ اپنی پوری فکر قوم کے سپرد کر سکتے۔ تو اندازہ فرمایئے کہ ہمارا دامن کس قدر گرانبہا دولت سے مالا مال ہو جاتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ اقبال نے جو کچھ دیا ہے (بجز ان کی ایک کتاب "خطبات تشکیل

[1] ہم نے ان کی کتاب "مابعد الطبیعیات" کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ ان کی طالب العلمانہ کوشش کا نتیجہ تھی۔ (طلوع اسلام)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس و گمان

(محترم عبد الغفار حسن صاحب سے دو سوال)

[آجکل سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے مسلک حدیث کے متعلق علماء کی ایک جماعت کی طرف سے جو اعتراضات ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں محترم عبد الغفار حسن صاحب کا ایک مضمون عنوان بالا کے تحت روزنامہ تسنیم بابت ۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے جسے ہم (عربی عبارات کو حذف کرنے کے بعد) درج ذیل کرتے ہیں۔ (طلوع اسلام)

کچھ عرصے سے رسالہ ترجمان القرآن میں آج سے آٹھ دس سال قبل شائع شدہ تحریروں پر اعتراضات اور فتووں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ قرآن و سنت کے فہم میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہ اختلاف پہلے بھی رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس کو معیوب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اصل چیز ہے اختلاف کے اظہار کا طریقہ۔ اگر اختلاف کا اظہار علمی رنگ میں ہو۔ اور تنقید کا انداز متین اور سنجیدہ ہو تو امت کے لئے یہ صورت بجائے زحمت کے رحمت کا موجب بن سکتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض حضرات نے اس اختلاف کو عناد و شقاق کی شکل دیدی ہے اور بہتان طرازی، غیر ذمہ دارانہ فتوے بازی میں اس طرح مشغول ہو رہے ہیں کہ انھیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ آج جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں یا بول رہے ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ کا ایک دن خدا کے ہاں جاکر حساب دینا ہے۔

مولانا مودودی نے دجال کے متعلق سوالات کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دجال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تصریحات وحی کی بنا پر نہ تھیں۔ بلکہ یہ آپ کا گمان اور اندیشہ تھا، اور آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے۔ جس کے صحیح نہ ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف آئے۔

یہاں اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس مذکورہ بالا رائے کا کوئی ماخذ سنت میں ملتا ہے۔ کیا علمائے امت میں کوئی اور بھی اس نظریہ کا قائل ہے۔ ذیل میں اسی سوال کے جواب میں چند مستند تصریحات درج کی جاتی ہیں۔

حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر نخلستان پر ہوا، وہاں لوگ کھجوروں میں پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا میں نہیں گمان کرتا کہ یہ طریقہ مفید ہوگا۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے پیوند سازی ترک کردی۔ لیکن بعد میں جب آپ کو (اس بارے میں نقصان کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا میں نے تو بس گمان کیا تھا۔ تو تم اس گمان پر مواخذہ نہ کرو۔ (ہاں) جب میں تم کو اللہ کی طرف سے کچھ بتلاؤں تو اسے لو۔ اس لئے کہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ جب نخلستان والوں نے پیوند کاری ترک کردی تو ردی کھجور کی پیداوار ہوئی فخرج شیصاً۔ تو آپ نے فرمایا انتم اعلم بامر دنیاکم یعنی اس قسم کے دنیا کے دنیوی معاملات سے تم زیادہ باخبر ہو۔

اس روایت میں خود آپ کی طرف سے واضح انداز میں یہ اعتراف موجود ہے کہ آپ کا ہر گمان نبوت اور وحی کی بنا پر نہیں ہوتا تھا کہ اس کا درست ہونا ضروری ہو۔

(۲) دجال کے بارے میں مختلف احادیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نواری شارح مسلم لکھتے ہیں:۔

علماء نے کہا ہے کہ احادیث کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح دجال کے بارے میں کوئی وحی نہیں کی گئی تھی۔ بس صرف دجال کے اوصاف کی آپ کو خبر دی گئی تھی۔ ابن صیاد میں کچھ قرائن ایسے موجود تھے جن کی بنا پر اس کے دجال ہونے کے بارے میں (متعین طور پر) یقین نہ تھا۔ اور اسی بنا پر آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اگر یہ دجال ہی ہوا۔ تو تم اس کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے:

مذکورہ بالا تحریر سے صاف واضح ہے کہ دجال کے بارے میں آپ کے مختلف اقوال وحی کی بنا پر نہ تھے۔ بلکہ یہ صرف آپ کا اندازہ اور گمان تھا۔

(۳) امام بیہقی نے دجال کے بارے میں مختلف احادیث کے تعارض کو رفع کرتے ہوئے لکھا ہے

یعنی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صیاد کے بارے میں توقف و تردد ہو۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یقین حاصل ہوا ہو کہ ابن صیاد کے علاوہ دجال کوئی دوسرا ہے

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ خیال وگمان جس کی بنیاد وحی پر نہ ہو کیا اس کا صحیح ہونا ضروری ہے؟ اس بارے میں ہندوستان کے ایک مستند عالم کا اقتباس بھی درج کیا جا رہا ہے۔ جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ کی اصل نوعیت کیا ہے۔ اور اسے خواہ مخواہ طول دے کر اور غلط رنگ میں پیش کر کے اقامت دین کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم و مغفور لکھتے ہیں آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مترجم محقق (مولانا محمود الحسن صاحب) قدس اللہ روحہ نے اپنے پیش رو حضرت شاہ عبد القادر کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ کے آخر میں اشارہ کیا ہے:۔

حضرت شاہ صاحب "موضح القرآن" میں لکھتے ہیں:۔ نبی کو ایک حکم (ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ اس میں ہرگز تفاوت نہیں ہو سکتا اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) ہے۔ وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے کبھی نہیں۔ جیسے حضرت صلعم نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ مدینہ سے کو تشریف لے گئے۔ اور عمرہ کیا۔ خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہوگا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر کیا) لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا۔ اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہوگا۔ خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں۔ اس میں نہ ہوا بعد کو ہوا۔ پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا۔ اس میں سر مو تفاوت نہیں۔ (ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہو سکتا ہے۔ گو نبی اصل پیشینگوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا۔ بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔

زیر تفسیر آیت وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا تمنی القی الشیطان فی امنیته

(قرآن مجید مترجم محشی مولانا شبیر احمد عثمانی ف ۱، ص ۴۳۸)

ان مذکورہ بالا تصریحات کے باوجود معترضین حضرات اقامت دین کی راہ میں کانٹے بچھانے سے باز نہ آئے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے۔ وہ دلوں کے حال سے پوری طرح واقف ہے۔

طلوع اسلام | صاحب مضمون نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعض ارشادات آپ کے خیال اور گمان کی بناء پر بھی ہوتے تھے۔ بنا بر وحی نہیں ہوتے تھے۔ اس ضمن میں ہم ان سے دو سوالات دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔

(۱) محترم مودودی صاحب تفہیمات حصہ اول میں تحریر

فرماتے ہیں۔

قرآن کریم میں آنحضرت کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ اور وہ رسول اور نبی ہونے کی حیثیت ہے۔ جس وقت اللہ تعالےٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا۔ اس وقت سے لے کر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا ۔ ۔ ۔ حتیٰ کہ آپ کی نجی اور خانگی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت آگئے تھے

(صـ۲۳۱)

اس کے بعد آیہ وما ینطق عن الھویٰ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

ہر وہ بات جس پر لفظ رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ آیت مذکور کی بنا پر وحی ہوگی اور ہوائے نفس سے پاک ہوگی۔ یہ بتصریح قرآن میں اس لئے کی گئی ہے کہ رسول جن لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ جان لیں کہ رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت جس وقت، جس حالت میں جو کچھ بھی کہتے تھے۔ رسول کی حیثیت سے کرتے تھے۔

(صـ۲۴۲-۲۴۳)

اس سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک رسول اللہ کی ہر بات بنا بر وحی ہوتی تھی۔ لیکن آپ (محترم عبدالغفار حسن صاحب) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کی بعض باتیں ایسی بھی ہوتی تھیں۔ جو وحی کی بنا پر نہیں ہوتی تھیں۔

کیا محترم حسن صاحب فرمائیں گے کہ اس باب میں مودودی صاحب کا ارشاد صحیح ہے یا ان (حسن صاحب) کا۔ اور اگر صحیح بات وہی ہے۔ جو محترم حسن صاحب نے لکھی ہے تو پھر جب یہی بات طلوع اسلام کی طرف سے کہی جاتی ہے تو جماعت اسلامی (بہ شمول محترم حسن صاحب) اسے "منکر حدیث" کس طرح قرار دیتی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ احادیث کے موجودہ مجموعوں سے اس امر کا پتہ کیسے لگے کہ حضورؐ نے فلاں بات بربنائے وحی ارشاد فرمائی تھی۔ اور فلاں بات آپ کے اپنے قیاس و گمان پر مبنی تھی؟ یہ تفریق نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو سکیگا کہ فلاں بات دین کا جزو ہے اور فلاں بات نہیں احادیث کے مجموعوں میں اس قسم کی کوئی علامت دی ہوئی نہیں ہے۔ اور رسول اللہ ہم میں خود موجود نہیں جو حضورؐ سے دریافت کر لیا جائے۔ ان حالات میں اسکے معلوم کرنیکی صورت کیا ہوگی۔ کیا اسکے لئے کسی "مزاج شناس رسول" کی نگاہ پر بھروسہ کیا جائیگا۔ یا کوئی اور معیار اختیار کرنا ہوگا؟ وہ معیار کونسا ہوگا؟

کیا محترم عبدالغفار حسن صاحب ان سوالات کا جواب دیں گے یا اس معاملہ کو بھی دیگر ان معاملات کی طرح جن کا ان حضرات کے پاس کوئی جواب نہیں) اللہ تعالےٰ کے حوالے کیا جائیگا۔

بزم طلوع اسلام

گولیمار۔ کراچی

ترجمان بزم طلوع اسلام گولیمار کراچی رقمطراز ہیں کہ اس ماہ میں پانچ اجتماع ہوئے جن کی تفاصیل درج ذیل ہیں۔

(۱) ۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء نووارد حضرات کے مختلف سوالات کا جواب دیا گیا۔

(۲) ۹ر ستمبر ۱۹۵۵ء ۔ "فقہ حنفی" کیا ہے پر مباحث ہوئے

(۳) ۱۶ر ستمبر ۱۹۵۵ء ۔ حرام کی ہوئی چیزوں کی جو لمبی چوڑی فہرست ہماری فقہ میں داخل ہے اس کی وجہ۔ اور یہ بتلایا گیا کہ یہ سب غیر قرآنی تصورات پر مبنی ہیں۔

(۴) ۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء "طبری کون تھے" اور ان کی لکھی ہوئی تفسیر جوامع التفاسیر کہلاتی ہے۔ در اصل کیا ہے۔ یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر غیر قرآنی اور عجمی تصورات سے بھری گئی ہے۔ اور اسی تفسیر نے (جس کا سب ایڈیشن ابن کثیر کی تفسیر ہے۔ جو اردو میں بھی آجکل دستیاب ہوتی ہے) اسلام کے سرسبز و شاداب درخت کو جڑ پیڑ سے کاٹ کر پھینک دیا علمائے کرام نے جو تفاسیر لکھی ہیں۔ ان کا ماخذ یہی تفسیر ہے۔ اور اسکے علاوہ مختلف عنوانات پر گفتگو رہی۔

(۵) ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء "الصلوٰۃ" کا قرآنی مفہوم بیان کیا گیا اور قرآن سے سیاق عبارت کی رو سے اقم الصلوٰۃ وغیرہ کا کیا مفہوم برآمد ہوتا ہے۔ واضح کیا گیا۔

گارڈن ویسٹ کی بزم سے بھی رابطہ قائم کیا گیا۔

بعض احباب کا خیال ہے کہ کراچی کے ہر محلہ میں جو بزمیں بن رہی ہیں۔ ان کا کام خاطر خواہ نہیں ہے۔ لہٰذا بہتر صورت یہ بتلائی گئی کہ کراچی میں صرف ایک ہی بزم ہو جس کا اجتماع ہر ہفتہ کسی موزوں دن ہو۔ اس بزم کا ایک یا متعدد دار المطالعہ عام ہوں جہاں پر ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کے علاوہ دوسرے اداروں کی بھی کتابیں، اخبارات اور رسائل رکھے جائیں اور جو صبح اور شام کھلے رہیں۔ کراچی کی تمام بزمیں جو اس خیال سے متفق یا غیر متفق ہوں وہ اپنی آراء سے ترجمان حلقہ گولیمار کو ۲۳۴ گولیمار کوارٹرز۔ کراچی ۱۸ کے پتہ پر مطلع فرمائیں۔

جام پور

ترجمان بزم طلوع اسلام جام پور ضلع غازی خاں تحریر فرماتے ہیں کہ ۳۰ر ستمبر ۵۵ء کو چودہری غلام محی الدین صاحب کی صدارت میں ان کے مکان پر ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مجلس اقبال (اسرار خودی کا ترجمہ) اور علامہ اسلم صاحب جیراج پوری کا مضمون "مقام حدیث" پڑھ کر سنایا گیا۔

بعدازاں چودہری صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کو مقصد زندگی بنانے اور سنجیدہ طبقہ میں ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کو عام کرنے کی کوشش کی جائے۔

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول — یہ کون جانتے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول؛ مزاج شناس کون ہیں؟ ان کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۴ صفحات ــــــــ قیمت چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ــــــــ چار روپے

فردوس گم گشتہ — (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیمیافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ــــــــ قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراج پوری) علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ــــــــ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و خلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں صفحات ۱۹۲۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے
قیمت (قسم اول) ــــــــ چھ روپے
(قسم دوم) غیر مجلد ــــــــ چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبالؒ کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ
قیمت کور کے ساتھ ــ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ــــــــ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳۔ کراچی

حقائق و عبر

مذہب اور اخلاق

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مسیحی کلیساؤں کی نیشنل کونسل نے اپنے سالنامہ میں مذہب کی مقبولیت کے متعلق بہت سے اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔ ان کی رو سے امریکہ میں ان افراد کی تعداد جو مختلف گرجوں اور معبدوں کے ممبر ہیں پونے دس کروڑ کے قریب ہے۔ یہ تعداد سال گزشتہ کی تعداد سے قریب ساڑھے ۲۶ لاکھ زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کی آبادی کا قریب ساٹھ فیصدی حصہ کلیساؤں کا ممبر ہے ایک سو سال پہلے وہاں کی آبادی کا صرف سولہ فیصدی حصہ کلیساؤں کا ممبر تھا اور سنہ ۱۹۴۰ء میں انچاس فیصدی۔

اتوار اور سبت کے اسکولوں میں قریب پونے چار کروڑ طالب علم اور اساتذہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ تعداد سال گزشتہ کی تعداد سے قریب بائیس لاکھ کے زیادہ ہے۔ گرجاؤں کے مدرسوں کے اساتذہ اور آفیسرز کی تعداد قریب تیس لاکھ ہے یہ تعداد سال گزشتہ کی تعداد سے اڑھائی لاکھ کے قریب زیادہ ہے۔ یہاں دولاکھ تیرہ ہزار کے قریب پادری ہیں۔ جو مقامی گرجوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ سال بھر میں گرجاؤں کے اجتماعات کی تعداد قریب تین لاکھ ہے۔ یہ تعداد سال گزشتہ کی تعداد کے مقابلہ میں قریب ساڑھے پانچ ہزار کے زیادہ ہے۔

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ امریکہ میں مذہب کی طرف رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سالنامہ کے ایڈیٹر ڈاکٹر ہن سن کے خیال میں اس زیادتی رجحان کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایٹم کی آنے والی تباہی سے بہت ڈرے ہوئے ہیں لیکن اس کونسل کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر بلیک نے لکھا ہے کہ اگرچہ مذہب کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ لیکن لوگوں کا اخلاقی معیار دن بدن گرتا جا رہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ مذہب کی طرف بطور فیشن آتے ہیں اس کا اپنے قلب پر کوئی اثر نہیں لیتے۔ ڈاکٹر بلیک نے یہ بھی کہا ہے کہ بجائے اس کے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ مذہب سے مفہوم یہ ہے کہ ہم خدا کی عبادت کس طرح کریں۔ وہ مذہب کو اپنے مفاد کے حصول کے لئے آلۂ کار بناتے ہیں۔ کہیں اس کے ذریعہ ملازمتوں کے حصول میں مدد لی جا رہی ہے۔ کہیں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ اس سے انسان کی صحت ٹھیک رہتی ہے اور کہیں اسے اطمینان قلب کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ جب دنیا میں صحیح معنوں میں امن موجود نہ ہو اور خود انسان کو بھی سچا اطمینان حاصل نہ ہو۔ تو اس کے لئے مذہب کے ذریعہ جھوٹے اطمینان کے فریب میں رہنا بڑی خطرناک بات ہے۔ (بحوالہ نیو یارک ٹائمز ۹/۶/۵۵)

حقیقت یہ ہے کہ مذہب (جن معنوں میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے) نہ سچا اطمینان عطا کر سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں امن قائم رکھ سکتا ہے۔ امن اور اطمینان صرف دین کے ذریعہ ممکن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی معاشرہ کو خدائی قوانین کے مطابق متشکل کیا جائے۔ یہی وہ طریق ہے جس سے انسانی اخلاق کا معیار بلند ہوتا ہے۔ اور اسی سے انسان کی ذات وہ نشو و نما حاصل کر سکتی ہے۔ جس میں سینہ کے تمام تضادات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کو حقیقی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہ دین قرآن کے علاوہ دنیا میں کہیں اور نہیں مل سکتا۔ اس لئے امریکہ کی کلیساؤں کی کونسل نے جو یہ رونا رویا ہے کہ گرجاؤں میں جانے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ لیکن ان کے اخلاق کا معیار گھٹ رہا ہے تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ ہمارے ہاں جو لوگ اس بات سے بہت خوش ہو جاتے ہیں کہ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ انھیں بھی دیکھنا چاہیئے کہ مساجد میں جانے والوں کی اخلاقی حالت کیا ہے۔ اگر وہ صحیح تحقیق سے کام لیں گے تو اسی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ان کی اخلاقی حالت بھی کچھ بلند نہیں ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ہمارے ہاں کے مذہب پرست طبقے نے بھی خدا کی "عبادت" اور دین کے معاملات کو دو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ عبادت اپنے طریق پر کر لی جاتی ہے اور معاملات اپنے انداز سے نپٹائے جاتے ہیں۔ مذہب میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ لیکن دین میں عبادت اور معاملات میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ ہر معاملہ جو خدا کے قانون کے مطابق طے کیا جائے عین عبادت بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ دین میں عبادت سے مقصد پوجا پاٹ نہیں ہوتا بلکہ خدا کے قوانین کی محکومیت ہوتا ہے۔ جب تک ہم اسلام کو مذہب کی سطح سے اٹھا کر دین کی سطح پر نہیں لاتے مذہبی رسوم و مناسک کی ادائیگی نہ ہماری زندگی کو حسین بنا سکتی ہے۔ نہ دنیا کو رہنے کے قابل۔

مزدور کا مستقبل

امریکہ کے اخبار نیو یارک ٹائمز نے اپنی پانچ ستمبر کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا ہے کہ قریب ستر سال پہلے جب امریکہ میں پہلے پہل لیبر ڈے منایا گیا تو اس وقت مزدوروں کی حالت یہ تھی کہ انھیں ہفتہ میں قریب ساٹھ گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا۔ اور ان کی اجرت قریب گیارہ ڈالر فی ہفتہ تھی لیکن آج ان مزدوروں کی حالت اس کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے انھیں کام بھی کم کرنا پڑتا ہے۔ اور اجرت بھی بہت زیادہ ملتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے فطرت کی قوتوں کو رفتہ رفتہ اس طرح مسخر کر لیا ہے کہ اب انسان کو جگر پاش مشقتیں نہیں

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط حسین جلد بہ گرد پوش۔ قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۳ صفحات ———— قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ———— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۳۸۰ صفحات ———— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ———— قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات ہیں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۰۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳۔ کراچی

اٹھانی پڑتیں۔ فطرت کی قوتوں کو غلام بنا کر انسان غلامی سے نجات پا گیا ہے۔ اور یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اب اس کے بعد کوئی دور ایسا نہیں آئے گا۔ جب بھی انسان کو انسان کا غلام بننا پڑے گا۔ یہی نہیں بلکہ مستقبل قریب میں وہ دور بھی آئے گا۔ جب دنیا میں کوئی شخص نہ غریب ہوگا نہ محتاج۔ پوری کی پوری نوع انسانی موجودہ دور کے شہزادوں سے بھی زیادہ خوشحال زندگی بسر کرے گی۔ یہ چیز مارکس کے نظریہ کے ماتحت نہیں ہوگی۔ بلکہ قوائے فطرت سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کا نتیجہ ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ قوائے فطرت کو مسخر کرنے سے انسان ان قوتوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرتا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انسان خود اپنے آپ کا اس بری طرح سے غلام بنتا جا رہا ہے کہ اس غلامی سے چھٹکارا ناممکن نظر آتا ہے۔ اہل یورپ و امریکہ جنہوں نے اس حد تک تسخیر فطرت کر لی ہے کہ خود اپنی پیدا کردہ مشکلات کے حل میں بری طرح ناکام ہیں۔ ان مشکلات کا حل قوائے فطرت کے تسخیر میں نہیں ملے گا۔ بلکہ اس میں ملے گا کہ ان قوتوں کے ماحصل کا استعمال کس طرح سے ہو۔ ان کا صحیح استعمال انسان کے اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے ماتحت کبھی وہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ جس کی تلاش میں موجودہ دور کا انسان اس قدر حیران و پریشان پھر رہا ہے۔ ان کے استعمال کا صحیح اصول وہ ہے جسے قرآن نے خدا کی صفت رب العالمینی سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی فطرت کے ان عطیات کو تمام نوع انسانی کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے عام کر دیا جائے۔ اور اس میں انسان اور انسان میں کوئی تمیز نہ رکھی جائے۔ اسی کو نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔ جس کی تشکیل قرآن کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔

لیکن یورپ اور امریکہ والے قرآن کی رہنمائی کی طرف آئیں کس طرح جب کہ قرآن کے حاملین کی اپنی حالت یہ ہو کہ وہ اپنی روٹی کپڑے کے لئے بھی یورپ اور امریکہ کے محتاج ہیں۔ دنیا کی نجات اس میں ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے کے مدعی خود اپنے ہاں اس نظام ربوبیت کو رائج کریں جس کے نتیجہ کو دیکھ کر دنیا فوج در فوج اسی طرف آجائے اور اسی طرح "زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

فتوے کس کا چلے گا

ہمارے مذہبی رہنما پاکستان میں جس قسم کا اسلامی دستور نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق طلوع اسلام میں متعدد بار لکھا جا چکا ہے کہ اس دستور کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ہر مسئلہ زیر نظر کے متعلق کتاب و سنت کی تعبیر معلوم کی جائے گی اور یہ تعبیر مختلف مذہبی فرقوں کی رو سے مختلف ہوگی۔ طلوع اسلام نے جب بھی اس حقیقت کا انکشاف کیا تو ان لوگوں کی طرف سے ہمیشہ یہ کہا گیا کہ یہ اعتراضات محض اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اس خیال کو عام کیا جائے کہ اس انداز کا اسلامی دستور ناقابل عمل ہوگا۔ اور حکومت اس سے عجیب قسم کی مشکلات میں پھنس جائے گی۔ لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ بنگال کی نظام اسلام پارٹی نے متحدہ محاذ سے جو سمجھوتہ کیا تھا۔ اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ کسی قانون یا مسودہ قانون کے بارے میں شریعت اسلامی کے مطابق یا مخالف ہونے کا فیصلہ جمعیۃ علمائے اسلام سے حاصل کیا جائیگا۔ یہ فیصلہ آخری اور ناطق متصور ہوگا۔ پچھلے دنوں جب یہ شق منظر عام پر آئی۔ تو اس کے متعلق معزز معاصر نوائے پاکستان نے اپنی ۱۰ر اکتوبر کی اشاعت میں حسب ذیل نوٹ لکھا :

> "نظام اسلام پارٹی کو یا کسی پارٹی کو بلاشبہ یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی دینی رہنمائی کے لئے علمائے دین کے جس مکتب فکر کو چاہے لازم قرار دے لے۔ لیکن پاکستان کے دوسرے دینی حلقے اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوں گے کہ آخری فتوے کا اختیار جمعیت علمائے اسلام کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو ایک خاص مکتب فکر کے علمائے کرام کی جماعت ہے۔ اس مقصد کے لئے دستور ملکی میں ایسی دفعہ بنانی پڑے گی۔ جو علمائے کرام کے متعدد مکاتب فکر سے متفقہ فتویٰ لینے کی شرط پر محمول ہو۔ مولانا اطہر علی صاحب ہر چند جمعیت علمائے اسلام کے رکن ہوں لیکن دستور میں کسی ایک جمعیت کو مفتی اعظم ہونے کا منصب تفویض نہیں کیا جا سکتا۔ کسی جمعیت، ادارہ یا ہیئت کو مفتی اعظم ہونے کا منصب سونپنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ باشندگان ملک کی اکثریت کون سے مکتب فکر کی پیرو ہے۔ اور وہ کن علمائے کرام کو مسند افتا پر بٹھانے کی متمنی ہے"

آپ نے غور فرمایا کہ ابھی دستور سازی کا آغاز بھی نہیں ہوا کہ ملک کے مذہبی فرقوں میں دو فرقوں میں ہی نہیں بلکہ ایک ہی فرقہ (اہل سنت والجماعت) کے مختلف حلقوں میں شیخ الاسلام کی مسند نشینی کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ ہمارے معزز معاصر نے کہا ہے کہ دستور میں ایک ایسی دفعہ بنانی پڑے گی۔ جو علمائے کرام کے متعدد مکاتب فکر سے متفقہ فیصلہ لینے کی شرط پر محمول ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آج یہ مختلف مکاتب فکر جن مسائل میں باہمی اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہوگا کہ ان مسائل میں ان سے متفقہ فتوے حاصل کر لیا جائے؟ اگر دستور میں اس قسم کی دفعہ رکھ دی گئی۔ تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی۔ اس میں کچھ برا ماننے کی بات نہیں۔ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہمارے مذہبی فرقوں کے علماء چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی باہم متفق نہیں ہوئے۔ پھر پاکستان میں اس قسم کے اسلامی دستور کے نفاذ سے کون سا انقلاب آجائے گا کہ یہ صدیوں کے اختلافات مٹ جائیں گے۔ اور ہمارے علماء ان مسائل کے متعلق متفقہ فتوے دیدیا کریں گے۔

یاد رکھئے اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کی ایک ہی شکل ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اپنے معتقدانہ جذبات اور تعصبات سے ہٹ کر حقائق کا سامنا کر سکیں۔ جس دن ہم میں اس کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ اس دن ہمیں یہ حقیقت بھی نظر آجائے گی کہ سنت رسول اللہ کے مطابق اسلامی دستور کی یہی شکل صحیح ہوگی کہ ہم اپنے معاملات کو قرآن کریم کی روشنی میں باہمی مشاورت سے طے کریں۔ اور اس بات کو کبھی اپنے راستے میں روک نہ بننے دیں کہ ہمارے ہاں کیا ہوتا چلا آرہا ہے؟۔

طلوع اسلام کا
آئندہ شمارہ
بتقریب عید میلاد النبی
شائع ہوگا

تحفہ دینا
اچھی بات ہے
بی پی
کی مٹھائیاں
تحفہ میں
دیجئے

عالمِ اسلامی

مغرب اقصیٰ کے مصائب کے خاتمے کی فی الحال کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ الجزائر کا مسئلہ یوں تو اقوام متحدہ میں بھی پہنچا دیا گیا ہے۔ لیکن وہاں سے کسی تصفیہ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مقامی طور پر ہنگامے جاری ہیں۔ اور فرانس فوجی قوت سے انہیں کچل رہا ہے۔ اس وقت اس ملک میں فرانسیسی فوج کی تعداد کا تخمینہ ایک لاکھ بیس ہزار کا ہے۔ اور ابھی اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ کم و بیش مزید ساٹھ ہزار کی اور ضرورت ہوگی۔ گویا نو لاکھ کی آبادی کے لئے کم و بیش پونے دو لاکھ فوج استعمال ہوگی۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ فرانس کس تشدد سے کام لے رہا ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین کا جوش و خروش کتنا زیادہ ہے۔

مراکش کی صورت حال میں بھی کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں ہوئی۔ ریجنسی کونسل کا معاملہ جوں کا توں پڑا ہے۔ اب مراکش میں آباد فرانسیسیوں نے ریجنسی کونسل کے بنانے کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ انہی کے دباؤ کا نتیجہ ہے کہ سلطان ابن یوسف کو معزول کر دیا گیا تھا اور ان کی بجائے ابن عرفہ کو تخت نشین کر دیا گیا تھا یہ تبدیلی افراد کی تبدیلی نہیں تھی۔ بلکہ اتنی اہم تھی کہ وطن پرستوں نے ابن یوسف کی واپسی کو اپنا قومی مطالبہ بنایا اب وہ بڑی مشکل سے اس پر راضی ہوئے تھے کہ ابن عرفہ کو ہٹا کر ابن یوسف کو واپس لانے کی بجائے ایک ریجنسی کونسل قائم کر دی جائے۔ لیکن ایسے نظر آتا ہے۔ کہ فرانسیسی آباد کار ان کے جذبۂ مفاہمت کو پوری طرح ٹھکرانے پر تلے ہوئے ہیں وہ اپنی ضد پر قائم ہے اور ریجنسی کونسل کو انھوں نے معرضِ وجود میں نہ آنے دیا تو صورت حال یقیناً مخدوش تر ہو جائے گی۔ رباط میں ایک چوٹی کے وطن پرست قائد نے انہی دنوں کہا ہے کہ اگر مراکش کو اندرونی خود مختاری جلدی نہ دی گئی۔ تو وہ امن کی قیمت بڑھا دیں گے۔ یہ بالکل قابل فہم ہے۔ مغرب اقصیٰ میں آزادی خواہوں نے فرانس سے غیر معمولی طور پر نرم سلوک کیا ہے۔ ورنہ فرانس کے جبر و تشدد کے پیش نظر تو انھیں مکمل آزادی کا مطالبہ کرنا چاہیئے تھا۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ مراکش کی اصلاحات کا معاملہ جلدی فیصل نہیں ہو سکے گا۔ فرانس کے موجودہ وزیر اعظم فارما کا خیال ہے کہ اگلے مہینے میں ان اصلاحات کا خاکہ تیار کر لیا جائے۔ لیکن ان کے خلاف بھی عدم اعتماد کی قرارداد پیش کر دی گئی ہے۔ اگر یہ قرارداد منظور ہو گئی۔ اور ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ تو معاملہ پھر کھٹائی میں پڑ جائیگا۔

افغانستان سے پرچم کا معاملہ خدا خدا کر کے طے ہوا تھا کہ کابل کی حکومت نے پھر ایک ڈھونگ کھڑا کر دیا ہے۔ اس مہینے کے شروع میں سردار داؤد خاں وزیر اعظم افغانستان نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ وزیر اعظم پاکستان سے ۱۴ر اکتوبر سے پہلے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کی تجویز کراچی میں ۹ر اکتوبر کو موصول ہوئی اور انھیں کہہ دیا گیا کہ وہ ۱۲ر کو یا اس کے بعد آ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں حکومت افغانستان نے لکھا کہ سردار صاحب ۱۵ر یا ۲۰ر اکتوبر کو آ سکتے ہیں انہیں کراچی سے جواب دیا گیا کہ دونوں تاریخوں میں سے ایک تاریخ پر وہ آ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں سردار صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کی ملاقات تک مغربی پاکستان کی وحدت کا منصوبہ ملتوی کر دیا جائے۔ اس کا جواب یہی دیا جا سکتا تھا کہ اب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ کراچی کے افغانی سفیر کو واپس بلایا جا رہا ہے۔ یہ انقطاعِ تعلقات کا پیش خیمہ ہو یا نہ ہو۔ اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ افغانی حکومت کی ذہنیت میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اور نہ اسکی توقع کی جا سکتی ہے۔ پرچم کے معاملہ میں افغانستان سے بڑی رعایت برتی گئی تھی۔ اور پاکستان نے انتہائی کوشش کی تھی۔ کہ افغانستان سے تعلقات خراب نہ ہوں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ افغانستان استواری تعلقات کا قائل ہی نہیں افغانستان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس پر قرون مظلمہ کی مذموم ترین ملوکیت مسلط ہے۔ جب تک یہ لعنت باقی ہے مسلمانان افغانستان کو کیا مسلمانان عالم کو اطمینان نصیب نہ ہوگا۔

معاملہ مغرب اقصیٰ کا ہو یا افغانستان کا اس کا علاج ایک اور صرف ایک ہے اور وہ ہے کہ مسلمانان عالم کا اتحاد و استحکام۔ معاہدہ بغداد اس اتحاد کا قدم اول ہے اگر اسے صحیح معنوں میں عملی شکل دے دی گئی تو یہ اتنا موثر ہو جائیگا کہ کسی ایک مسلمان کے لئے اس سے علیحدہ رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ پاکستان اور دیگر ممالک اسلامیہ کو اس نکتہ کو خصوصیت سے نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔

خط و کتابت کرتے وقت

اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف

ماہنامہ طلوع اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے پرانے طلوع اسلام کی چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام - کراچی

ایشیاٹک آپٹیکل کمپنی

آپٹیشنز

۱۳ - وکٹوریہ روڈ کراچی

۷۳ - ڈلہوزی روڈ راولپنڈی

تاریخ الامت

علامه اسلم جیراجپوری سدظله کی تاریخ کی وه بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاهوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوباره چھاپا ھے۔

قیمت حصه اول (سیرت رسول الله صلعم)
دو روپے

قیمت حصه دوم (خلافت راشده)
دو روپے آٹھ آنے

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ھے۔ باقی حصے عنقریب شائع هو جائینگے۔

اعجاز لقرآن

از علامه تمنا عمادی مدظله

جس میں مختلف جهات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ھے۔ اس کی چند اقساط ماهوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظه فرماچکے هیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ھے۔

جن حضرات کی رقم اداره کے پاس جمع ھے انهیں آرڈر دینے کی ضرورت نهیں ان کی خدمت میں یه کتاب نومبر کے پہلے هفته میں خود بهیجدی جائیگی۔ البته ان میں سے جو حضرات یه کتاب نه منگانا چاهیں وه ۳۱ اکتوبر سنه ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۲۰x۳۰/۸ ضخامت ۱۱۲ صفحات
قیمت غیر مجلد ایک روپیه آٹھ آنے علاوه محصول ڈاک

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کهتا ھے اور اقبال کا پیغام کیا ھے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

ابلیس و آدم

سب سے پهلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفهوم کیا ھے۔ ابلیس کیا ھے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ھے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

یہ ٹھیک ہے

کہ آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں وہی آئین نافذ ہو جو

قرآن کے اصولوں کے مطابق

ہو

لیکن آئین کی تسوید سے وہ معاشرہ متشکل ہوکر سامنے نہیں آجائیگا

جس کا تصور

قرآن دیتا ہے۔

قرآنی معاشرہ کیا ہے؟ وہ معاش کا جو انسان کیلئے لاینحل مسئلہ بن گیا ہے کیا حل دیتا ہے؟ وہ دنیا کے مروجہ نظاموں کے مقابلہ میں کیوں قابل ترجیح ہے؟ وہ ہماری مشکلات کو کس طرح حل کردیگا؟

یہ کچھ جاننے کیلئے دیکھئے

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

جو قرآن کے نظم معاشرت کو منضبط کرنیکی پہلی کوشش ہے

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۷ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM.

بتقریب عید میلاد النبی

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

جلد نمبر ۸
شمارہ نمبر ۳۹

کراچی :- ہفتہ
۲۹ اکتوبر
۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنے
سالانہ پندرہ روپے

As. -/6/-

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۹

صبحِ بہار — Page 3

سیرتِ مصطفٰی اور روایات — Page 12

سلیم کے نام — Page 6

حضرت رسالت مآب صلعم کی تعلیم اور سیرت کا عملی پہلو — Page 17

علمِ نبوی — Page 10

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ھے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ھے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذھبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ھی سے ھاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ھے کہ محسوس ھی نہیں ہوتا کہ ھم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ھیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ھیں جنھیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ھیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ھے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ھے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راھیں کھولدی ھیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ھے کہ ھمارا مرض کیا ھے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ھے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ھے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ھر اسلوب قرآنی آئینے میں

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸	ہفتہ	۲۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء	نمبر ۳۹

صبحِ بہار

اے ظہور تو شبابِ زندگی
جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی

جب زمین گرمی کی شدت سے تمتما اٹھتی ہے۔ تمازتِ آفتاب اس کی رگ رگ سے نمِ زندگی چوس لیتی ہے۔ آسمان کی شعلہ ریزیاں ساری فضا کو دہکتا ہوا انگارہ بنا دیتی ہیں۔ بادِ سموم کی ہلاکت سامانیاں تازگی و شگفتگی کی ہر نمود کو جھلس ڈالتی ہیں۔ پھول مرجھا جاتے ہیں شگوفوں کی گردن کے منکے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لالہ کا رنگ اڑ جاتا ہے پتیاں سوکھ جاتی ہیں۔ شاخیں پژمردہ ہو جاتی ہیں۔ لہلہاتی کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ سرو و صنوبر آفتابِ ارضی کے دود کش..... دکھائی دیتے ہیں۔ تابندہ چشمے دیدۂ کور کی طرح بے نور ہو جاتے ہیں رمز ریز ندیاں خطِ تقدیرِ محکوماں کی طرح بے آب رہ جاتی ہیں۔ زکی دہشت سے سائے کانپتے ہیں۔ راستے ہانپتے ہیں خنکی غاروں میں منہ چھپا لیتی ہے۔ ٹھنڈک سہم کر کنوؤں میں جا دبکتی ہے۔ وفورِ تپش سے سینۂ کائنات میں سانس رکنے لگتی ہے۔ جنگل کے جانور آسمانی شعلوں کی لپٹ سے کہیں پناہ نہیں پاتے۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں نرم و نازک زبانیں نکالے نڈھال ہو کر گر جاتے ہیں۔ طائرِ نگاہ تک بھی کاشانۂ چشم میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ انسان زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے مایوس ہو جاتا ہے۔ سوختہ بخت انسان کھیت کے کنارے کھڑا التجائی ہوئی نظروں سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے کہ کہیں سے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان دکھائی دے۔ لیکن اس کی خاسر و نامراد نگاہیں، حسرت بن کر اس کے ویرانۂ قلب میں لوٹ آتی ہیں۔ اس طرح جب حیاتِ ارضی کے کسی گوشے میں بھی امید کی نمی باقی نہیں رہتی، اور رب العالمین کی کائنات کے کسی کونے میں بھی زندگی کی کوئی تازگی دکھائی نہیں دیتی تو یاس و ناامیدی کے انتہائی عالم میں، مبداء فیض کی کرم گستری سے سحابِ رحمت کسان کی آنکھوں کا نور بن کر فضائے آسمانی پر چھا جاتا ہے اور اپنی جواہر پاشیوں اور گہر ریزیوں سے دامنِ ارض کو بھر پور کر دیتا ہے۔ زمینِ مردہ میں پھر سے زندگی آ جاتی ہے۔ رگِ کائنات میں نبضِ حیات پھر سے متموج ہو جاتی ہے۔ زمانے کے سینے میں رکی ہوئی سانس پھر سے زندگی کی جوئے رواں بن جاتی ہے۔ چشموں کی خشک آنکھیں شرابِ زندگی کے چھلکتے ہوئے ساغر نور بن جاتی ہیں۔ ندیوں کی بے آب لکیریں بادۂ جاں فزا کی مسیحا نفسی سے رگِ جاں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سہمی ہوئی خنکیاں غاروں سے نکل کر فضاؤں پر چھا جاتی ہیں۔ دبکی ہوئی برودتیں کنوؤں کی تہوں سے اچھل کر بساطِ ارض پر پھیل جاتی ہیں۔ خشک پتیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں میں از سرِ نو تازگی و شگفتگی آ جاتی ہے۔ شگوفے چٹکتے ہیں۔ کلیاں مہکتی ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے لطیف و لطیف جھونکے سرسبز و شاداب درختوں کی شاخوں میں لچک اور پھولوں میں یوں جنبش پیدا کر دیتے ہیں گویا ——

بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

ہر طرف ایک نئی زندگی، اور ہر سمت ایک حیاتِ تازہ، جھومتی مسکراتی مچلتی، لوٹتی، ایک ایسی جنت نگاہ بن جاتی ہے جس کی ہر روش میں ستاروں کے چشمے ابلتے اور ہر تختے میں قمقموں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ (۴۲/۲۸)

اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحابِ کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساطِ رحمت کو صفحۂ ارض پر بچھا دیتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ (۷/۵۷)

وہی کی ذات ہے جو زمین کے جھلس جانے کے بعد، ان ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کو بھیجتی ہے جو اس کے ابرِ کرم کی پیشوائی میں ایک حیاتِ نو کی بشارت دیتی ہیں۔ پھر وہ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا لاتی ہیں جن سے ہم اجڑی ہوئی بستیوں کو سیراب کرتے ہیں اور زمینِ مردہ سے طرح طرح کے پھل اگاتے ہیں۔

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۳۰/۵۰)

پس اگر تم آنکھوں میں بصارت کے ساتھ بصیرت بھی رکھتے ہو تو اللہ کے ان آثارِ رحمت کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔

یہ فطرت کا نظام ہے۔ یہ اس کا قانون ہے جس کے

اس شمارے میں

صبحِ بہار
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است
اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
بحضور رسالت مآب (صلعم)
سلیم کے نام
علمِ نبوی
سیرتِ مصطفیٰ اور روایات
حضرت رسالتمآب کی تعلیم

قوانین اٹل اور جس کے آئین غیر متبدل ہیں۔ یہ اس کا قاعدہ ہے جس کے قواعد وضوابط میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی، کہ تبدیلیاں زمان ومکان کے اثرات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس کی ذات زمان و مکان کی قیود سے ماورا اور ان کے اثرات سے بے نیاز ہے۔

لیکن ان مادی تشبیہات و استعارات سے ہٹ کر ذرا دنیائے انسانیت کی طرف آئیے اور دیکھئے کہ وہاں بھی یہی اصولِ فطرت کس طرح کارفرما اور یہی آئینِ مشیت کس طرح عمل پیرا ہے۔ یہ مادی تشبیہات و استعارات بھی درحقیقت اسی مقصد کے لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ انسان ان محسوسات کی راہوں سے ان مجرد حقیقتوں کی طرف آئے اور جو کچھ عالمِ آفاق میں ہو رہا ہے اس سے عالم انفس پر دلیل لائے۔ تاریخ کے اوراق سے پوچھئے کہ اس کی ایک ایک یادداشت اس کی شہادت دے گی کہ اس وقت عالمِ انسانیت کی خشک سالی اس سے کہیں زیادہ شدید و مہیب تھی جس کا تشبیہی ذکر اوپر آچکا ہے اس وقت شجرِ زندگی کی ہر شاخ سے بھی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب و تمدن کے پھول، وحشت و بربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہرِ انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب و اخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت و سراسیمگی کے عالم میں خاسر و نامراد انسان اِدھر اُدھر مارا پھرتا تھا۔

لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس و نا امید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ متیٰ نصر اللہ! یہ وقت تھا کہ فطرت کے اس اٹل قانون کے مطابق جس کی طرف شروع میں اشارہ کیا جا چکا ہے، اس افسردگی و پژمردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا جاتا۔ چنانچہ اس کے لئے اس ربِ ذوالمنن کا سحابِ کرم، زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لئے۔ ربیع الاول کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا۔ اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزۂ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہو گئی۔ اعمالِ صالحہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی و سرکشی کی بادِ سموم، عدل و احسان کی جاں بخش نسیمِ سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مستوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کے زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بخت بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذاتِ اطہر و اعظم کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی۔ جو عالمِ موجودات کے سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔ جس سے شرف و مجدِ انسانیت کی تکمیل ہو گئی۔ جو علم و بصیرت کے اس اُفقِ اعلیٰ پر جلوہ بار ہے جہاں عقل و عشق، فکر و نظر، دنیا و دین، توسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں، جو دانشِ نورانی و حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے، جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آجاتی ہیں۔ اس مقدس ساعت پر آسمان نے خوش بختی زمین کی بارگاہِ عالیہ میں جھک جھک کر ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کیا۔ تو امیں فرشتے نے "جنت سے نکالے ہوئے ابن آدم" کے اس طالعِ بیدار کا تقدیس و تمجید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیائے طاغوتی قوتوں کے تختِ الٹ کر دہ آنے والا آ گیا۔ جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتشکدہ کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ چکہ اب انسانی تصورات کی دنیا نار کی جگہ نور سے معمور ہو گئی۔ دنیا کے صنم کدوں کے بت پاش پاش ہو گئے کہ اب مسلکِ ابراہیمی کی تکمیل کا دور آ گیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جا کر منہ چھپا لیا کہ اب جور و استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے روپوش ہونے کا وقت آ گیا۔ دنیائے باطل کی تاریکیاں دور ہو گئیں کہ آج اس آفتابِ عالمتاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے "جگمگاتا چراغ" کہہ کر پکارا۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا۔ وہ آنے والا جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا کہ وَ یَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ (۷:۱۵۷) جب وہ آیا تو اس نے ان تمام اغلال و سلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا۔ جن میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آرہی تھی۔ احبار و رہبان کی برہمنیت کے اطواق و سلاسل، قیصر و کسریٰ کی زنجیریں، توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں، تقسیمِ انسانیت کے انسانیت کش نسلی و جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار، سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے۔ اور پابندِ قفس طائرِ لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں اذنِ بال کشائی عطا ہوا۔ اور انسان ایک مرتبہ پھر زمین پر سر اونچا کر کے جینے کے قابل ہو گیا۔ آدمیت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ مل گئی۔ عقل کو عشق کا جنون اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو شکوہِ خسروی اور پادشاہی کو استغنائے قلندری عنایت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامی کہ

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی (۳۰:۵۰)

اس طرح وہ دلوں کی مردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔

(پرویز) (معراجِ انسانیت)

بہارِ صبحِ وجود ﷺ

وُہ رازِ خلقتِ ہستی، وُہ معنیٔ کونین
وُہ جانِ حسنِ ازل وُہ بہارِ صبحِ وجود
وُہ آفتابِ حرم نازنینِ کنجِ حرا
وُہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود
وہ سرورِ دو جہاں وُہ محمدِ عربی
بروحِ اعظمِ و پاکش درودِ لا محدود

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ

از دمِ سیرابِ آں اُمّی لقبؐ — لالہ رُست از ریگِ صحرائے عرب
او دلے در پیکرِ آدم نہاد — او نقاب از طلعتِ آدم کشاد
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد — مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد
ہر خداوندِ کہن را او شکست — ہر کہن شاخ از نمِ او غنچہ بست
عقل را او صاحبِ اسرار کرد — عشق را او تیغِ جوہر دار کرد
از کلیدِ دیں درِ دُنیا کشاد — ہمچو او بطنِ اُمِّ گیتی نزاد

دینِ او آئینِ او تفسیرِ کُل
در جبینِ او خطِ تقدیرِ کُل

بحضور رسالتمآبؐ
(غالب)

اے آنکہ چشم در رہت از موجِ ہر غبار
فردوس را بدام نگہ می کند شکار
تقدیر از وجودِ تو شیرازہ بستہ است
مجموعۂ مکارمِ اخلاقِ کردگار
توفیق در زمانِ تو ترتیب دادہ است
فرہنگِ آفرینش بشرحِ رموزِ کار
ہم گوہرِ ترا بفروغِ خود آبرو
ہم صانعِ ترا بوجودِ تو افتخار
در بین کردہ اند بپائے تو آئینی
در بذل دادہ اند یمینی ترا یسار
جنّت بکارگاہِ ولائے تو خلد باف
رضوان بہ بارگاہِ رضائے تو پیشکار
بے خصبِ ولائے تو طاعات مدعی
بیہودہ ہم چو کوششِ دہقاں بشورہ زار
بے عشرتِ رضائے تو اوقاتِ زندگی
تنگ و تبہ چو دیدۂ مور و دہانِ مار
می خواستم کہ شاہدِ مدحِ ترا کنم
دامان و جیب پُر ز گہر ہائے شاہوار
در پیچ و تابِ عرضِ جنونِ شمارِ شوق
ابیات راز صد برسانم بصد ہزار
ہر لفظ را لطافتِ نیر آرم ہزار جا
ہر پردہ را بنولہ سنجم ہزار بار
تا کسوتِ وجودِ شب و روز را بدہر
از تابِ مہر و پرتوِ ماہ است پود و تار
تا سینہ راست نالہ در اندازِ کاو کاو
تا دیدہ راست جوشِ نگہ ساز خار خار
تا سجدہ راست در رہِ حق مژدۂ قبول
تا عذر راست بر درِ بخشش نوید بار
تا شاخ را ز عیش بود غنچہ خندہ ریز
تا ابر را ز شوق بود دیدہ اشکبار
بادا محیطِ نور ز فیضِ تو موج زن
بادا بنائے دہر ز شرعِ تو استوار
عزمِ مجاہدانِ تو با چرخ ہم عناں
سعیِ موافقانِ تو با خلد ہم کنار
آنرا کہ بردہ اُلفتِ گیسوئے تو بخاک
سنبل دمد ز جیبِ سوادِ شبِ مزار

واں را کہ بر خلافِ تو رفتہ است در لحد
دودی بر آورند ولیکن ہم از دمار

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا

خیز و قانونِ اخوّت ساز دہ — جامِ صہبائے محبّت باز دہ
باز در عالم بیار ایامِ صلح — جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح
شورشِ اقوام را خاموش کن — نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
باز ایں اوراق را شیرازہ کن — باز آئینِ محبّت تازہ کن
رہرواں را منزلِ تسلیم بخش — قوّتِ ایمانِ ابراہیم بخش
نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی — کاروانِ زندگی را منزلی

سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر
از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

سلیم کے نام

(عیدِ میلاد النبیؐ)

پرویز

سلیم بیٹا! اللہ تمہیں خوش رکھے اور تمہارے ذوقِ قرآنی میں برکت عطا فرمائے رفتہ رفتہ تمہاری نگاہ کس قدر صاف اور تمہاری بصیرت کس قدر نورانی ہوتی جاتی ہے۔ قرآن کو غور و فکر سے سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ وہ خود نور (روشنی) ہے اور انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے تمہیں ایک مرتبہ پہلے بھی لکھا تھا[1] اور جو غالباً شروع ۱۹۵۳ء کا ذکر ہے، میرے نزدیک دنیا کے لئے جشنِ مسرت کی تقریبات دو ہی ہیں۔ ایک نزولِ قرآن کی عید اور دوسری عید میلاد النبیؐ اور یہ دونوں تقریبات بھی ایک ہی سکہ کے دو رخ اور ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں، اس لئے کہ نہ رسول اللہؐ کو قرآن سے الگ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قرآن کو رسول اللہ سے الگ۔ قرآن، قلبِ محمدیؐ پر نازل شدہ وحی خداوندی کا نام ہے اور رسول اللہ قرآنی سیرت کے درخشندہ پیکر۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے صرف احکام و قوانین ہی عطا نہیں کئے۔ بلکہ سیرت محمدیہ کے اصولی گوشوں کو بھی اپنے دامن میں محفوظ کر لیا ہے۔

تم نے پوچھا یہ ہے کہ رسالت محمدیہ کا مقصود کیا ہے؟ اس نے نوعِ انسانی کو کیا دیا ہے؟ اس کا وہ کونسا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے حضورؐ کا اسمِ گرامی، محسنینِ عالمِ انسانیت کی فہرست میں سرِ عنوان چمکتا دکھائی دیتا ہے؟ اس سوال کے تفصیلی جواب میں تو ضخیم مجلدات لکھی جا سکتی ہیں (اور خود میری کتاب "معراجِ انسانیت" بھی اسی سوال کے جواب کی کوشش نا تمام ہے) لیکن قرآن نے ان تمام تفاصیل کو جس حسن و خوبی سے ایک فقرہ میں سمٹا کر رکھ دیا ہے۔ جب نگہِ بصیرت اس پر غور کرتی ہے تو اس پر والہانہ وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سورۂ اعراف میں بعثتِ محمدیؐ کی غایت و مقصود کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے کہ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۷/۱۵۷)

وہ نوعِ انسانی کے سر سے تمام بوجھ اتار کر رکھ دے گا جس کے نیچے وہ دبی ہوئی چلی آ رہی ہے اور ان تمام زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں وہ جکڑی ہوئی ہے۔ یہ ہے سلیم! بعثتِ محمدیہؐ کی وہ عظیم غایت جسے قرآن نے اس ایجاز و اختصار سے ان چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ تم اگر غور کرو گے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ رسالتِ محمدیہ ایک حدِ فاصل ہے زمانۂ قدیم اور دورِ جدید میں۔ اس سے پہلے کی انسانی تاریخ دراصل ایک مسلسل داستان ہے ان گراں بار سلوں کی جن کے نیچے انسانیت بری طرح دب رہی تھی اور ان اطواق و سلاسل کی جن میں اس کا بند بند جکڑا ہوا تھا بایں ہمہ کہ وہ اپنی مرضی سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ زنجیریں وہ تھیں جن میں انسان کا دل اور دماغ دونوں ماخوذ تھے ان سے نہ اس کے ذہن میں صحیح فکر پرورش پا سکتی تھی اور نہ ہی اس کے سینے میں حسین و خوشگوار جذبات کی بالیدگی ممکن تھی۔ قصۂ بنی اسرائیل میں دیکھو۔ قرآن نے ان مسیطرانِ نوعِ انسانی کا تذکرہ کس شرح و بسط سے کیا ہے۔ جو انسانی قلب و دماغ پر بری طرح مسلط رہے ہیں۔ فرعون استبداد و ملوکیت کا مجسمہ (کہ جس کا نام آج تک بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے)؛ ہامان مذہبی پیشوائیت کی دسیسہ کاریوں کا نمائندہ (جس کی سحر کاری کی بنیاد پر قصرِ فرعونیت استوار تھا) اور قارون۔ سرمایہ داری کی لعنت کا نمائندہ (جس نے خود اپنی قوم کے لہو کا آخری قطرہ تک چوس لیا تھا)؛ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے ہر سنگِ گراں انسانیت کی ہڈیاں توڑ دینے کے لئے کافی تھا۔ لیکن جس انداز سے مذہبی استبداد اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو رہا تھا اس کی مثال دوسرے شعبوں میں بھی نہیں مل سکتی تھی۔ رسالتِ محمدیہ کا سب سے بڑا معرکہ آرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فکرِ انسانی کو ان زنجیروں سے آزاد کیا۔ اس مقام پر شاید تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اسلام تو خود ایک مذہبی تحریک (RELIGIOUS MOVEMENT) ہے، اس لئے اس نے انسان کو "مذہب" کے شکنجہ سے کس طرح چھڑا دیا؟ اگر کوئی دہریہ (ATHEIST) یہ کہے کہ میں نے فکرِ انسانی کو مذہب کی گرفت سے آزاد کرایا ہے تو اس کا یہ دعوٰے قابلِ فہم ہوگا۔ لیکن ایک مذہبی تحریک کا یہ دعوٰی کس طرح قابلِ پذیرائی سمجھا جا سکتا ہے؟ تمہارے دل میں اس خیال کا پیدا ہونا بجا ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ یہ مقام ذرا مشکل ہے۔ اس لئے اسے غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مذہب کی دنیا میں بنیادی تصور خدا کا ہے۔ اس تصور کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ کسی قوم میں جس قسم کا خدا کا تصور ہوگا اس کے مطابق اس قوم کی تہذیب و معاشرت اور ذہنیت اور نفسیاتی کیفیت ہوگی (خدا کے صحیح تصور کے متعلق میں کسی سابقہ خط میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ اس وقت اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ) رسالتِ محمدیہؐ سے پہلے، مذاہب کی دنیا[2] میں خدا کا تصور ایک مستبد اور مطلق العنان حکمران کا سا تھا۔ جو نہ کسی قاعدے کا پابند تھا نہ قانون کا۔ جس کے ہاں نہ کوئی آئین تھا نہ دستور۔ وہ جو جی میں آئے کرتا تھا اور جس قسم کا جی چاہے حکم دے دیتا تھا۔ دنیا کے عام شہنشاہوں کی طرح اس کی بھی یہ کیفیت تھی کہ (سعدیؒ کے الفاظ میں)

(گلہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت بخشند)

اس کے ہاں سے اپنے عمل کی بنا پر بطور استحقاق کچھ طلب کرنا تکبر و نخوت سمجھا جاتا تھا اس لئے کہ وہ جسے کچھ دیتا تھا اپنی خوشی سے بطورِ احسان دیتا تھا۔ لہٰذا انسان کی ہر وقت کوشش یہ رہتی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح خدا کو خوش رکھے (انسانی بادشاہوں کی طرح) اسے خوش کرنے کے لئے کبھی اس کی شان میں حمد و ستائش کے قصیدے پڑھے جاتے تھے اور کبھی اس کے حضور گڑگڑا کر رحم کی درخواستیں گزاری جاتی تھیں۔ کبھی اس کی بارگاہ میں نذرانے پیش کئے جاتے تھے اور کبھی اسے قربانیوں سے خوش کیا جاتا تھا۔ پھر دنیاوی بادشاہوں کی طرح، خدا کا دربار بھی ہوتا تھا جس میں "مقربین" اس کے گرد و پیش بیٹھے تھے۔ باہر حاجب و دربان ہوتے تھے۔ لہٰذا عام انسان کے لئے اس تک براہ راست پہنچنا ناممکن تھا۔ اسے خدا تک اپنی بات پہنچانے کے لئے وسیلے ڈھونڈتے پھرتے اور سفارشیوں کی تلاش کرنی پڑتی تھی۔ یہ سفارشی وہ مقرب تھے جو خدا کے دربار میں موجود رہتے تھے ان کی سفارش سے عوام کے کام نکلتے تھے۔ عوام کو ان کی سفارش حاصل کرنے کے لئے بھی بہت کچھ کرنا پڑتا تھا۔ غرضیکہ اس قسم کا خدا اور اس کے یہ تمام مقربین، انسان کے لئے مستقل ہولیے رہتے تھے۔

تم غور کرو سلیم! کہ اگر کسی ذی احساس انسان کو اس قسم کے بادشاہ کے زیرِ حکومت چار دن بھی گزارنے پڑیں تو اس کی حسِ انسانیت کا حشر کیا ہوگا؟ اور اگر اسے دنیا کی پوری زندگی اور اس کے بعد کی زندگی دونوں اس قسم کے خدا کی حکومت میں بسر کرنی پڑے جس میں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہے کہ

اب چھری صیاد نے لی — اب قفس کا در کھلا

تو اس میں اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ یہ تھیں وہ ناقابلِ برداشت پتھر کی سلیں جن کے نیچے انسانیت دبی چلی آ رہی تھی۔ اور یہ تھیں وہ استخواں شکن زنجیریں جن میں انسان جکڑا ہوا تھا۔ رسالتِ محمدیہؐ نے آکر خدا کا ایسا تصور دیا جس سے مجبور و مقہور انسان ان تمام اغلال و سلاسل سے آزاد ہو کر شرفِ انسانیت سے ہم آغوش ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ بیشک خدا، لا انتہا قوتوں کا مالک اور اپنے ارادے اور فیصلے میں مختارِ مطلق ہے۔ لیکن اس نے نظم و نسقِ کائنات اور انسانی

---

[1] مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت ستمبر ۱۹۵۳ء

[2] اس سے مراد وہ تصور ہے جو مذاہب میں رائج تھا ورنہ حضرات انبیائے کرام نے خدا کا صحیح تصور ہی دیا تھا۔ ان کی تعلیم میں تحریف کی وجہ سے یہ صحیح تصور باقی نہیں رہا تھا۔

سعی و عمل کے نتائج کے لئے ایسے اٹل قوانین بنا دیئے ہیں جن میں کہیں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲۵/۲) اس نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کے لئے پیمانے مقرر کر دیئے۔ یہ "قَدر" یا پیمانے ہی ہیں جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں قانون (LAW) کہا جاتا ہے (قانون یا LAW سے مراد وہ قانون نہیں جس کی عدالتوں میں مٹی پلید ہوتی ہے۔ بلکہ وہ قانون جس کے مطابق کارگہِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے) قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۶۵/۳) یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے ہر شے کے لئے ایک قانون بنا دیا ہے۔ لہذا یہاں کسی مستبد حاکم کی مطلق العنانی کارفرما نہیں۔ یہاں ہر کام قاعدے اور قانون اور آئین و دستور کے مطابق ہوتا ہے۔ جسے ہم "امر اللہ" یا خدا کا حکم کہتے ہیں۔ خود اس کے لئے بھی قانون مقرر ہے۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (۳۸/۳۳)۔ ظاہر ہے سلیم! جہاں ہر کام قانون کے مطابق سرانجام پاتا ہو وہاں نہ کسی کی خوشامد درآمد کی ضرورت ہوتی ہے نہ رشوت اور نذر لانے کی۔ وہاں نہ کسی وسیلے کی احتیاج ہوتی ہے نہ کسی سفارشی کی تلاش وہاں نہ کسی سے بے انصافی ہوتی ہے۔ نہ کسی کی رُو رعایت اس اندازِ حکومت میں، لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (۲/۴۸) پھر یہ قانون بھی اس طرح نتیجہ خیز ہوتا ہے جس طرح سنکھیا کھانے سے ہلاکت اور پانی پینے سے پیاس کی تسکین ہو جاتی ہے۔ اس میں نہ کسی عدالت میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے نہ کورٹ فیس لگانے کی حاجت نہ گواہ بلانے کا مطالبہ ہوتا ہے نہ دستاویزیں پیش کرنے کا تقاضا۔ ادھر عمل سرزد ہوا ادھر اس کا نتیجہ مرتب ہونا شروع ہو گیا اور اس بات کا انسان کو اس کا اختیار دیدیا گیا کہ وہ جس قسم کا چاہے عمل کرے۔ جونسا راستہ جی میں آئے اختیار کرے۔ جو رستہ وہ اختیار کرے گا اس کے مطابق منزل سامنے آجائے گی۔

سوچو سلیم! کہ اس قسم کی فضا میں انسان کو کس قدر حریت اور آزادی نصیب ہوتی ہے اور اس کی پیشانی میں سربلندیوں اور سرفرازیوں کے کتنے عظیم مرتبے جھلک اٹھتے ہیں۔ اس میں قانون کی اطاعت کرنی ہوگی اور بس۔ اس میں کسی فرد کی غلامی اور محکومی کا سوال ہی نہیں ہوگا۔ نہ ہی وہ تذبذب اور اضطراب جو مستبد شہنشاہ قسم کے "خدا" کے تصور کے تحت ہر وقت سینۂ آدم میں آتشِ خاموش کی طرح سلگتا رہتا تھا کہ معلوم وہ کس بات سے ناراض ہو جائے اور اس کا نتیجہ کیا ہو؟ اب ہر شے کے پیمانے مقرر ہیں۔ ان پیمانوں (قوانین) کا علم حاصل کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں عمل کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد آپ کا ہر قدم حتم و یقین کے ساتھ اٹھے گا اس حتم و یقین کے ساتھ کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے جس قانون کا سررشتہ ہم نے تھاما ہے وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ تمہیں سلیم! وہ رستے کا پل (Rope-way) یاد ہے جس میں پنگوڑا لٹکا کر اس میلوں گہری کھڈ کو عبور کیا کرتے تھے۔ جب وہ پنگوڑا عین بیچ میں جاتا تھا اور نیچے کھڈ کا بھیانک۔ اندھیرا نظر آتا تھا تو وہ سماں کس قدر ہولناک ہوتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہم لوگ کس ہنسی خوشی سے اِدھر سے اُدھر آیا جایا کرتے تھے۔ یہ اطمینان کس چیز سے حاصل تھا؟ صرف اس سے کہ اس کا رستہ اس قدر مضبوط ہے کہ وہ کبھی ٹوٹے گا نہیں۔ وہ درمیان میں جا کر دھوکا نہیں دے گا۔ بس ایسا ہی اطمینان اس قانون کی اطاعت سے ہوتا ہے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ کبھی دغا نہیں کرے گا کبھی ٹوٹیگا نہیں۔ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا (۲/۲۵۶) جس نے ہر غیر خداوندی قانون سے منہ موڑ کر صرف قانون خداوندی پر بھروسہ کر لیا تو اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور پھر اس "قانون کی اطاعت" پر بھی کسی تھانیدار کے حکم کی اطاعت نہیں بلکہ ایک ڈاکٹر کی ہدایات کی تعمیل ہے۔ اسے درحقیقت نہ حکم کہا جا سکتا ہے نہ اس کی تعمیل کو اطاعت یا فرماں پزیری۔ جو ان ہدایات کی تعمیل کرے گا وہ بیماری سے محفوظ رہے گا۔ جو ان کے خلاف جائے گا، اس کی صحت تباہ ہو جائے گی۔ فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲/۳۹)

کائنات میں قانون کی کارفرمائی کے تصور نے ہر قسم کی توہم پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں کوئی حادثہ یونہی ہنگامی طور پر رونما نہیں ہوتا بلکہ سلسلۂ علت و معلول (CAUSE AND EFFECT) کے مطابق ہوتا ہے۔ اس حقیقت نے ہر ذہن کو دعوتِ غور و فکر دی اور اس طرح، خدا کے اس صحیح تصور سے سائنٹفک دور کا آغاز ہو گیا اور علم انسانی کے لئے تحقیق و کاوش کے لاانتہا راستے کھل گئے۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ خدا کے تصور میں اس بنیادی تبدیلی سے رسالتِ محمدیہ نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اس کے قلب و اذہان سے کس کس قسم کا بوجھ اتار کر اسے صحیح انسانیت کی آزادی عطا کر دی۔

مذہب کی دنیا میں خدا کے بعد رسول کا درجہ آتا ہے۔ رسالتِ محمدیہ سے پہلے، اقوامِ عالم نے اپنے اپنے مذہب کے بانیوں کو انسانی سطح سے اٹھا کر، خدائی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ ہندو اپنے رشیوں کو پرمیشور کا اوتار مانتے تھے۔ زرتشتیوں کا پیغمبر خود خدا مانا جاتا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا ہی نہیں بلکہ خدائی میں تیسرے حصے کا شریک قرار دے رکھا تھا۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیز علم و حقیقت کے خلاف تھی، ذہن انسانی پر اس کا اثر یہ تھا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ بڑے بڑے کارنامے جو ان سے سرزد ہوئے دوسرے انسانوں سے عمل میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ وہ مافوق البشر قوتوں کے حامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ اقوام، اپنی نشاۃِ ثانیہ (تازہ حیاتِ قومی) کے لئے

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراجِ انسانیت (از پرویز) سیرتِ صاحبِ قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر' نئے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط حسین جلد مع گرد پوش قیمت ...

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۷۰ صفحات ——— قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستور پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے سات اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ اُمت (از پرویز) مسلمانوں کی چودہ سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات ہیں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دورِ آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۰۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ۔ کراچی

کسی مافوق البشر "آنے والے" کا انتظار کرتی تھیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ کام ہم لوگوں سے ہو ہی نہیں سکتا۔ تم سمجھتے ہو سلیم! کہ اس عقیدہ کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ قومیں فکر اور عمل دونوں اعتبار سے قامتِ انسانیت (HUMAN STATURE) تک پہنچ ہی نہ سکیں ان کے اعصاب پر ہر وقت جذبۂ مرعوبیت (INFERIORITY COMPLEX) سوار رہتا تھا جو ان کے مضمر جوہروں میں بالیدگی پیدا ہی نہیں ہونے دیتا تھا۔

رسالتِ محمدیہ نے آکر اعلان کیا کہ انا بشر مثلکم۔ یوحیٰ الی "اس خصوصیت کو چھوڑ کر کہ نبی کو خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے، وہ تمہارے ہی جیسا انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا (وحی کے علاوہ) جو انقلاب اس نے برپا کیا تھا وہ تم بھی کر سکتے ہو۔ اس کے لئے کسی مافوق البشر قوت و استعداد کی ضرورت نہیں۔ رسول کی زندگی تمہارے لئے اس اعتبار سے نمونہ بنتی ہے کہ جو کچھ اس نے کیا تھا وہ تمہارے لئے ناممکن الحصول یا ناممکن العمل نہیں۔ تم نے غور کیا سلیم! کہ رسول کے تصور میں اس تبدیلی نے انسان کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر کس طرح آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا؟ لیکن رسالتِ محمدیہ تو اس سے بھی ایک قدم آگے چلی گئی۔ اس سے پہلے انسان اپنے عہدِ طفولیت میں تھا۔ جہاں اسے قدم قدم پر کسی انگلی پکڑنے والے کے سہارے کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں انبیاء کا سلسلہ پیہم و متواتر جاری رہا۔ لیکن رسالتِ محمدیہ نے اعلان کر دیا کہ اب سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے اتنا دیکھتے ہوئے کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ جائے جو وحی نے عطا کئے ہیں اور جو اب قرآن کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ انسانیت کی تاریخ میں ختمِ نبوت کا اعلان ایک بہت بڑا انقلاب ہے۔ اس سے انسانی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور یہ اعلان (معاذ اللہ) کسی منکرِ نبوت کی طرف سے نہیں ہوا۔ ختمِ نبوت کا اعلان خود زبانِ نبوت سے ہوا ہے۔ یہ اعلان ہے اس حقیقت کا کہ اب انسان سنِ شعور کو پہنچ گیا ہے اور اسے صرف اتنی راہ نمائی کی ضرورت ہے کہ ہر دوراہے پر معلوم ہو جائے یہ راستہ کس طرف جاتا ہے اور وہ راستہ کس سمت کو۔ تم نے غور کیا سلیم! کہ رسالتِ محمدیہ نے اس باب میں بھی کس قدر حریتِ فکر و عمل اور خود اعتمادی و خود فیصلگی عطا کی ہے؟

مذہب کی دنیا میں تیسری چٹان یا زنجیر (زنجیر کیا پورے کا پورا جیل خانہ!) پیشوائیت کی لعنت ہے (جسے انگریزی میں (PRIESTHOOD) ہندوؤں کے ہاں برہمنیت، اور ہمارے ہاں ملائیت کہا جاتا ہے)۔ یہ وہ زنجیریں ہیں جو انسان کو ایک قدم بھی اپنی مرضی سے اٹھانے نہیں دیتیں۔ یوں بیٹھو۔ یوں اٹھو۔ یوں سوؤ۔ یوں جاگو۔ یوں چلو، یوں پھرو۔ یوں کھاؤ یوں پیو۔ دایاں پاؤں ادھر رکھو بایاں اُدھر۔ سیدھا ہاتھ یوں اٹھاؤ اُلٹا یوں۔ پوری کی پوری زندگی ایک مستبد ڈکٹیٹر کی (REGIMENTATION) بنادی جاتی ہے۔ سوچو سلیم! کہ انسانیت پر یہ بوجھ کس قدر گراں اور یہ زنجیریں کیسی استخواں شکن تھیں۔ رسالتِ محمدیہ نے ان تمام زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا اور کہدیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی قوت حائل نہیں ہو سکتی۔ قانون کی اطاعت میں پیشوائیت کا کیا کام؟

اس سے آگے بڑھئے تو مذہب کی دنیا میں "نجات" کا تصور سامنے آتا ہے۔ اسے درحقیقت مذہب کا مقصود و منتہیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ خود لفظِ نجات اس کی غمازی کرتا ہے کہ انسان کسی جیل خانے میں محبوس یا سخت زنجیروں میں مقید ہے اور ان زنجیروں سے رہائی حاصل کرنا نجات ہے۔ رسالتِ محمدیہ نے اس کا اعلان کیا کہ نجات کا یہ تصور غلط ہے۔ انسان کسی مصیبت میں گرفتار نہیں کہ اسے اس سے نجات دلائی جائے۔ اسے کچھ قوتیں اور صلاحیتیں دی گئی ہیں اور ممکنات کی ایک وسیع دنیا اس کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ اس کے بعد اس سے کہہ دیا گیا ہے کہ یہ اپنی سعی و عمل سے جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے کرے۔ جو جس قدر نتائج حاصل کرے گا، اتنا ہی کامیاب و کامران ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے زندگی کا مقصود نجات کی بجائے فلاح و فوز قرار دیا ہے۔ فلاح کے معنی ہیں کھیتی کا پروان چڑھنا، مجنوں کا ثمربار ہونا۔ اور فوز کے معنی ہیں (ACHIEVEMENT) ان صلاحیتوں کی نشوونما جن سے زندگی اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جائے۔ تم نے غور کیا سلیم! کہ رسالتِ محمدیہ نے بیک جنبش ان محکم زنجیروں کو کس طرح تارِ عنکبوت بنا کر رکھ دیا!

مذہب کی دنیا سے آگے بڑھ کر معاملات کی دنیا میں آیئے تو ملوکیت کا استبداد نوعِ انسانی کے سر پر ہمالیہ سے زیادہ گراں بار پہاڑ تھا جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ رسالتِ محمدیہ نے نوعِ انسانی کو یہ انقلاب آفریں پیغام دیا کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے۔ انسانوں کو اپنے معاملات قوانینِ خداوندی کی روشنی میں باہمی مشاورت سے طے کرنے چاہئیں جو ان میں سے ان قوانین و ضوابط کی نگہداشت سب سے زیادہ کرتا ہے۔ وہ ان میں سب سے زیادہ واجب التکریم ہے۔

ملوکیت کی غلامی سے بھی زیادہ کرب انگیز اور انسانیت سوز غلامی، اقتصادی غلامی (ECONOMIC SLAVERY) ہے۔ نوعِ انسانی اس قدر مدتِ مدید سے اس غلامی میں مأخوذ چلی آرہی تھی کہ غلاموں کو اپنی غلامی کا احساس تک بھی باقی نہیں رہا تھا۔ رسالتِ محمدیہ نے آکر اعلان کیا کہ خدا نے زمین کے دسترخوان پر رزق کو اس لئے بکھیر رکھا ہے کہ اس سے تمام نوعِ انسانی کی پرورش ہو سکے۔ لہٰذا کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ رزق کے سرچشموں پر ذاتی قبضہ جمائے۔ یہ معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں اور معاشرہ کو تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہونا چاہیئے۔

اس مقام پر سلیم! ممکن ہے تمہارے دل میں ایک سوال پیدا ہو جس کا جواب ضروری ہے۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب کوئی قوم رزق کی طرف سے مطمئن ہو جائے تو اس کے قوائے عملیہ مفلوج ہو جاتے ہیں اور وہ رفتہ رفتہ زندگی کی حرارت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اگر قرآنی نظام کے ماتحت، افرادِ معاشرہ کو حصولِ رزق کی کشمکش سے نجات دلا دی جائے تو کیا ان کی بھی یہی حالت نہ ہو جائے گی؟ یہ اعتراض بڑا معقول نظر آتا ہے اور تاریخ اقوامِ انسان کو اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ لیکن سلیم! اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کا مقصود صرف حصولِ رزق رکھا ہے۔ اس کے نزدیک زندگی حیاتِ طبعی کا نام ہے اور جب اسے اس زندگی کی بقا کا سامان (رزق) میسر آجائے تو اس کے بعد اس کے سامنے کوئی ایسا مقصد نہیں

سالمارین
دردوں کیلئے
گٹھیا، رنگین، درد کمر، ریاحی درد، دردِ شقیقہ سر درد، اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کے لئے اکسیر ہے۔
انتہائی درد کی بے چینی کو فوراً دور کر کے سکون پہنچاتی ہے۔
اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے۔
ہوائی جہاز، ریل، اور بحری جہاز میں سفر کرنے والوں کے لئے سالمارین بہترین دستی مددگار ہے
قیمت فی شیشی دو روپے علاوہ محصول ڈاک
اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں
یا
سالما لیبارٹریز (پاکستان)
۲۷ زینت مینشن ۔ میکلوڈ روڈ ۔ کراچی

رہ جاتا جس کے حصول کے لئے اسے جد و جہد کرنی پڑے۔ یہ وجہ ہے کہ جب کوئی قوم رزق کی طرف سے مطمئن ہو جاتی ہے تو اس کی قوتوں میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن نے طبعی زندگی کو محض حیوانی سطح کی زندگی قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ مقصود و منتہائے انسانیت نہیں اس نے انسان کے سامنے اس سے کہیں بلند اور وسیع مقاصد رکھے ہیں۔ ان کی تفصیل میں تمہیں مختلف مواقع پر بتا چکا ہوں اس لئے ان کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں، قرآن نے یہ دیکھا کہ انسان کی یہ کس قدر بدنصیبی ہے کہ اس کی ساری توانائیاں محض حصولِ رزق میں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ ان سے بلند مقاصد کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکتا۔ اس نے اسے روٹی کی طرف سے مطمئن کر کے اس کی تمام توانائیوں کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے محفوظ (CONSERVE) کر لیا اور اس سے کہدیا کہ وہ اپنی تمام توجہات کو ان مقاصد پر مرکوز کر دے اور اس طرح "اقطار السمٰوٰت والارض" سے آگے نکل جانے کی کوشش کرے۔ ذرا غور کرو سلیم! کہ رسالتِ محمدیہ نے اس ایک تبدیلی سے عالمِ انسانیت میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے انسان کی تمام توانائیوں کو جو حصولِ رزق جیسے اسفل مقصد ہی میں ضائع ہو جاتی تھیں محفوظ کر لیا۔ لیکن رزق کی طرف سے اطمینان ہو جانے سے انسان میں جو تعطل پیدا ہو جاتا تھا اس کے سامنے بلند ترین مقاصد رکھ کر نہ صرف اس تعطل کو دور کر دیا۔ بلکہ اس کی زندگی کو جہادِ مسلسل میں تبدیل کر دیا۔ ایسا مسلسل جہاد جس کے جانے والی نسل جس حد تک راستہ طے کر جائے آنے والی نسل کے لئے وہ مقام، سفر کا نقطۂ آغاز بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسی کا نام **ایمان بالآخرت** ہے۔ اور یہ بجائے خویش بہت بڑا انقلاب ہے جسے رسالتِ محمدیہ نے انسانی نگاہ میں پیدا کیا ہے۔ یعنی ہمیشہ نگاہ مستقبل پر رکھنی۔ وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ۔

خط لمبا ہو گیا ہے لیکن اسے ختم کرنے سے پہلے میں اس خصوصیتِ کبریٰ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جو میرے نزدیک رسالتِ محمدیہ کا نوعِ انسانی پر احسانِ عظیم ہے۔ تم غور کرو سلیم! کہ انسان اپنی طبعی دنیا میں نسلاً بعد نسلٍ ترقی کرتا ہوا کس طرح آگے بڑھتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ مثال کے طور پر امراض اور ان کے علاج کے شعبہ ہی کو دیکھو۔ جن امراض کو آج سے چند صدیاں پہلے لاعلاج سمجھا جاتا تھا۔ (بلکہ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ امراض ہیں کیا) ان پر انسان کس طرح قابو پاتا چلا جا رہا ہے۔ پھر طریقِ علاج پر غور کرو۔ ابھی پچاس سال پہلے دانت نکلوانا اس قدر کرب انگیز تھا کہ آج اس کے تصور سے کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن آج ایک دانت تو کیا، پورے کا پورا جبڑہ اس طرح نکال کر رکھ دیا جاتا ہے کہ آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ کب ہو گیا۔ اس طرح سرجری (جراحی) کی دوسری مثالوں کو سمجھ لو۔ اب تم غور کرو کہ پچھلی صدی کے انسان کے لئے یہ تصور کس قدر یاس انگیز اور حسرتناک ہو گا کہ میں یونہی سو سال پہلے پیدا ہو گیا اگر میں بھی بیسویں صدی میں پیدا ہوتا تو اس تمام کرب و درد سے بچ جاتا جن میں میں مختلف امراض اور ان کے علاج کی وجہ سے مبتلا رہا۔ یہ اس لئے ہے سلیم! کہ انسانی عقل کا طریق تجرباتی ہے۔ وہ مختلف تجارب کے بعد رفتہ رفتہ انکشافِ حقائق کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب میں سابقہ نسل کا انسان، آنے والی نسل کی سطح سے نیچے رہ جاتا ہے۔ یہ اس کی بےبسی ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

لیکن وحی کا طریق تجرباتی نہیں۔ اس کی رو سے تمام وہ حقائق جو انسانیت کی نشوونما کے لئے ضروری ہیں، بیک وقت نوعِ انسانی پر نبی کے ذریعے منکشف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سابقہ، موجودہ اور آنے والی نسل کے تمام انسان ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں اس میں کسی گذشتہ نسل کے انسان کو اس کا افسوس نہیں ہوتا کہ وہ آنے والی نسل سے پہلے کیوں پیدا ہو گیا؟ وہ بھی اسی مقام پر ہوتا ہے جس مقام پر آنے والی نسل کے انسان نے ہونا ہے۔ لہٰذا اس میں کسی دور کے انسان کے لئے وجہِ مایوسی اور احساسِ بےبسی نہیں ہوتا۔ وحی کی رو سے عطا فرمودہ پروگرام سب کے لئے یکساں طور پر باعثِ رحمت ہوتا ہے۔ جو قوم جس دور میں بھی اسے اختیار کرے اس کے سامنے وہی نتائج آ جاتے ہیں۔ چونکہ یہ پروگرام رسالتِ محمدیہ میں تکمیل تک پہنچ گیا اور ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا اس لئے رسالتِ محمدیہ تمام نوعِ انسانی کے لئے رحمت ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کا یہی مفہوم ہے۔

کیوں سلیم! کتنا بڑا ہے یہ احسان؟ اس کی سپاس گزاری میں تمام نوعِ انسانی کی گردن اس رحمۃ للعالمین کے حضور جھکنی چاہیئے یا نہیں؟ اب تم سمجھے کہ میں اس تقریبِ عظیم کو کیوں تمام دنیا کے انسانوں کے لئے سب سے بڑا جشنِ مسرت قرار دیتا ہوں؟

سلیم! دنیا نے ابھی تک رسالتِ محمدیہ کی غایت و مقصود کو سمجھا ہی نہیں۔ لیکن اس میں دنیا والوں کا کیا قصور؟ ہم انہیں سمجھاتے تو وہ سمجھتے!

اور اس کے جواب میں تم کہو گے کہ اس میں ہمارا بھی کیا قصور؟ ہم خود سمجھتے تو دوسروں کو بھی سمجھاتے!

بہرحال۔ اب تو تم سمجھ گئے کہ رسالتِ محمدیہ کس طرح رحمۃ للعالمین ہے؟ میری طرف سے تمہارے لئے عیدِ میلاد النبی کا یہی سب سے بڑا تحفہ ہے

والسلام

پرویز (اکتوبر ۱۹۵۵ء)

عِلمِ نبوی

احادیث کی رو سے

[ذیل کی احادیث بخاری شریف کی ہیں۔ اردو ترجمہ مرزا حیرت دہلوی کا ہے جس کے طابع و ناشر "نور محمد - تاجر کتب - کراچی - ہیں۔ پہلے صفحہ کا نمبر ہے اور بعد میں حدیث کا نمبر۔ طلوع اسلام]

بخاری جلد دوم

(۳۰۵) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا یہ فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں جاتا ہے میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب واقف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جاتا ہے تاکہ عرش کے نیچے سجدہ کرے پھر اللہ سے) اجازت طلوع کی مانگے گا تو اسے اجازت طلوع کی دیجائے گی اور قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ ملے اس سے کہدیا جائے کہ جہاں سے تو آیا ہے وہیں لوٹ جا پس وہ مغرب سے طلوع کرے گا۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔

(۴۹۰) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی کہ اسے میرے پروردگار میرے ایک حصہ نے میرے دوسرے حصہ کو کھا لیا تو اللہ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دیدی ایک سانس جاڑوں میں اور ایک سانس گرمی میں (یعنی جب دوزخ اندر کو سانس کھینچتا ہے تو سردی کا موسم آجاتا ہے اور جب باہر کو سانس لیتا ہے تو گرمی کا موسم آجاتا ہے۔)

(۴۹۵) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا اثر ہوا۔ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اس کو نہ کیا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک دن دعا کی اور بہت، دعا کی بعد اس کے (مجھ سے) فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے مجھے وہ بات بتا دی جس میں میری شفا ہے دو آدمی میرے پاس آئے ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پیروں کے پاس بیٹھ گیا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس شخص کو کیا بیماری ہے دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے اس نے کہا کہ کس نے ان پر جادو کیا دوسرے نے کہا کہ لبید بن اعصم نے اس نے کہا کہ کس چیز میں دوسرے نے کہا کہ کنگھی میں اور روئی کے گالے میں اور تر کھجور کی کلی کے اوپر والے چھلکے میں اس نے کہا کہ وہ کہاں ہے دوسرے نے کہا کہ ذروان (نامی) کنوئیں میں پس وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے بعد اس کے لوٹے تو جب لوٹ آئے تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اس کنوئیں (کے قریب والے) درخت گویا کہ شیاطین کے سر ہیں (حضرت عائشہ کہتی ہیں) میں نے کہا کہ آپ نے اس کو نکلوایا فرمایا کہ نہیں اللہ نے تو مجھے شفا دیدی اور اس کے نکلوانے میں مجھے یہ خیال ہوا کہ لوگوں میں فساد پھیلے گا اور جادو کا چرچا زیادہ ہو جائے گا بعد اس کے وہ کنواں بند کر دیا گیا۔

(۵۲۹) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ سے اس کا فضل طلب کرو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے (تب بولتا ہے) اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے تب بولتا ہے۔

(۵۳۱) حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک گروہ بنی اسرائیل کا کھو گیا نہیں معلوم کیا ہوا میں خیال کرتا ہوں کہ یہ چوہے وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھ دیا جاتا ہے تو وہ نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکریوں کا دودھ رکھ دیا جاتا ہے تو وہ پی لیتے ہیں۔ پھر میں نے کعب سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا تم نے خود نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میں نے کہا ہاں

قرآن کی رُو سے

سُورۃ النجم صفحہ ۱۵۳

تمہید اے قوم مخاطب! تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ وحی کی جس راہ نمائی کی طرف تمہیں دعوت دی جا رہی ہے وہ کس حد تک قابلِ اعتماد ہے؟ وہ سفرِ زندگی میں کہیں دھوکا تو نہیں دے جائے گی؟ وہ غلط راستے پر تو نہیں ڈال دے گی؟ وہ کسی مقام پر جا کر ساتھ تو نہیں چھوڑ دے گی؟ ۔۔ ان سے کہو کہ تم جب راتوں کو صحرا میں سفر کرتے ہو، جہاں کوئی پختہ راستہ یا نشانات راہ نہیں ہوتے تو تم اپنی راہ نمائی کہاں سے حاصل کرتے ہو۔ تم ستاروں کو دیکھ کر سفر کرتے ہو۔ تم بتاؤ کہ ان کی راہ نمائی کے متعلق تمہارا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے؟ کیا ان کی راہ نمائی قابلِ اعتماد ہے۔ یا یہ اپنی روش بدل کر دھوکا بھی دیدیتے ہیں؟ تمہارا جو جواب ستاروں کی راہ نمائی کے متعلق ہے وہی جواب وحی کی راہ نمائی کے متعلق سمجھ لو۔ اس لئے کہ رسول کو وحی بھی اسی مقام سے ملتی ہے جہاں سے ستاروں کو اپنی محکم روش پر چلنے کی راہ نمائی ملتی ہے۔

ستارہ جو اپنی محکم روش پر چلتا چلتا ایک خاص رستہ طے کر کے، ایک خاص مقام پر غروب ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کبریٰ پر شاہد ہے کہ تمہارا رفیقِ راہ (رسول) جو سفرِ زندگی میں تمہاری راہ نمائی کے لئے متعین کیا گیا ہے۔ نہ تو راستے کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے اور نہ ہی اسے کہیں دھوکا لگا۔ سکتا ہے (وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی)

اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اپنے خیالات و جذبات کی رُو سے نہیں کہتا بلکہ وہی بات کہتا ہے، جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہیں (قرآن) وحی کا مجموعہ ہے۔ رسول کے ذاتی خیالات کا نہیں (وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی)

اسے یہ وحی اس خدا کی طرف سے ملتی ہے جو بڑی قوتوں کا مالک ہے اور زندگی کی تمام گذرگاہوں سے واقف (عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ ذُوْ مِرَّۃٍ)

اس وحی نے رسول کی ذات میں پورا پورا توازن قائم کر دیا (فَاسْتَوٰی) وہ علم کی ان بلندیوں تک جا پہنچا جہاں عقلِ انسانی کی رسائی ممکن نہیں۔ (وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی)

وہاں (علم کے افقِ مبین پر) پہنچ کر وہ حقائقِ کائنات سے قریب تر، اور ضمیرِ حیات کی گہرائیوں میں اتر کر اس سے یکسر ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی)

ان قوانینِ الٰہیہ سے ہم رنگ ہو کر وہ اس طرح خدا کا رفیق بن جاتا ہے جس طرح تم باہمی رفاقت اور توثیقِ عہد کے لئے دو کمانوں کو اس طرح ملاتے ہو کہ وہ ایک قاب دار بن جاتی ہیں اور پھر دونوں کو ملا کر اکٹھا تیر چلاتے ہو[۱]۔ (فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ) بلکہ رسول کی رفاقت و ہم آہنگی اس سے بھی گہری ہوتی ہے (اَوْ اَدْنٰی)

اس طرح خدا نے اپنے بندے (رسول) کی طرف وہ کچھ وحی کر دیا جسے انسانی راہ نمائی کے لئے دینا مقصود تھا (فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی)

وہ (رسول) وحی کی رُو سے جو کچھ دیکھتا ہے اس میں اس کے اپنے جذبات و خیالات کسی قسم کی آمیزش نہیں کرتے (مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی)

اب بتاؤ کہ تم وحی کے حقائق کے متعلق اس سے کس طرح جھگڑ سکتے ہو جبکہ صورت یہ ہے کہ یہ جو کچھ کہتا ہے اپنی آنکھوں دیکھا کہتا ہے اور تم اس مقام کی کیفیت تک سے ناآشنا

---

[۱] عربوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ وہ جب آپس میں عہدِ وفا باندھتے تو اپنی دو کمانوں کو ملا کر اکٹھا تیر چلاتے۔ اسے قابَ قوسین کہتے تھے۔

پھر انہوں نے مجھ سے مکرر یہی پوچھا تو میں نے کہا کہ کیا میں تورات پڑھا ہوا ہوں (یہ تورات دیکھ کے بیان کرتا)

(۴۹ ۵) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کے کھانے پینے کی چیز میں مکھی گر جائے تو اسے چاہیئے کہ اس کو غوطہ دیدے بعد اس کے اس کو نکال ڈالے کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے۔

(۵۰ ۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا پھر اللہ نے (ان سے) فرمایا کہ جاؤ اور ان فرشتوں کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے پس آدم نے کہا السلام علیکم۔ فرشتوں نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ ورحمۃ اللہ انہوں نے زیادہ کر دیا پس جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا۔ پھر برابر اب تک قد کم ہوتا رہا۔

(۵۱ ۵) حضرت ابن عباس نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ برہنہ پا برہنہ بدن بغیر ختنہ کے حشر کئے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ اور قیامت کے دن سب سے پہلے جسے کپڑے پہنائے جائیں گے وہ ابراہیم ہیں اور (اس دن) میرے چند صحابہؓ بائیں جانب لئے جا رہے ہوں گے۔ میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہ ہیں یہ تو میرے صحابہ ہیں پھر اللہ فرمائے گا یہ لوگ اپنے پچھلے دین پر لوٹ گئے تھے جب سے آپ ان کے پاس سے جدا ہوئے پس میں کہوں گا جیسا کہ نیک بندے (یعنی عیسیٰ) نے کہا تھا وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ الی قولہ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

ہو! (أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ)

اس نے ان حقائق کو ایک بار ہی نہیں دیکھا۔ وہ انہیں بار بار دیکھتا ہے۔ اس کا یہ دیکھنا خواب کا دیکھنا نہیں جس میں انسان اپنے مشاہدہ کو دہرا نہیں سکتا۔ یہ حقائق کا خارجی شاہد ہے جو بار بار اس کے سامنے ہوتا ہے (وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ)

یہ مشاہدہ سرچشمۂ علم الٰہی کے قریب ہوتا ہے جہاں حیرت اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے (عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ)

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کی مضمر صلاحیتیں کامل نشو و نما حاصل کر لیتی ہیں اور اسے زندگی کی تمام خوشگواریاں نصیب ہو جاتی ہیں، اسے جنت کا مقام کہا جاتا ہے عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ۔

اس مقام حیرت پر علم خداوندی ہر طرف سے چھا رہا ہوتا ہے۔ (إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ)

اس علم کی روشنی میں نبی ان حقائق کا مشاہدہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی آنکھ نہ تو غلط سمت کی طرف مڑتی ہے اور نہ ہی اس مقام سے آگے نکل سکتی ہے جتنا علم اسے دیا جانا مقصود ہوتا ہے۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس لئے کہ رسول کو اس مقام حیرت سے لوٹ کر انسانوں کی دنیا کی طرف آنا ہوتا ہے تاکہ خدا کا پیغام ان تک پہنچا دے۔ (مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ)

اس طرح اس رسول نے اپنے نشو و نما دینے والے کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا ہے (لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ)۔

یہ ہے علم نبوی کا مقام جس تک کوئی غیر از نبی نہیں پہنچ سکتا۔

زندگی روشنی ہے

اور

آنکھ اس روشنی کا چشمہ!

اس کی نگہداشت ہر انسان کا فرض اوّلین ہے

پس

فرض کی پورے طور پر سر انجام دہی کے لئے کسی ماہر فن کا مفید مشورہ ہی آپ کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔

ایشیاٹک آپٹکل کمپنی

وکٹوریا روڈ ——— کراچی

۷۳ ڈلہوزی روڈ
راولپنڈی

اردو ادب میں عظیم نفسیاتی کتابوں کا اضافہ

آپ بھی خوش رہیئے

مصنفہ برٹرینڈ رسل مترجمہ شفیع الدین

آج کی دنیا اضطراب و بے چینی کی دنیا ہے۔ ہم طرح طرح کی ذہنی روحانی اور تخیلاتی اذیتوں کا شکار ہیں۔

برٹرینڈ رسل نے ان نفسیاتی بیماریوں اور کمزوریوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کا علاج تجویز کیا ہے جس پر عمل کرنے سے ہم ان ذہنی بیماریوں سے نجات حاصل کر کے صحتمند تخیل اور خوشی کے جذبات و احساسات سے اپنے دل و دماغ کو لبریز کر سکتے ہیں۔

جب ہمارا دل و دماغ خوشی و مسرت کے جذبات سے معمور ہوگا۔ تو یاس و قنوطیت، افسردگی و پژمردگی اور رنج و الم جن کے پہاڑوں تلے ہم برسوں سے سسک رہے ہیں روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہمارے چاروں طرف مسرت و شادمانی اور کامیابی و کامرانی رقص کرتی ہوئی نظر آئے گی۔

صفحات ۳۰۰ مجلد۔ رنگین گردپوش قیمت پانچ روپے

سوچیئے اور دولت کمائیے

مصنفہ نپولین ہل۔ مترجمہ غوث صدیقی ایم۔ اے۔ یہ کتاب مشہور ماہر نفسیات نپولین ہل کا وہ شاہکار ہے جس نے لاکھوں انسانوں کی ناکام زندگی اور غربت و افلاس کو کامیاب زندگی اور دولت و امارت سے بدل دیا۔

یہ کتاب نہایت قیمتی معلومات کا خزانہ ہے اور اس کے مطالعہ سے انسانی ذہن میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو مایوسی اور تاریکی کے جذبات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے ترقی کی راہیں کھولتی ہے۔ ہر وہ انسان جو اپنی افلاس کی زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ کتاب شمع راہ کا کام دے گی

صفحات ۴۰۰ مجلد۔ رنگین گردپوش قیمت پانچ روپے

نفیس اکیڈمی۔ بلاسس اسٹریٹ۔ کراچی

سیرتِ مصطفےٰ اور روایات

(از: ابن آدم)

پہلے ایک بات کی معافی چاہتا ہوں میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس میں ایک بات کی پہلے ہی معافی چاہتا ہوں وہ بات یہ ہے کہ کسی بات کا حوالہ نہیں دوں گا۔ اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔ وہ یہ کہ حریت فکر (FREE THINKING) کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود بہت سے حضرات ابھی تک شخصیتوں کی ذہنی غلامی سے پوری طرح نہیں نکل سکے ہیں ایک بالکل پھسپھسی سی بات اگر کسی ایسی شخصیت کی زبان سے نکلے جس سے ہمیں عقیدت ہے۔ تو وہ ہماری نگاہوں میں قابل غور ہو جاتی ہے۔ اور ہم اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کی طرف سے دفاع کرنے اور اس کی تاویلات کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور معقول سے معقول بات کسی ایسے آدمی کے قلم سے نکلے۔ جس سے ہمیں عداوت ہے۔ یا کم از کم عقیدت نہیں تو ہم اسے لائق توجہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کا مذاق اڑانا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا بات کو بات کی حیثیت سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ کہنے والے کی میزان شخصیت پر تولتے ہیں۔ اگر زید نے کہا ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی تائید کرنی چاہیئے۔ اور اگر بکر نے لکھا ہے تو یقیناً نامعقول ہی بات ہوگی۔ لہٰذا اس کی تردید بھی اہم فرائض میں داخل ہے میں نہایت صفائی سے اعتراف کرتا ہوں کہ باوجود کوشش کے میں خود بھی ابھی تک اس کمزوری سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکا ہوں۔

اگر میں حوالہ دے کر یہ لکھوں کہ "فلاں روایت ابن ہشام یا ابن اسحٰق کی محلِ نظر ہے" تو شاید عام لوگ اس کی طرف خاص توجہ نہ دیں۔ لیکن یہ لکھ دوں کہ "یہ بخاری شریف کی روایت ہے اور محل نظر ہے"۔ تو پورا اہل حدیث طبقہ برانگیختہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر یہ لکھ دوں کہ مولانا شبلی نے "سیرت النبیؐ" میں یا مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے "اصح السیر" میں یوں لکھا ہے اور یہ محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ تو پورا شبلی اسکول یا وہ طبقہ جو مولانا عبدالرؤف کا ہم خیال ہے۔ توجیہاتی جوابات دینا شروع کر دے گا۔ اس لئے میں آپ سے سب سے پہلے اس بات کی معافی چاہتا ہوں کہ میں کسی عبارت کا حوالہ نہیں دوں گا مگر یہ یقین رکھئے کہ کوئی بات غلط اور بے سند نہیں لکھی گئی ہے۔ اگر شک ہو تو خط لکھ کر پوچھ لیجئے۔ حوالہ لکھ کر بھیج دیا جائے گا۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اپنے اسلاف کبار کی طرح ہم شخصیتوں سے بلند و بالا رہ کر بھی آزاد طریق پر بات کو بات کی حیثیت سے دیکھنے کے عادی بنیں انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال۔ ایک بڑا اور اہم اصول ہے۔ یعنی یہ دیکھو کہ کیا کہا گیا۔ یہ نہ دیکھو کہ کس شخص نے کہا چنانچہ اسی اصول کے پیش نظر ہم یہاں چند باتیں درج کریں گے۔ جن کو عام طور پر قدیماً و حدیثاً سب سیرت نگار لکھتے چلے آئے ہیں۔ لیکن یہ "باتیں" ہماری نگاہوں میں بعض وجوہ سے محل نظر ہیں۔ مثلاً

(۱) حضور کا پناہ طلب کرنا سنہ۱۰ میں حضورؐ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں بے انتہا اذیتیں حضورؐ کو پہونچائی گئیں۔ وہاں سے واپسی میں ایک شب مقام نخلہ میں قیام فرمایا۔ اور صبح مکے میں یوں تشریف لائے کہ "مطعم بن عدی سے حضورؐ نے پناہ مانگی اور اس نے پناہ دیدی"۔ یہ سنہ۱۰ نبوت کا واقعہ ہے۔

مجھے یہ روایت محل نظر معلوم ہوتی ہے۔ حضورؐ کی سیرت استقامت، خودداری اور کردار سے یہ بہت بعید ہے کہ مکے میں آنے سے پہلے ایک کافر مطعم بن عدی سے پناہ طلب کی۔ اور اس کے پناہ دینے کے بعد حضورؐ مکے میں تشریف لائے۔ اس واقعے سے پہلے مکے میں پورے دس سال کی نبوی زندگی ساری کی ساری ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ اس عرصے میں بڑی سے بڑی آزمائشیں ہوئیں لیکن کسی سے بھی پناہ طلب کرنے کا کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ خود طائف میں حضورؐ نے کسی سے پناہ نہیں طلب کی۔ حالانکہ وہاں شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہ کر سخت سے سخت امتحان اور معاشری مقاطعے کا مقابلہ کیا۔ لیکن کسی سے پناہ طلب نہیں کی۔ حتیٰ کہ جب ابوطالب نے حضورؐ سے یہ فرمائش کی کہ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو تو حضورؐ نے ابوطالب کو صاف جواب دے دیا کہ اگر تمہیں اپنی حمایت ترک کرنی پڑے تو ترک کر دو۔ لیکن میں اشاعت حق سے باز نہیں آسکتا۔ خواہ یہ لوگ شمس و قمر لا کر میرے ہاتھوں پر کیوں نہ رکھ دیں۔ ایسے رسول سے یہ توقع کرنا بعید از فہم ہے کہ طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی سے پناہ مانگی ہوگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن الدغنہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی غرض سے روانہ ہو گئے ہیں تو وہ پیچھے دوڑا۔ برک الغماد سے اپنی حفاظت و پناہ میں لے آیا۔ کہ تم جیسا شریف انسان مکے سے نہیں جا سکتا۔ صرف ایک شرط رکھی کہ قرآن بلند آواز سے نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ اس سے تمام سننے والے متاثر ہوتے ہیں۔ چند دنوں تک اس کی پابندی رہی۔ آخر ذوق و شوق غالب آیا تو تلاوت میں آواز بھی بلند ہونے لگی۔ ابن الدغنہ نے شکوہ کیا تو آپ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اپنی پناہ واپس لے لو۔

حضرت عمرؓ نے جب کعبے کے پاس اعلان اسلام کیا تو تمام لوگ مارنے کو دوڑ پڑے اور مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر آپ کے ماموں نے پناہ دینے کا اعلان کیا۔ لوگ ہٹ گئے۔ اس کے چند دنوں بعد حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مسلمان تو ہر جگہ پٹ رہے ہیں۔ اور میں آرام سے بیٹھا ہوں۔ یہ کوئی لطف کی زندگی نہیں۔ فوراً جا کر اعلان کر دیا کہ تیری پناہ تجھے مبارک ہو، مجھے نہیں چاہیئے۔

علاوہ ازیں جب قبیلہ عضل اور قارہ کی درخواست پر حضورؐ نے دس مبلغین کو عاصم بن ثابت کی قیادت میں بھیجا تو رجیع کے مقام پر بنو لحیان کے دو سو آدمیوں نے (جن میں ایک سو تیر انداز تھے) حملہ کر دیا۔ یہ دس آدمی ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ تیر اندازوں نے آواز دی کہ تم اتر آؤ، ہم تمہیں پناہ دیں گے۔ تو عاصم نے صاف جواب دیا کہ ہمیں کافروں کی پناہ مطلوب نہیں

غرض اس طرح کی پناہ طلبی اکثر صحابہ سے بھی متوقع نہیں۔ تو حضورؐ سے کیوں ہو؟ بات دراصل یوں ہو سکتی ہے کہ کفار و مشرکین میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جن میں بعض محض اپنی شرافت کی وجہ سے۔ اور بعض اپنی خاندانی حمایت کی وجہ سے از خود پناہ کی پیشکش کیا کرتے تھے۔ ابن الدغنہ ابوبکر کی شرافت سے متاثر تھا۔ اور اس نے خود اپنی طرف سے پناہ کی پیشکش کی۔ عمر کے ماموں نے اپنی خاندانی عصبیت کی وجہ سے آپ کو پناہ دی۔ اب سوچئے کہ وہ کون سا انسان تھا جو حضورؐ کی سیرت سے متاثر نہ تھا؟ اگر کچھ ایسے تھے جن کے اس تاثر کے اظہار پر کفر بہت زیادہ غالب تھا۔ تو ان ہی میں ایسے لوگ بھی تھے جو ابن الدغنہ کی طرح اس تاثر کو عملاً ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ مطعم بن عدی بھی ان ہی لوگوں میں تھا جو کفر کے باوجود اپنے اندر کچھ جوہر شرافت بھی رکھتا تھا۔ جب ابنائے ہاشم کے مقاطعے اور محاصرۂ شعب ابی طالب کو ختم کرنے کا سوال اٹھا۔ تو سب سے پہلے مطعم ہی تھا جس نے تائید کی تھی۔ پھر یہی مطعم تھا جس نے مقاطعے کے عہد نامے کو اپنے ہاتھوں سے چاک کیا تھا۔ اور یہی مطعم تھا جو چند ہمراہیوں کے ساتھ جا کر ابنائے ہاشم کو گھاٹی سے نکال لایا تھا۔ پس صورت حال یقیناً یہی ہوئی ہوگی کہ حضورؐ کی مظلومیت کا حال سنکر مطعم نے از خود پناہ دینے کا اعلان کیا ہو اور حضورؐ نے اس پیشکش کو منظور فرما لیا ہو۔ کسی کی پیشکش پناہ کو قبول کر لینا اور بات ہے۔ اور کسی سے پناہ طلب کرنا دوسری بات۔ دونوں میں بڑا فرق ہے اور دونوں کے نتائج میں بڑا بل ہے۔ بظاہر ذرا سا لفظی فرق ہے پناہ قبول کرنے اور پناہ مانگنے میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے نے اس باریک مگر دور رس فرق کو ابتداءً محسوس نہ کیا۔ اور بات چل پڑی۔

(۲) مواخاتِ علی سنہ۱ ہجری میں حضورؐ نے کوئی پچاس

مہاجرین کی مواخات اتنے ہی انصار سے کرادی۔ حضرت علی کی کسی سے مواخات نہیں کرائی گئی۔ تو آپ نے گلہ کیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ تم تو دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔

حضرت علی کے اخو الرسول فی الدنیا والآخرہ ہونے میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس موقعے پر جب کہ ایک انصار اور ایک مہاجر کی مواخات ہو رہی ہو۔ یہ روایت کچھ چسپاں معلوم نہیں ہوتی۔ یہ مواخات صرف ایک معاشی مسئلہ تھا۔ تاکہ ہر انصار ایک بے سروسامان مہاجر کی کفالت کا ذمہ دار ہو جائے۔ ان میں کچھ مہاجرین ایسے بھی تھے۔ جن کی کسی انصار سے مواخات نہیں ہوئی تھی خود حضورؐ کی کسی سے مواخات نہیں ہوئی۔ پس اگر حضرت علی کی بھی کسی انصاری سے مواخات نہیں ہوئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حضرت علی کے کفیل تو خود حضورؐ تھے کسی سے مواخات کی ضرورت نہ سمجھی ہوگی۔ لیکن اگر واقعی حضرت علی نے عدم مواخات کا شکوہ کیا ہوگا۔ تو اس مواخات کو انصار میں تلاش کرنا زیادہ انسب ہے۔ حضرت سہل بن حنیف کے تذکرے میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کی مواخات حضرت علی سے ہوئی تھی۔ مہاجر کی مواخات مہاجر سے کچھ قابل غور ہو جاتا ہے۔ اور سہل بن حنیف انصاری سے حضرت علی کی مواخات مستبعد نہیں معلوم ہوتی۔

(۳) تجارتی قافلے پر چھاپے

غزوۂ بدر کے اسباب بیان کرتے ہوئے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ماہ رمضان ۲ھ میں معلوم ہوا کہ قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا شام سے واپس آرہا ہے۔ جس کی واپسی پر قریش نے مدینے پر حملے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ اس قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔ یہاں پہنچ کر بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے اس قافلے کو روکنے کا ارادہ فرمایا اور بعض صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔

دراصل معاملہ یوں ہے کہ عام مسلمانوں کے دل میں تو واقعۃً یہ جذبہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن حضورؐ اسے بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ مسلمانوں کے دل میں اس تجارتی قافلے کو لوٹنے کا خیال بالکل فطری تھا اس لئے کہ۔

(۱) تیرہ سال تک ان ہی کفار قریش کے ہاتھوں مسلمان شدید اذیتیں جھیلتے رہے حتیٰ کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔

(۲) کفار مکہ نے مدینے کے یہود سے مراسلت کرکے مسلمانوں کے خلاف ان کو ابھارا تھا۔

(۳) کرز بن جابر فہری نے دن دہاڑے مدینے کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا اور بہت سے مویشی چرا لے گیا تھا۔ گویا یہ بتایا گیا تھا کہ مکے سے تین سو میل کے فاصلے پر بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔

(۴) مسلمانوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس قافلے کی واپسی کے بعد قریش مدینہ پر حملہ کریں گے۔

(۵) قافلہ میں صرف چالیس آدمی ہیں۔ جن کو ایک ہی حملے میں صاف کیا جا سکتا ہے۔ اور ابوسفیان جو تمام مخالفین کا ہیرو ہے۔ اسی قافلہ میں ہے۔ قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا ہے۔ یہی ابوسفیان اور اس کے ساتھی، اسی مال اسباب کے سہارے کر کس کے چند دنوں بعد ہمارے خلاف آپہنچیں گے۔ اس لئے اگر اس کو یہیں ختم کر دیا جائے تو نہ فقط مال اسباب ہی ہاتھ آئے گا۔ بلکہ جذبۂ انتقام بھی سرد ہوگا۔ اور قریش کے حوصلے بھی پست ہو جائیں گے۔

غرض عام مسلمانوں کے دل میں اس قافلے کو لوٹنے کا اگر کوئی بیجا جذبہ پیدا ہوا ہو تو اس پر کوئی تعجب نہیں لیکن یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ خود حضورؐ بھی یہی جذبہ رکھتے تھے۔ یہ قافلہ رمضان میں آرہا تھا۔ اور اس سے پہلے کرز بن جابر فہری کے چھاپے کے بعد حضورؐ نے مختلف دستے مختلف جگہ روانہ فرمائے تھے۔ مثلاً ماہ صفر میں ودان اور ابوا تک۔ ربیع الاول میں بواط کی طرف۔ ربیع الثانی میں عشیرہ یا ذی العشیرہ، سیف البحر اور ثنیۃ المراۃ کی طرف اور جمادی الاخریٰ میں نخلہ کی طرف۔ یہ دستے روانہ فرمائے مگر ان میں سے کوئی دستہ بھی مشورے کے بعد نہیں روانہ کیا گیا بلکہ حضورؐ نے مارچ کا حکم دیا۔ اور دستے روانہ ہو گئے پھر سوچئے کہ صرف چالیس آدمیوں کے قافلۂ تجارت کو لوٹنا مقصود ہوتا تو حضورؐ کو مشورے کی کیا ضرورت تھی مسلمان پہلے ہی سے بیٹھے تھے۔ اور خواہش مند تھے۔ ذرا سا اشارہ کافی تھا۔ مگر حضور حکم دینے کی بجائے مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ اور صرف مشورہ ہی نہیں فرماتے بلکہ مشورے کے بعد طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو قافلۂ ابوسفیان کی خبر لانے کو بھیج دیتے ہیں۔ غور کیجئے کہ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ ایک سیرت نگار نے بھی اس پر غور نہیں کیا۔

اگر واقعی حضورؐ کی یہ مرضی ہوتی کہ مکے سے شام جانے والے تجارتی قافلوں کو روک کر لوٹ لیا جائے۔ تو ہجرت کے بعد قریش کا ایک قافلہ بھی نہ بچ سکتا تھا۔ اس لئے کہ مکے اور شام والی سڑک مدینے سے کچھ دور نہ تھی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد جب ابوبصیر عتبہ بن اسید مکے سے بھاگ کر مدینے آگئے تو حضورؐ نے معاہدہ حدیبیہ کے مطابق ان کو واپس کر دیا۔ ادھر سمندر کے کنارے ذوالمروہ کے پاس مقام عیص میں جا کر مقیم ہو گئے۔ اور مکے کے دوسرے مسلمان قیدی بھی رفتہ رفتہ بھاگ بھاگ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ اور ان سب نے قریش کے تجارتی قافلوں کا ایسا ناک میں دم کر دیا کہ قریش مکہ نے معاہدہ حدیبیہ کی اس دفعہ کو ختم کرنے کی درخواست کی جس کی رو سے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو مدینہ سے واپس کرنا ضروری تھا۔ اگر مسلمان چاہتے تو اس سے پہلے ہی قریش کے تجارتی حلقوں کا ناطقہ بند کر دیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی حضورؐ نے کبھی اجازت نہ دی۔ حضورؐ نہ تو بے مقصد جذبۂ انتقام کی پرورش چاہتے تھے۔ اور نہ لوٹ مار جیسے پست مقصد سے اعلیٰ اسلامی اقدار کو مجروح کرنا پسند فرماتے تھے۔ اس وقت حضورؐ کے سامنے دو چیزیں تھیں۔

ایک طرف مسلمانوں کی مارشل اسپرٹ تھی جسے آگے چل کر اعلیٰ اقدار کی محافظت کے لئے وقف ہونا تھا۔ اس اسپرٹ کو دبا کر ختم کرنا کسی صاحب عقل کے نزدیک درست نہیں ہو سکتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس دباؤ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو کر کوئی نامناسب رد عمل پیدا ہوتا۔

دوسری طرف یہ خطرہ تھا کہ اگر ان مسلمانوں کو مارچ کا حکم دے دیا جائے تو یہ کوئی اعلیٰ مقصد نہ ہوگا۔ محض جذبۂ انتقام ہوگا۔ نیز اسلامی اقدار جنگ کے بھی خلاف ہوگا۔ یعنی دشمن حملہ آور نہیں ہوتا۔ مٹھی بھر بے طاقت جماعت ہے اور وہ بھی قافلۂ تجارت کی شکل میں۔ یہ کوئی شجاعت نہیں کہ کسی کو کمزور پاکر دبا دیا جائے۔ اور وہ بھی کسی اعلیٰ مقصد کے لئے نہیں۔ بلکہ محض لوٹ مار کے لئے۔

غرض فوجی جذبے مارشل اسپرٹ کو دبا کر جذبات کو مجروح کرنا اور مارچ کا حکم یا اجازت دینا، دونوں نامناسب تھے۔ اس لئے حضورؐ نے ایک ایسی راہ اختیار فرمائی کہ یہ حملہ بھی نہ ہو اور مسلمانوں کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں۔ یعنی مارشل اسپرٹ کو آئندہ کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ اور اس قافلہ تجارت سے مڈبھیڑ ہونے کا وقت ٹال دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنی عدیم النظیر بصیرت سے یہی کچھ کیا۔ وہ اس طرح کہ کچھ وقت مشورے میں صرف کیا۔ جب یہ معلوم کر لیا کہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے جذبات حملے کے حق میں ہیں تو کچھ مزید وقت اس لئے لیا کہ مزید حالات معلوم کئے جائیں۔ پھر دو شخصوں (طلحہ بن عبید اور سعید بن زید) کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ اس جنگ کو ٹالنے کی یہ بڑی اعلیٰ درجے کی حکیمانہ تدبیر تھی۔ چنانچہ اسی مشورے اور تگ و دو میں ابوسفیان کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ دریا کنارے کا راستہ اختیار کرکے صاف بچ نکلا۔ یہی مقصد تھا جسے حضورؐ نے ایسی خوبصورتی سے پورا فرمایا کہ مسلمانوں کو ایک پست مقصد یعنی تسکین انتقام اور غیر شجاعانہ جنگ اور لوٹ مار سے بھی بچا لیا۔ اور قوت قتال کو ایک دوسرے اہم موقعہ —— بدر —— کے لئے محفوظ بھی کر لیا۔

ہمیں قرآن پاک سے بھی کچھ اسی قسم کا اشارہ ملتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین (۸ : ۷)

"اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے لئے مقدر ہے۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور ہی جماعت تمہارے لئے ہو۔ حالانکہ اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو حق ثابت کرکے ان کی جڑیں کاٹ دے۔ ...... الخ"

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر مسلمانوں کو قابو حاصل ہوگا۔ ایک طاقتور گروہ تھا۔ اور دوسرا کمزور —— اس کی تفسیر

اب تک یہی کی جاتی ہے کہ ایک معرکہ بدر تھا۔ اور دوسرا یہ تجارتی قافلہ۔ اور اس تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام مسلمانوں کی فطری خواہش یہی تھی کہ کمزور گروہ (قافلہ تجارت) ہی ان کے قبضے میں آ جائے۔ کیونکہ مقابلہ بھی آسان تھا۔ اور مال غنیمت کی فراوانی بھی تھی۔ لیکن اللہ کی ــ اور اللہ کے رسول کی بھی ـــ خواہش یہ تھی کہ قافلہ تجارت کی بجائے اس گروہ سے مقابلہ ہو (یعنی محاربین بدر کا) جس کے بعد باطل و کفر کا زور ٹوٹ جائے۔ یہ کہنا کہ رسول اللہ کی بھی وہی خواہش تھی، جو عام مسلمانوں کی تھی۔ یا خود رسول اللہ ہی نے مسلمانوں کو قافلہ تجارت لوٹنے پر ابھارا تھا۔ ہمارے خیال میں روح قرآنی، سیرت رسول اور مقاصد اسلامیہ کے مطابق نہیں ہے۔

(۴) شکم پر پتھر باندھنا غزوہ احزاب یعنی غزوہ خندق (ذو القعدہ ۵ھ) کے بیان میں عموماً سیرت نگار یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضورؐ کو اپنے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا تو حضورؐ نے دو پتھر اپنے شکم مبارک پر بندھے ہوئے دکھا دیئے۔ سیرت پاک میں جہاں تک مجھے یاد ہے ایک آدھ موقع پر بھی پتھر باندھنے کا ذکر رہا ہے۔ یہاں قابل صرف یہ باتیں ہیں کہ

(۱) بھوک میں شکم پر پتھر باندھنے کا رواج کیا پہلے بھی کہیں تھا، یا بعد میں کہیں اس کا دستور رہا ہے۔ یا آج کہیں اس پر عمل ہوتا ہے؟ بھوک کی شکایت کچھ غزوہ خندق ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ مکی و مدنی دونوں زندگیوں میں مسلمان بھوک کے شکار تھے۔ اور بعض کے لئے بیٹھ کر اٹھنا دشوار ہو جاتا تھا۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں ایک زمانہ میں راہ چلتوں سے مسائل دریافت کیا کرتا تھا کہ شاید اسی بہانے کوئی میری حالت زار دیکھ کر کھانے کو پوچھ لے۔ لیکن کہیں بھی پتھر وغیرہ باندھنے کا ذکر نہیں آیا۔

(۲) کیا پیٹ پر پتھر باندھنے سے واقعی بھوک کو کوئی تسکین ہوتی ہے؟ اگر ہوتی ہے تو غزوہ خندق کے بعد سے اب تک کون کون بھوکا اس پر عمل کرتا رہا؟

(۳) اگر تسکین فاقہ اس سے مقصد نہیں تو اس کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

(۴) کیا اظہار فاقہ کشی کی یہی ایک شکل ہے کہ کپڑا ہٹا کر پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دکھایا جائے؟ کیا زبانی کہہ دینے سے یا چہرے یا آواز سے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔ نقش ظاہر ایسا ہے۔

(۵) کیا روزے دار فاقے سے نڈھال ہو کر شکم پر پتھر باندھا کرتے ہیں۔

(۶) پیٹ پر پتھر باندھنا کوئی محاورہ تو نہیں؟ ہم تیرہ صدیوں کے مسلمات کو غلط نہیں کہہ سکتے، لیکن جب بھی یہ مسئلہ قابل غور تو ضرور ہے۔

(۵) تہائی پیداوار مدینہ پر صلح اسی غزوہ خندق کے سلسلے میں سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ایک ماہ کے مسلسل محاصرے سے جب مسلمان پریشان ہو گئے

ہماری چند مطبوعات

["اسلام نے انسانیت کے لئے ربانی پیغام کی تکمیل کی۔ اور اسی لئے اسلام کے ساتھ ہی تاریخ کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے: ہماری اسلامی کتابیں اسی حقیقت کی تفصیل و تشریح ہیں۔]

قرآنی تعلیمات

قرآن اس کائنات میں خدا کے سوا ہر عالم کے لئے پیغام مرگ ہے۔ ع چیست قرآن؟ خواجہ را پیغام مرگ

قرآن حیات و موت کے اسرار کھولتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ انسانی تمدن میں ہمواری پیدا کرتا ہے۔ مولوی سلیم عبداللہ نے بڑے آسان اور ذہن نشین انداز میں کتاب اللہ کی انقلابی تعلیمات اس کتاب میں پیش کی ہیں۔ قیمت:۔ ایک روپیہ بارہ آنے

رسول پاک

کون تھے؟ کیسے تھے؟ اور آپ نے کیا سکھایا؟

یہی وہ باتیں ہیں جو ہمیں اپنے بچوں اور مستقبل کے نقش گروں کو سکھانی ہیں۔ مولانا عبدالواحد سندھی نے بچوں اور کم پڑھے لکھے حضرات کے لئے یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بہت اچھا تعارف ہے۔ ہر سطر خلوص دردمندی اور سادگی کی خوبیوں سے مالامال ہے۔ قیمت:۔ ایک روپیہ آٹھ آنے

اسلامی تقاریب

اسلامی تقاریب، اسلام کی روح اور شعائر سے ہم آہنگ ہیں۔ یہ کتاب اسی موضوع پر یادگار مضامین کا مجموعہ ہے جسے مولوی غلام دستگیر نے مرتب کیا۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر ذاکر حسین، اور دوسرے اکابرین کے مقالات شامل ہیں۔ قیمت:۔ چار روپے

قرآن پاک کیا ہے؟

اور اس نے کیا کر دکھایا

مولوی عبداللہ سندھی نے انسانی تاریخ پر قرآن حکیم کے انقلابی اثرات کو بڑی سلیس اور صاف زبان میں پیش کیا ہے۔ تاکہ عام آدمی بھی بغیر دشواری و زحمت اپنے آپ کو روح قرآن سے قریب کر سکے۔

قیمت:۔ ایک روپیہ آٹھ آنے

فکر اقبال

مرتبہ:۔ غلام دستگیر

اقبال کی شخصیت مجمع البحرین تھی۔ لیکن اس عظیم شخصیت کا سب سے روشن اور تابناک پہلو اس کی بصیرت قرآن ہے۔ اسی بصیرت نے اسے بتایا کہ اسلام تقدیر کائنات ہے۔

فکر اقبال ایک ایسی کتاب ہے جو اقبال کے افکار کی دنیا تک آپ کی رہنمائی کرے گی اس میں برصغیر کے ممتاز ترین اہل قلم کے مضامین شامل ہیں۔

قیمت:۔ ساڑھے چار روپے

اردو اکیڈمی سندھ

رحمت بلڈنگ۔ مولوی مسافر خانہ۔ بندر روڈ۔ کراچی

اردو مرکز

گنپت روڈ ۔ لاہور

تو حضورؐ کو انصار کی بددلی کا خیال پیدا ہوا۔ حضورؐ نے تجویز فرمایا کہ مدینے کی ایک تہائی پیداوار ادا کرنے کی شرط پر بنی غطفان سے صلح کرلی جائے۔ تاکہ دشمنوں کا ایک بڑا قبیلہ جنگ سے الگ ہوجائے۔ اس پر سرگروہ انصار سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے کہا کہ ہم نے حالتِ کفر میں کسی کو خراج نہیں دیا۔ تو اب حالتِ اسلام میں کون ہم سے خراج وصول کر سکتا ہے؟۔

یہ واقعہ کچھ اس انداز سے لکھا جاتا ہے کہ انصار تو ماشاء اللہ بلند ہمت تھے مگر حضورؐ میں نعوذ باللہ کچھ پست ہمتی آگئی تھی۔ اس لئے کافروں کے ایک گروہ کو خراج دے کر مصالحت کر لینے کی "خواہش یا تجویز" پیش فرمائی۔ آیئے ہم پہلے اسے قرآنی معیار پر پرکھ کر دیکھیں۔ قرآن پاک میں غزوۂ احزاب کے تین گروہوں کا وضاحت سے ذکر ملتا ہے۔

(۱) پختہ کردار والوں کے متعلق یوں ہے:۔

ولما راء المومنون الاحزاب قالوا ھذا ماوعدنا اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایماناً وتسلیماً (۲۲-۳۳)

جب اہل ایمان نے کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بول اٹھے کہ یہی تو وہ بات ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس سے ان کے ایمان اور تسلیم ورضا میں اور اضافہ ہی ہوگیا۔

(۲) ذرا نیچے درجے کے اہل ایمان کے متعلق یوں ہے:۔

واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ہنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا (۳۳: ۱۰، ۱۱)

اور جب نگاہوں میں کجی آگئی اور کلیجے منہ کو آنے لگے تو تم کو اللہ کے متعلق بھی برے ظن پیدا ہونے لگے۔ اس موقع پر اہل ایمان کی آزمائش ہوئی اور ان میں شدید قسم کا تزلزل پیدا ہوگیا:

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان ہی مومنین کے متعلق کہا گیا ہو جن کی ابتدائی حالت وہ تھی جو اوپر والی آیت میں بیان کی گئی ہے۔ اور ان ہی کی یہ حالت بعد میں بتقاضائے بشریت ہوگئی ہوگی۔

(۳) تیسری جماعت منافقین کی ہے۔ جن کا ذکر یوں ہے۔

واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا (۳۳-۱۲)

اور جب منافق اور قلبی امراض رکھنے والے یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو وعدہ کیا ہے۔ وہ محض دھوکا ہے۔

ایک شدید قسم کے امتحان پر بڑے سے بڑے مومن کا ہل جانا تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن اول المومنین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی کمزوریاں منسوب کرنے کی ہمت ہم اپنے آپ میں نہیں پاتے۔ اسی سورۂ احزاب میں منافقوں کا ذکر کرتے ہی یہ آیت موجود ہے کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الخ (۳۳: ۲۱)

تمہارے لئے رسول کی زندگی میں حسین نمونہ موجود ہے"

اگر زیر بحث روایت صحیح ہے تو اس کی اصلیت صرف اتنی ہوگی کہ حضورؐ نے یہ "تجویز یا خواہش" پیش نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ محض امتحاناً یہ دریافت کیا ہوگا۔ تاکہ اگر انصار میں کوئی کمزوری نظر آئے تو ان کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کسی اور طریقے سے کی جائے۔ سیرت نگاروں کا جو انداز بیان ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور بجائے اس کے کہ کمزور دلوں کی ہمت بندھاتے اور الٹا خود ہی نعوذ باللہ ہمت ہار گئے۔ اور وہ بھی اس حد تک کہ کافروں کے ایک گروہ کو مسلمانوں سے خراج دلوانے کی تجویز پیش فرما دی!

حضورؐ نے کفر کے ساتھ اس قسم کی مصالحانہ مداہنت (COMPROMISE) کبھی گوارا نہیں کی۔ جس سے کسی فرد ملت کی اسلامی خودداری مجروح ہو جائے یا ... ملت کی یا اپنی روشِ خودی متاثر ہو۔ ودوا لو تدھن فیدھنون (لوگ چاہتے تھے کہ آپ کچھ ڈھیل دیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔) لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلا اذا لاذقناک ضعف الحیوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا (اگر ہم نے (اے رسول) تم کو ثابت قدم اور اٹل نہ رکھا ہوتا۔ تو تم یقیناً کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ہونے کے قریب ہو جاتے (لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا) تو ہم تمہیں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی یقیناً دوگنی سزا کا مزہ چکھاتے پھر تمہیں ہمارے مقابلہ میں کوئی حامی و ناصر تک نہ ملتا)

اس سے زیادہ صاف، واضح اور طاقتور دلیل حضورؐ کے اٹل و (UNCOMPROM) SING عزم و کردار اور غیر متزلزل یقین وعمل کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ قرآن کی آیت ہے۔

حضورؐ کا کسی موقع پر اپنی طرف سے رعایتیں یا انعامات دینا تو سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ یہ رحمۃ اللعالمینی اور تالیفِ قلوب کے تقاضے ہیں لیکن گھبرا کر یا ڈر کر کسی دباؤ کو قبول کرنا یا ادائے خراج پر مجبوراً راضی ہو جانا یہ تو حضورؐ کی پوری سیرت میں ایک بڑا خلاء پیدا کر دیتا ہے جو قابل قبول نہیں۔

(۶) بُدیل بن وَرقا اور سفارت قریش

تمام سیرت نگاروں نے اسے تسلیم کیا ہے کہ بنو خزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اور بعد دیکھی صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کے ایک فرد بدیل بن ورقا نے حضورؐ کی طرف سے پیام رسانی بھی کی معاہدہ حدیبیہ کے بعد قریش نے بنو بکر سے اور مسلمانوں نے بنو خزاعہ سے معاہدہ کرلیا۔ بکریوں اور خزاعیوں میں قدیم عداوت چلی آتی تھی۔ جو عارضی طور پر اس لئے دب گئی تھی کہ قریش اور بنو بکر دونوں کی دشمنی کا رخ مسلمانوں کی طرف زیادہ تھا۔ جب یہ بکری قبیلہ قریشیوں اور خزاعی قبیلہ مسلمانوں کا حلیف ہوگیا تو بکریوں اور خزاعیوں کا باہمی عناد تازہ ہوگیا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ بکریوں نے قریش کی مدد سے حرم میں بڑی بے دردی سے خزاعیوں کا خون بہایا۔ چالیس خزاعی جن میں بدیل بن ورقا بھی تھے۔ بچ کر نکل گئے۔ اور فریادی اشعار پڑھتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے۔ یہی واقعہ ہے جو آگے چل کر مکے کی طرف مسلمانوں کے کوچ کا سبب بنا۔

یہاں تک سب ہی سیرت نگار متفق ہیں۔ لیکن آگے چل کر بتاتے ہیں کہ ....

حضورؐ کے ساتھ دس ہزار آدمیوں نے (جن میں بنو خزاعہ بھی تھے) جب مرالظہران سے ایک منزل دور پڑاؤ کیا تو اس کی بھنک پاکر قریش نے اپنے تین سفیر و مخبر حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) ابو سفیان اور بدیل بن ورقا کو اسلامی عساکر کی دریافت حال کے لئے بھیجا۔ یہاں قابل غور صرف اتنی سی بات ہے کہ بدیل بن ورقا، قریش کے معتمد یا سفیر و مخبر بن کر ابو سفیان اور حکیم بن حزام کے ساتھ کیونکر آ سکتے تھے۔ جبکہ (۱)

(۱) اس وقت ان کا قبیلہ بنو خزاعہ خود مسلمانوں

بی پی
ڈبل وی
جسم کو
توانائی
بخشتی
ہے

کے ساتھ مرالظہران میں موجود تھا۔ اور پہلے ہی سے حلیف بھی تھا۔

(۲) بنو خزاعہ کو قریش اور بنو بکر نے مل کر بری طرح مارا تھا۔ جس کی فریاد لے کر چالیس بقیۃ السیف جن میں خود بدیل بن ورقا بھی تھے مدینے آئے۔ اور یہی واقعہ مکے کی طرف چل پڑنے کا سبب بنا۔

(۳) بدیل اور ان کے خزاعی قبیلے کا زخم تازہ تھا جو ابھی تک مندمل نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ نہ تو ان کا خون بہا قریش اور بنو بکر نے ادا کیا تھا۔ نہ کوئی مصالحت ہوئی تھی۔

(۴) خزاعیوں کے رئیس۔ بدیل مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اور بذاتِ خود بھی مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ اور بموقع حدیبیہ مسلمانوں ہی کی طرف سے پیغامبر کر قریش کے پاس آتے جاتے رہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ بدیل مدینہ آ گئے تھے۔

ان تمام حقائق کے باوجود دفعۃً وہ قریش کے سفیر و مخبر کس طرح بن گئے؟ یہ ذرا سوچنے کی بات ہے۔

(۷) کعب بن اشرف اور ابو رافع کا قتل

سیرت نگار بڑی بے تکلفی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے کے لئے محمد بن مسلمہ۔ عباد بن بشر۔ حارث بن اوس۔ ابو عبس بن جبر اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ، حضورؐ کی مرضی سے روانہ ہوئے اور ایک خاص دھوکہ سے کعب بن اشرف کو اس کے گھر جا کر قتل کر دیا۔ اور حضورؐ اس سے خوش ہوئے یہ انصاری قاتلین بنی اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا بنی خزرج کو بھی ایسی ہی "نیکی" کرنے کا شوق پیدا ہوا اور عبداللہ بن عتیک۔ عبداللہ بن انیس۔ ابو قتادہ حارث بن ربعی مسعود بن سنان اور خزاعی بن اسود نے حضورؐ کی مرضی سے ابو رافع یہودی کو شب کی تاریکی میں مکان کے اندر قتل کر دیا۔ اور حضورؐ نے اسے بھی پسند فرمایا۔ ان دونوں روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے قتل کعب کے لئے دھوکے سے کام لینے کی خود ہدایت فرمائی۔ اور اس وفد کو بقیع الغرقد تک رخصت فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور قتل ابو رافع کے لئے عبداللہ بن عتیک کو امیر مقرر فرمایا۔ نیز قتل کعب کے بعد حارث بن اوس کو جو زخم لگا تھا۔ اسے حضورؐ نے لعابِ دہن لگا کر اچھا کر دیا۔ اور قتل ابو رافع کے سلسلہ میں عبداللہ بن عتیک کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضورؐ نے اسے بھی ہاتھ پھیر کر اچھا کر دیا۔ کیونکہ حضورؐ دھوکے کے اس قتل سے ہر طرح راضی تھے۔

اس وقت ہم ان تمام اسلامی قوانین قتال و قتل اور اخلاقی اقدار کا ذکر نہیں کریں گے۔ جن کو ایک ایک قدم پر حضورؐ نے خود بھی ملحوظ رکھا۔ اور سب کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ہم صرف اتنا ہی عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ بغیر حالت حرب کسی کے مکان پر جا کر دھوکہ سے قتل کرنے کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔ اور نہ رسول اللہ کی اعلیٰ ترین سیرت سے اسے کوئی تطابق حاصل ہے محمد رسول اللہ کی طرف اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابو براء کلابی کی درخواست پر حضورؐ نے ستر قراء و فضلاء کو تبلیغ کلاب میں دین پھیلانے کے لئے بھیجا۔ بیر معونہ پر پہونچ کر یہ سب کے سب دھوکے سے قتل کر دیئے گئے دو آدمی بچ گئے۔ جن میں سے ایک عمرو بن امیہ نے باغ میں پناہ لیتے ہوئے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا یہ دھوکے کا جواب تھا۔ لیکن حضورؐ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے سیرت نگار اس واقعہ کو بھی لکھتے ہیں۔ اور کعب و ابو رافع کے قتل کے واقعے کو بھی۔ لیکن ذرا سوچئے کہ ان دونوں کے اخلاقی اقدار میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ ان دونوں واقعات کے محل نظر ہونے پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے ہم اس وقت زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔

یہ "مشتے نمونہ از خروارے" قوم کے لئے غور و فکر کے لئے ہے۔ اگر قوم نے دلچسپی لی تو ممکن ہے کچھ اور "از بسیارے" اور بھی پیش کیا جائے۔ سچ پوچھئے تو **پوری اسلامی تاریخ** —— نیز فقہ، احادیث، تصوف اور لغت —— سب پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

١٩٤٦ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
١٩٥١ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
١٩٥٢ء	اگست تا نومبر
١٩٥٣ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
١٩٥٤ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوعِ اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی

اشخاص ریاح یا سودی تبخیر معدہ (معدہ میں گیس پیدا ہونا) کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا، تمام جسم میں درد، سر میں چکر، بھوک غائب، ہاضمہ خراب، طبیعت میں بےچینی۔ سینے میں جلن۔ خون میں کمی اور نزلہ رہنا، اس مرض کی عام شکایات ہیں۔ اس مرض کا حب باسوری اور جوہر ہضم (مکمل کورس) سے زیادہ زود اثر کوئی دوسرا علاج نہیں یہ تمام شکایات کو دور کر کے تندرستی قوت اور توانائی بخشتا ہے۔ قیمت مکمل کورس ... ڈاک کے ٹکٹ ... ماہنامہ ہمدرد کراچی۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیج کر خریدار بنئے

ہمدرد دواخانہ۔ فریر روڈ۔ کراچی۔ فون نمبر ٣٥٢١

ہنسا چھالیا

دو ٹکڑے —— صاف خشک —— پرانے

(پیکٹوں میں خرید یئے)

تیار کردہ:- **محمد اصغر محمد یونس چھالیا والے** —— جونا مارکیٹ —— کراچی نمبر ٢

حضرت رسالت مآب صلعم کی تعلیم اور سیرت کا معاملاتی پہلو

(از:- ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی)

ہر انسان کی شخصیت کے دو بڑے پہلو ہوتے ہیں۔ ایک روحانی (جس میں اخلاقی پہلو بھی شامل ہے) اور دوسرے جسمانی (جو ذہنی پہلو پر بھی مشتمل ہے) شخصیت کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے۔ جب یہ دونوں پہلو ایک ساتھ متوازن طور پر نشو ونما پائیں۔ اور ہر ایک پوری طرح عمل کرے۔ اگر ایک پہلو بھی ناقص رہ جائے تو پھر اس انسان کی شخصیت نامکمل رہ جاتی ہے۔ اور معاشرہ کو اس کی ذات سے کما حقہٗ فائدہ نہیں پہنچتا۔ روحانی اور جسمانی پہلو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور آزاد نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ جس شخص کا جسم اور ذہن جامد ہو کر رہ جائے اور پوری طرح نشو ونما نہ پائیں۔ اس کی روحانی اور نفسیاتی کیفیت ویسی آب دار نہیں ہو سکتی۔ جیسی ایک تندرست اور صحیح العقل شخص کی ہوتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کی روحانی ترقی رک جائے۔ وہ اپنے جسم اور قوائے ذہنی سے صحیح طور پر کام نہیں لے سکتا۔ اس جہان فانی کی حد تک انسانی زندگی میں روح اور جسم کی ایک ساتھ نشو ونما لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس نے شخصیت کے ان دونوں پہلوؤں کی نشو ونما پر زور دیا ہے۔ دوسرے مذاہب میں جسم کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب کے پیروؤں کو جب دنیاوی ترقی کا خیال ہوا تو وہ مجبور ہو گئے کہ مذہب کو شخصی اور خانگی حیثیت دے کر پس پشت ڈال دیں۔ اور سیاسی اور دنیاوی معاملات میں مذہب کو کوئی دخل دینے کی اجازت نہ دیں۔ اس کے برخلاف اسلام نے ایسی کوئی تفریق روا نہیں رکھی اور معاملات کو بھی دین کا جزو اسی طرح قرار دیا۔ جس طرح عبادت کو اسلامی تعلیم میں حقوق العباد کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی حقوق اللہ کی۔ بلکہ اول الذکر کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ حق تعالیٰ غفور الرحیم ہیں اور اپنے حقوق بھی معاف کر دیتے ہیں۔ لیکن بندوں کے حقوق کے معاملہ میں وہ دخل انداز نہیں ہوتے۔ ایک بندے کا حق جو دوسرے پر ہو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔

اسلام میں علم الاخلاق کی بنیاد اسی حقوق العباد کے اصول پر ہے۔ چونکہ اس کا تعلق انسانی معاشرے سے ہے جو طبعی کائنات کا ایک جزو ہے۔ اس لئے وہی قانون مکافات یعنی عمل و ردعمل پایا جاتا ہے۔ جو طبعی کائنات میں جاری و ساری ہے۔ کسی شخص کے ہر اس عمل کی جو دوسرے بندوں پر اثر انداز ہو جزا یا سزا ناگزیر ہے۔ بلحاظ اس کے کہ وہ عمل خیر ہے۔ یا شر۔ معاشرہ میں کسی شخص کا کوئی عمل نہ تو بے اثر ہوتا ہے۔ نہ قابل تلافی۔ کیونکہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح اس کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ علم طبعیات میں ایسے عمل کو (IRREVERSIBLE PROCESS) کہتے ہیں۔

بدقسمتی سے مسلمانوں نے حضرت رسالت مآب صلعم کی تعلیم اور سیرت مبارک کے معاملاتی پہلو پر کافی توجہ نہیں کی اور عبادت و توبہ کا غلط مفہوم لیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ اگر انسان کلمہ پڑھے، دن میں پانچ وقت نماز ادا کرے۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھ لے۔ سالانہ زکوٰۃ نکال دے اور عمر بھر میں ایک حج کر لے تو پھر اس پر کوئی اور ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ اس کی نجات یقینی ہے۔ اور جنت اس کے لئے مقسوم ہو چکی ہے۔ اس کے بعد چاہے وہ معاملہ کا کتنا ہی کھوٹا کیوں نہ ہو۔ لوگوں کے حقوق کی پامالی میں کوتاہی کیوں نہ ہو۔ تجارت اور کاروبار میں بددیانتی کا مرتکب کیوں نہ ہو۔ اس کی عبادتیں آڑے آئیں گی۔ اور اس کو دوزخ کی آگ سے بچالیں گی۔ اگر حقوق العباد کی کچھ اہمیت سمجھی بھی تو یہ کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیا کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ مرتے دم توبہ کر لیں گے اور سارے گناہوں سے ایسے پاک ہو جائیں گے۔ جیسے ماں کے بطن سے پیدا ہوا نوزائیدہ بچہ۔ گویا بزعم خویش وہ قانون قدرت کو توڑ سکتے ہیں۔ اور (IRREVERSIBLE) افعال کو (REVERSIBLE) بنا سکتے ہیں۔ عبادت اور توبہ کے اس غلط تصور نے یہ صورت حال پیدا کر دی ہے کہ نہ صرف جدید تعلیم یافتہ مسلمان بلکہ غیر اقوام کے لوگ بھی جب کبھی کسی مذہبی اور مقدس شکل کے مسلمان کو دیکھتے ہیں تو فوراً اس کی اخلاقی پستی اور بدمعاملگی پر یقین کر لیتے ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ صرف مذہب سے بیگانہ طبقہ ہی دیندار اشخاص کے متعلق ایسا خیال رکھتا ہے۔ بلکہ علامہ حالی جیسے اہل دل کا بھی یہی تاثر تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

غضب خدا کا! جس ذات قدس صفات نے بنی آدم کو جہالت اور گمراہی کے تحت الثریٰ سے نکال کر علم و عرفان اور کمال شخصیت کے عرش معلّٰی پر پہنچنے کا راستہ بتایا ہو۔ اس کے پیروؤں کے متعلق دنیا کا یہ خیال ہو کہ ان میں جو شخص جتنا زیادہ مذہب کا پابند نظر آئے وہ اسی قدر زیادہ پست سیرت انسان ہوگا اس جانکاہ سانحہ پر قلب اور زبان بے اختیار چیخ اٹھتے ہیں

یا محمد در قیامت گر برآری سر ز خاک
سر برآر و این قیامت در میان خلق بین

پھر یہ حالت کسی خاص خطہ زمین تک محدود نہیں ہے۔ جس کسی نے بھی اسلامی ممالک کا سفر کیا ہے۔ وہ اگر دیانت داری کے ساتھ اعتراف کرے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کرے تو شہادت دے سکتا ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلمان بستے ہیں سیاسی اور مادی انحطاط کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی پستی بھی ضرب المثل بن چکی ہے۔ ممکن ہے بعض گوشوں سے یہ آواز آئے کہ اور دوسری قوموں کی اخلاقی حالت بھی تو کچھ نصب العینی نہیں ہے۔ پھر مسلمانوں ہی کو کیوں مورد عتاب کیا جا رہا ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہم کو سب سے پہلے اپنی حالت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ دوسرے لوگ اپنی فکر آپ کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سوال شدت کا ہے۔ دوسروں کی حالت اتنی خراب نہیں ہے۔ جتنی ہماری حالت ابتر ہے۔ پھر ان قوموں کے متعلق "کنتم خیر امۃ" نہیں کہا گیا ہے۔ ان کے پیغمبر خاتم النبین نہیں تھے۔ ان کے مذاہب کے متعلق خداوند کریم نے "الیوم اکملت لکم دینکم" نہیں فرمایا ہے۔ ان کی عبادتوں کی بابت یہ دعویٰ نہیں کیا گیا ہے کہ وہ "فحشا اور منکر سے باز رکھتی ہیں"۔

مسلمانوں کے متعلق یہ امر قابل غور ہے کہ وہ اسلام کے معتقد ہونے کے باوجود قعر مذلت میں کیوں پڑے ہوئے ہیں کیا نعوذ باللہ قرآن کا یہ وعدہ غلط ہے کہ "اگر تم مومن ہو تو سب سے زیادہ بلند و برتر رہو گے"؟ اذا فات الشرط فات المشروط اگر صغریٰ ہی غلط ہو تو کبریٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی پستی اگر ایک امر واقعہ ہے تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کی رو سے اس کا لازمی سبب یہ ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں مومن نہیں ہیں۔ اسلام کے ارکان خمسہ پر ایمان رکھنے اور ان فرائض کے بجا لانے کے بعد بھی وہ سچے مسلم نہیں کہلائے جا سکتے۔ اس لئے کہ ان کی سیرت میں معاملات کا پہلو ناقابل بیان حد تک تاریک ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں ابھی حال ہی میں مسلمان ہوا ہوں۔ لیکن مجھ سے یہ نماز روزہ وغیرہ اتنے بہت سے جھگڑے نہیں ہو سکتے۔ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے جس پر میں عمل کر سکوں۔ آپ نے فرمایا اچھا تم جھوٹ نہ بولو۔ کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ نہ بولنے کا اقرار کیا اور رفتہ رفتہ اسی ایک بات کی بدولت وہ صالح اور پاکباز مسلمان بن گیا کیونکہ جب کبھی وہ کسی برے کام کا قصد کرتا۔ تو فوراً اسے خیال آ جاتا کہ لوگ پوچھیں گے تو سچ کہنا پڑے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلعم کی فطرت شناس نظروں میں حسن سیرت اور عمل صالح کی کس قدر اہمیت تھی۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ارکان خمسہ گویا رکنیت کے چندہ کے مماثل ہیں۔ جس کو ادا کرنے کے بعد کوئی شخص مسلم سوسائٹی کا ممبر بن جاتا ہے۔ لیکن جس طرح چندہ ادا کرنے کی بنا پر

کوئی فرد کسی سوسائٹی کا مفید یا کارکن ممبر نہیں کہلایا جاتا بلکہ اس کے لئے سوسائٹی کے اعلیٰ اغراض و مقاصد اور پروگرام پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح محض کلمہ پڑھنے یا نماز روزہ کی ادائیگی سے انسان اسلامی معاشرے میں داخل تو ہو جاتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں مرد مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کی سیرت اور کردار اس قسم کا نہ ہو جو اسلامی معاشرے کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ اسلامی سیرت و کردار وہی ہے جس کے متعلق قرآن حکیم میں کہا گیا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اگر ہماری جماعت کے افراد حقیقی معنوں میں مسلمان ہونا چاہیں۔ اور صحیح قسم کے اسلامی معاشرے کی تکمیل کا خیال ہو تو اس کے لئے اسوہ حسنہ کا اتباع لازمی ہے

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلعم نے اپنی رسالت کے ثبوت میں کوئی معجزات پیش نہیں کئے۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ کوئی شخص باہر والوں کی نظر میں ہیرو ہو تو ہو۔ لیکن اس کے اپنے گھر والے جو اس کو نہایت قریب سے اور ہر لحظہ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے دیکھتے ہیں۔ مشکل ہی سے اس کو ہیرو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ پھر کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی رسالت پر سب سے پہلے ان کے اپنے گھر والے اور قریبی دوست ایمان لائے۔ اسکی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں کو آپ کی صداقت، خلوص اور دیانت داری پر اتنا اطمینان تھا کہ جب آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا تو ان کے وہم و گمان بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ دعویٰ صحت و صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

بعثت سے قبل بھی آپ کا کردار ہر قسم کی آلائش سے پاک تھا۔ کسی کے سہارے زندگی گذارنے کی بجائے آپ نے محنت و مشقت کو ترجیح دی۔ اور تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ دین اور معاملے کے آپ اتنے کھرے تھے کہ آپ کی دیانت اور راست بازی زبان زد خاص و عام ہو گئی تھی اور قوم نے آپ کو امین کا لقب عطا کیا تھا۔ لوگ خواہش رکھتے تھے کہ آپ ان کی طرف سے تجارت کریں۔ اس پیشہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے آپ کو غیر ممالک کی سیاحت اور دنیا کے حالات سے واقفیت کا موقعہ ملا۔ اور آپ نے بتا دیا کہ پاکبازی کی زندگی کے معنی یہ نہیں کہ انسان ساری عمر پہاڑ کی چوٹی پر گوشہ تنہائی میں دنیا سے دور گذار دے بلکہ تکمیل ذات کے لئے ضروری ہے کہ انسان کشمکش حیات سے کماحقہ عہدہ برآ ہو۔ اس زمانہ کے رجحان کے برخلاف آپ نے اپنے معتقدین کو رہبانیت سے اجتناب کی تعلیم دی۔ اور مسلمانوں کو سکھایا کہ وہ خدا سے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی کے لئے دعا کریں۔ پھر اس دنیا میں بھی آپ نے تنہائی اور تجرد کی زندگی نہیں بسر کی بلکہ ساری عمر اہل و عیال کے ساتھ گذاری۔ اور ہر ایک کو ان کا حق ادا کیا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کہ آپ اسی دنیاوی زندگی میں منہمک ہو گئے ہوں۔ بلکہ غار حرا کی خلوت میں غور و فکر بھی آپ نے کیا ہے۔ اور خدا کی یاد میں شب بیداری اور تہجد بھی آپ کا شیوہ رہا ہے۔ انسان دوستی کوٹ کوٹ کر آپ کی ذات میں بھری ہوئی تھی۔ اور خوردوں اور بچوں سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔

جب آپ کی قوت و اقتدار انتہائی عروج پر تھے اس وقت بھی آپ کو فقر پر فخر تھا۔ استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ امت کا ہر فرد اپنی جان اور اپنا مال آپ پر سے نثار کرنے کو عین سعادت سمجھتا تھا۔ لیکن آپ نے کبھی بیت المال سے اپنا پورا حصہ نہیں لیا۔ اور وفات کے بعد کوئی اثاثہ گھر والوں کے لئے نہیں چھوڑا۔ امت میں آپ نے اپنے بیٹے یا اپنے اہل و عیال کے لئے کوئی خاص مقام مقرر نہیں کیا۔ اور عقیدت مندوں کو خدا کا فرمان یاد دلایا کہ

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما
الٰھکم الٰہ واحد۔ اور ما محمد الا رسول
قد خلت من قبلہ الرسل۔

لوگوں کو اوہام باطل میں مبتلا رکھنے اور مذہب کے نام سے مقتدایان مذہب کا تسلط برقرار رکھنے کی بجائے آپ نے سرے سے مذہبی پیشواؤں کا وجود ہی ختم کر دیا۔ اور خالق و مخلوق کے مابین کوئی پردہ حائل نہیں رکھا۔

آپ نے انہوں کو تعلیم دی کہ دنیاوی معاملات میں عقل کو استعمال کریں۔ اور غور و فکر سے کام لیں۔ پوری قوم کے سیاسی رہنما اور روحانی قبلہ گاہ ہونے کے باوجود آپ نے ہر غزوہ اور جنگ میں ایک معمولی سپاہی کی طرح حصہ لیا۔ اور اپنی جان خطرہ میں ڈالی۔ جمہوریت، مساوات اور اخوت کی ایسی مثال تو دنیا بیسوی صدی کے اس روشن خیال زمانہ میں بھی نہیں پیش کر سکتی۔ جب کہ مملکت کے صدر تو کجا خود فوج کے سپہ سالار بھی مضبوط قلعوں یا زمین دوز پناہ گاہوں میں بیٹھے سپاہیوں کو محاذ جنگ پر روانہ کیا کرتے ہیں۔

آپ کی پیدائش ایک ایسی قوم میں ہوئی جو شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھی۔ ان کی جہالت کا یہ حال تھا کہ جب آپ نے توحید کا علم بلند کیا تو اپنی غلطی اور گمراہی کو محسوس کر کے اس نور ہدایت کو قبول کرنے کی بجائے ان کے کفر و انکار میں اور اضافہ ہوا۔ اور انہوں نے شدت کے ساتھ آپ کی مخالفت پر کمر باندھی۔ اور ہر ممکنہ طریق سے آپ کی راہ میں مزاحم ہوتے۔ لیکن اس سے آپ کے عزم مصمم اور یقین محکم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آپ پوری ہمت اور مستقل مزاجی کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آپ نے خدا کا پیام انسانوں تک بہ تمام و کمال پہنچا دیا۔ اور اپنے مشن کی تکمیل کی۔

تاریخ عالم میں کوئی اور دوسری مثال ایسی نہیں ملتی کہ ایک فرد واحد نے اس قدر بے سروسامانی کے ساتھ ابتدا کر کے نہ صرف ایک قوم بلکہ ایک دنیا کی موجودہ اور آئندہ قسمت میں اس قدر زبردست انقلاب پیدا کیا ہو۔ یہاں تو میں نے شمائل نبوی میں سے صرف ایک دو نکات ہی بیان کئے ہیں۔ ورنہ بے شمار جلدیں ذکر مبارک سے بھری ہوئی ہیں جب خود حضرت ذوالجلال اس ذات پاک کی حمد کرتے ہوں تو ہماری کیا حقیقت ہے کہ اس کی جرأت کریں

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

مقصود اس مختصر تحریر سے یہ ہے کہ مسلمانوں پر واضح کر دیا جائے کہ وہ کس طرح "باعث رسوائی پیغمبر" بن گئے ہیں ان میں کہیں بھی اسوہ حسنہ کی جھلک نظر نہیں آتی۔ عوام گمراہ ہیں اور خواص ریاکاری میں مبتلا۔ ان کی عبادت کا یہ حال ہے کہ مسجد و محراب بھی ان کے سجدے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

اس دور میں امت مسلمہ کے ہر فرد کا یہ اہم ترین فریضہ ہے کہ وہ رسول کریم کے اسوہ حسنہ کا قلب و نظر کی پوری گہرائیوں اور وسعتوں کے ساتھ مطالعہ کرے اور پھر اپنی حالت پر غور کرے کہ آیا وہ اس قابل ہے کہ اس ذات قدس صفات کے نام لیواؤں میں شمار کیا جا سکے۔

چوں نہ داری از محمد رنگ و بو
از درود خود میالا نام او

مطبوعات طلوع اسلام کی
شرائط ایجنسی
شرح کمیشن
معارف القرآن ____ ۲۵ فی صدی
دیگر مطبوعات ____ ۳۳ فی صدی
۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائے گی۔
۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔
۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔
۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔
نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔
ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

سلیم کے نام
از پرویز
قیمت چھ روپے

ہر فرد کی عقل

کا تقاضا اس کے اپنے مفاد کا تحفظ ہے۔ اسی طرح ہر قوم کا تقاضا اس کے اپنے مفاد کا تحفظ ہے۔

نہ فرد کی عقل

کسی دوسرے فرد کا مفاد سوچ سکتی ہے، اور نہ

قوم کی عقل

کسی دوسری قوم کے مفاد کا خیال رکھ سکتی ہے۔ لہذا

فرد یا قوم

کے بس کی بات نہیں کہ وہ نوع انسانی کے مفاد کے لئے کوئی نظام وضع کرے۔ ایسے نظام کا سرچشمہ صرف وحی ہی ہوسکتا ہے وحی کا عطا کردہ نظام کیا ہے۔ اسے

✡ نظام ربوبیت ✡ (از۔ پرویز)

میں ملاحظہ کیجئے

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ میکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ہے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نومبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاہیں وہ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۸/۳۰ X ۲۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک۔

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷۔ کراچی۔ ۳

اچھی صحت زندگی خوشگوار رکھتی ہے
حفظِ صحت بڑی حد تک دانتوں کی صفائی پر منحصر ہے
دانتوں کی صفائی کے لیے ...
مسواک ٹوتھ برش
مفید ترین رفیق ہے
MISWAK
مسواک
یہ زندگی خوشگوار رکھتے ہیں
جاری کردہ۔ دفتر مسواک ۵۵ لکشمی بلڈنگ۔ کراچی پاکستان
HASHI